PAGES MISSING
WITHIN THE
BOOK ONLY

UNIVERSAL LIBRARY

جلد ۱ - نمبر ۵
اکتوبر ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین علوی
پرنٹر نواب علی
نامی ورن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
قیمت سالانہ ۳ روپیہ
مقام اشاعت پل جھاؤلال لکھنؤ
نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ آنہ

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔

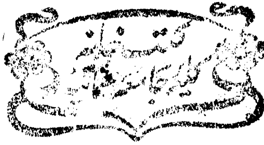
(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکے ہوں ان کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو گا۔

(۶) ناتمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہئیں۔



تمدن

حقیقت زمین

(حکمائے قدیم کی نقطۂ نظر سے)

ہم لوگ زمین پر رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم واقف ہیں حالانکہ مدتوں سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے۔ اور حکمائے قدیم نے بھی زمین کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اور جدید حکمائے یورپ نے بھی۔ لہذا ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے بعض اقوال قدیم حکماء کے زمین کے حقیقت کی نسبت لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الم نجعل الارض مہاداً والجبال اوتاداً۔ ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ الذی جعل لکم الارض فراشاً والسماء بناءً۔ ترجمہ اور اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو ڈیرہ بنایا

اور فرماتا ہے :۔" واللہ جعل لکم الارض بساطاً" یعنی اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بساط (بچھونا) بنایا ہے مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ مہاد اور بساط اُس ہموار اور کشادہ بچھونے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز ٹھہر سکے اور قرار پکڑ سکے۔ اور اُس میں متصرف ہو سکے۔ یعنی اُس پر تعمیر مکان وغیرہ ممکن ہو اور کتب لغت میں مہاد۔ بساط۔ فراش۔ کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ صاحب منتخب جہانگیری لکھتا ہے :۔ بساط فتح زمین فراخ و ہموار و بالکسر گستردنی چون حصیر (چٹائی) و بستر" اور کہتا ہے :۔ مہاد بالکسر بستر و بساط و فرش ہا[1]

غرض یہ تو حکیم علے الاطلاق کا ارشاد تھا۔ مگر حکما، نے زمین کی ہیئت و شکل کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو کہا ہے کہ زمین مبسوط یعنی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ اور اُس کی سطح مستوی یعنی برابر ہے۔ جس طرح لکڑی کا تختہ ہوا کرتا ہے۔ اُس کی چار جہتیں ہیں۔ مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال اور بعض حکماء نے خیال کیا ہے کہ وہ دسترخوان کی طرح ہے کہ طول زیادہ اور عرض کم ہے۔ اور انھیں حکما میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ طبل یعنی ڈھول کی صورت ہے اور بعض حکمائ اس طرف گئے ہیں کہ نصف کرہ سے مشابہ ہے۔ یعنی جیسے قبہ ہوتا ہے۔ اور آسمان اُسکے اطراف (کناروں میں) جڑا ہوا ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمین مستدیرہ یعنی بالکل کرہ کی طرح گول ہے۔ اور آسمان ہر طرف سے اُسکے گرد اس طرح محیط (گھرا ہوا) ہے جس طرح کہ انڈے کا چھلکا اُس کی زردی پر چھایا ہوا ہوتا ہے گویا زمین انڈے کی زردی ہے اور سفیدی

[1] مطبوعہ کانپور ۱۹۰۷ء ردلیۃ سہم مع الدلال۔

پانی ہے اور چھلکا آسمان ہے البتہ انڈے اور زمین میں فرق صرف اسقدر ہے کہ اول الذکر میں کسی قدر لمبا پن ہوتا ہے اور زمین میں یہ لمبوترا پن نہیں ہے بلکہ وہ گیند کی طرح گول ہے کسی طرف سے اُسکی گولائی میں نقص نہیں ہے۔ نہ لمبا پن ہے اور چپٹا پن ہے اور وہ یہاں تک سڈول ہے کہ بقول بعض مہندسین اگر زمین کے کسی نقطۂ ریاضی پر ایک جانب سے گڑھا کھود اجائے تو وہ دوسرے رخ تک پار ہو جائے گا۔ مثلاً اگر سرزمین اندلس میں ایک سوراخ بخط مستقیم کیا جائے تو یقیناً وہ سوراخ سرزمین چین تک وارسے پار ہو جائے گا۔

اور بعض حکماء کا خیال یہ ہے کہ زمین ٹھوس نہیں بلکہ مقعر ہے یعنی اُسکے اندر خلا ہے جس طرح آبخورا اندر سے خالی اور اوپر سے گول ہوا کرتا ہے۔

زمین کی تعداد جس طرح زمین کی ہیئت میں اختلاف ہوا ہے اسی طرح اسکی تعداد میں بھی کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ لیکن حکیم جلیل یعنے اللہ تعالیٰ جس سے بڑھکر سچا اور کوئی نہیں یوں فرماتا ہے الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمین۔ یہ تمثیل جس طرح زمین کے اعداد کے لیے شاہد ہوسکتی ہے اُسی طرح اُسکے طباق یعنی طبقہ بہ طبقہ ہونے پر شاہد ہے یعنی جس طرح کہ آسمان تہ بہ تہ ایک کے اوپر ایک ہے اور مجموعی تعداد اُنکی سات ہے اسی طرح زمین کی مجموعی تعداد اور بنوٹ بھی ایسی ہی ہے جیسے پیاز کا چھلکا ایک کے اوپر ایک ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ زمینیں ایک پر ایک واقع ہوئی ہیں اور موٹائی ہر زمین کی اتنی ہے کہ پانچسو سال کی رفتار میں طے ہو۔ اور ہر ایک طبقۂ زمین کے رہنے والے بھی الگ الگ ہیں اور وہ اپنی ہیئت وصفات کے لحاظ سے بھی عجیب [illegible] ہیں

اور ہر ایک زمین ایک خاص نام سے موصوف ہے۔ اور زمین کے طبقۂ چہارم میں اہل دنیا رہتے سہتے ہیں۔

وہب۔ اور کعب و مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ ہر طبقۂ زمین پر ایک ایسا ہی آدم ہوا ہے جیسا آدم ہمارے ہاں ہوا ہے اور اسی طرح نوح جیسا ہمارے طبقۂ زمین پر گذرا ہے اسی طرح ایک ایک نوح تمام طبقات ارض میں ہوا ہے۔ اسی طرح ابراہیم وغیرہ۔ واللہ اعلم اور یہ اُن فلاسفہ کے قول سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جن کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں بہ کثرت سورج اور کثیر التعداد چاند ہیں۔ گویا ہر اقلیم زمین کے سورج اور چاند اور ستارے الگ الگ ہیں۔

اور قدما نے کہا ہے کہ زمین بالکل ایک دوسرے سے مجامد (ملی ہوئی اور جُڑی ہوئی) سات ہیں اور انھیں بھی سب کی جداگانہ درجہ اجدا طرز کی ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ زمین سات ہیں۔ مگر اونچائی نچائی کے لحاظ سے جیسے زینے اور سیڑھی کے درجے ہوا کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء کا گمان ہے کہ زمین پانچ منطقوں پہ تقسیم ہے منطقۂ شمالی منطقۂ جنوبی۔ منطقۂ مستوی۔ منطقۂ معتدلہ۔ اور منطقۂ وسطی۔

اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ زمین کی وسعت کتنی ہے چنانچہ مکحول نے کہا ہے کہ اوپر سے نیچے تک پانسو سال کی مسافت میں ہے۔ دو سو سال کی مسافت اس حصۂ زمین سے پانی میں اور دو سو سال اُس حصہ پر جہاں کوئی نہیں رہتا اور اسی سال کی مسافت اس حصہ میں جہاں یاجوج ماجوج ہیں اور بیس سال کی مسافت اس زمین میں جہاں ساری مخلوق بستی ہے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ چوبیس ہزار فرسخ کے دور میں زمین واقع ہے

سلہ اسرائیلی علما [illegible] اسلام [illegible] کی اور خاص کر بنی اسرائیل سے متعلق ہیں انکے [illegible]

بارہ ہزار فرسخ کی مسافت میں ملک سوڈان ہے اور آٹھ ہزار کی مسافت میں ملک روم تین ہزار کی مسافت میں ایران و ترکستان۔ اور ایک ہزار فرسخ کی مسافت میں عرب۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ سوڈان کی چوتھائی آبادی ایسی ہے جو کپڑے نہیں پہنتی۔

اور بطلیموس نے زمین کے قطر گہرائی اور گولائی کی مقدار مقرر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زمین کی گولائی اسکے محیط کے اندر ایک لاکھ اسی ہزار اسطاریوس کے برابر ہے اور ایک اسطاریوس چوبیس میل کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے گویا زمین کی گولائی ایک کروڑ چوالیس لاکھ فرسخ کی ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار ملکی گز کا اور ایک گز تین بالشت کا اور ہر بالشت بارہ اُنگلی کا اور ایک اُنگلی پانچ جَو کی جو برابر برابر رکھے ہوں۔ اور ایک جَو کی چوڑائی (عرض) خچر کے ۶ بالوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور اسطاریوس بہتر ہزار گز کا ہوا۔ اور زمین کی دبازت یعنی اُس کا قطر سات ہزار چھ سو تیس میل کا ہے جو برابر ہے دو ہزار پانسو پینتالیس اور ایک ثلث فرسخ کے۔ اور زمین کا کل بسط یعنی پھیلاؤ ایک سو تیئیس لاکھ۔ چھ سو میل مربع اور یہ دو لاکھ ۸۸ ہزار فرسخ ہوا۔ لیکن اگر واقعی یہ سچ ہے تو گویا اللہ کی جانب سے بطلیموس پر وحی نازل ہوئی یا الہام ہوا۔ اور اگر محض قیاس اور استدلال ہے تو اگر بالکل سچ نہیں تب بھی سچ سے قریب ضرور ہے اور قتادہ و مکحول کا قول بھی واجب الیقین نہیں ہے کہ اُنکو علم غیب ہوا ہو۔[1]

(باقی آیندہ) الراقم "محص"

---

[1] یہ مضمون عربی کی ایک بہت پرانی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اُس کے بعد کی اور نیز جدید تحقیقات اس میں شامل نہیں ہے۔

پروانہ

او ننھے سے پتنگے او جان دینے والے
نافہم ناسمجھ اور نادان بھولے بھالے
کیا غم سے تیرے دل میں بھی پڑ گئے ہیں چھالے
کیا تو بھی چپکے چپکے کرتا ہے آہ نالے

کیا بات شمع میں ہے جس پر مٹا ہوا ہے
تو آتش محبت سے کیوں جلا ہوا ہے

او چھوٹے سے پتنگے او خون رونے والے
بیتاب ہو کے فرقت میں جان کھونے والے
آپ اپنی رہ میں کانٹے دن رات بونے والے
آتش میں جلنے والے خود خاک ہونے والے

کیوں اپنی جان سے تو بیزار ہو رہا ہے
کیوں عشق تیری گردن کا ہار ہو رہا ہے

جان عزیز اپنی تو نے عبث گنوائی
خود جل کے آگ میں تو ناحق بنا فدائی
تیری وفا شعاری کچھ بھی نہ کام آئی
معشوق کی نظر میں عزت نہ تو نے پائی

پورا کسی طرح تو اترا نہ امتحاں میں
دی جان تو نے پھر بھی رسوا ہوا جہاں میں

لازم تھا رفتہ رفتہ گھل گھل کے غم سے مرنا
یوں چاہیے تھا تجھکو دنیا سے کب گذرنا
آسان نہیں پتنگے دعوائے عشق کرنا
دریائے عاشقی سے مشکل ہے پار اترنا

دم بھر میں جل کے دیدی جان اپنی ہائے تو نے
صدمے مفارقت کے کس دن اٹھائے تو نے

ہے شمع عاشقی میں ثابت قدم زیادہ
رکھتی ہے اپنے دل میں تجھ سے وہ غم زیادہ
بھرتی ہے دمبدم وہ الفت کا دم زیادہ
ترجیح تجھ پہ دیتے ہیں اسکو ہم زیادہ

سوز غم والم سے ہر وقت گل رہی ہے
تا صبح شام سے وہ خاموش جل رہی ہے

رسا ہمدانی گیاوی

نگاہِ لطف کے امیدوار

کرم فرمائیم! السلام علیکم۔

زمانۂ موجودہ کی آب و ہوا جنس نازک کی خرید و فروخت اور جنس قوی کی جانچ اور پرکھ کے لیے اسقدر موزوں ہے کہ آئے دن ایک نہ ایک دوشیزۂ شوہر طلب کی جانب سے کوئی نہ کوئی اعلان یا ضرورت شائع ہوتی رہتی ہے! حاجی بلغ العلےٰ صاحب عرصہ ہوا کہ میدان جنگ کی طرف مع اپنے بے نظیر دماغ کے سدھار گئے! ان کے مقلدین اس طویل جدائی کا بوجھ نہایت مغموم و مضطرب دل کے ساتھ بیکاری کے رنگ میں اٹھا رہے ہیں! چند روز ہوئے کہ احباب کی عنایت غیر معمولی کی بدولت قریب قریب تمام حلقہ بگوشانِ حماقت اچانک طور پر ایک جگہ جمع ہو گئے اور مذکورۂ بالا مسئلہ پر بحث چھڑ گئی! بڑی ردو قدح اور پورے غور و خوض کے بعد سب کے سب اس نتیجہ پر پہنچ کر سالک ہوئے کہ اعلان زوج جو کچھ بھی ہو زوجہ کی طرف سے نہ ہوا کرے!

۱۹۱۷ء کی ضروریات اور خصوصاً موجودہ جنگ عظیم کا قتل عام بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ "زوج" حضرات اپنی صفات و عادات کا اعلان کیا کریں اور درخواستیں صنف نازک کی طرف سے موصول ہوا کریں۔ ہندوستان کی شاعری میں۔ میرا مطلب ہندی سے ہے۔ عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے اور اس میں شعریت کا لطیف عنصر غالب ہوتا ہے! ان تمام وجوہات نے زیر سایہ میرے احباب نے اپنا اپنا نام مع ضروری صفات کے

اعلان کے لیے بھیج دیا۔ ذیل کی فہرست اُن ہی احباب کے اصرار کا نتیجہ ہے! الفاظ کا ذمہ دار میں سہی، لیکن خیالات کے ذمہ دار یہ حضرات خود ہیں - یا راوی!! مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں ہے!

(۱) ..... ملازمت سرکار کی سیڑھیاں چڑھنے میں ریش اسلامی کو نورٌ علیٰ نور بنا چکے ہیں۔ اگرچہ بظاہر خضاب سودیشی اس نور کو کالے آدمی کے رنگ میں مبدل کرتا رہتا ہے!! شباب کا زمانہ یک قلم، قلم انداز کر دیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ فرض تو در کنار سُنت بھی کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی!! پارسائی کی گارنٹی اس حد تک کی جا سکتی ہے کہ اپنی جیب خاص اور اپنے تنہا ارادہ سے کبھی کانوں اور آنکھوں کو بھی گنہگار نہیں بنائیں گے! رہا دوست احباب کا اصرار..... تو آپ جانتے ہیں اسلام میں کسی کا سوال رد کرنا اور خصوصاً خاطر شکنی بھی تو گناہ عظیم ہے! قد لمبا: جسم اکہرا: مزاج نہایت سیدھا اور سادہ: معاملہ کے نہایت کھرے: اور "اعلان عام" کرنے کی خاص عادت سے متصف! شادی کی حاجت تو نہیں ہے لیکن اسلامی نقشہ و مزاج والی عورت۔ جو بیعت کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہو۔ اگر مل جائے اور دوست احباب کا اصرار بھی شامل حال ہو تو نکاح کے وقت قاضی کے سامنے "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" کہہ کر خاموشی کے رنگ میں نیم رضا مندی کا اظہار کر دیں گے!

درخواستیں خود ان ہی کے نام آنی چاہئیں۔ درخواست دہندہ عورت مسلمان لازمی ہو۔ عملاً اور قولاً۔ دونوں طرح! اگر عورت کے اسلامی ڈاڑھی کسی حد تک بھی ہو تو سبحان اللہ! جسم قابل لحاظ نہیں، رنگ کیسا بھی ہو، عمر کا مطلق بھی خیال نہ کیا جائے گا! واللہ اعلم بالصواب!!

(۲) ...... کم از کم ایک ضلع کی کھوٹی کھری آمدنی پرکھنے کے ذمہ دار ہیں! ریش سیک خضاب لاجواب کی مرہونِ منت ہے! آنکھوں میں نرمادہ کا سا ہیں فرق ہے: عمر پوچھنا فضول ہے۔ ہاں ریش و فش ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جہاں اچھے اچھے جوان چوکڑی بھول جاتے ہیں!! نہایت زندہ دل؛ بذلہ سنج؛ سوتے اور جاگتے، ہر وقت سواے سچ کے اور کچھ نہ بولنے والے؛ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کے شائق! تمام شرفائے وقت کے حسب و نسب سے واقف! انگریزی لباس کو برا سمجھنے کی وجہ سے پتلون ہمیشہ غرارہ دار اور شرعی پہنتے ہیں! چال۔ ہر قسم کی۔ اپنی نوعیت کی خاص چیز ہے! نقشہ و شکل و صورت آج سے ۲۰ برس بیشتر کی تصویر دیکھنے سے نہایت اچھی اور سجیلی! موجودہ جسم عمر کے بدولت جیسا ہونا چاہیے ویسا ہی!! اہل خانہ موجودہ سے خائف اور اس درجہ خائف کہ کوئی ایسی ویسی شخصیت آجائے تو رات بھر حساب دینا پڑے! بہر حال غنیمت ہیں!! بیوی کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن حال ہی میں ایک مس ڈاکٹر نے زوج کا نسخہ لکھ دیا ہے! نظر باز ہیں اس لیے صورت اچھی پسند کریں گے! زیادہ گو کو توجیح دی جائے گی؛ اگر حسب ضرورت نرم و گرم ہو سکتی ہو تو واہ واہ؛ عمر ۴۰ سے کم نہ ہو مگر ۵۰ سے زیادہ بھی نہ ہو، تمام خط و کتابت ان کے پرانے اتالیق سے ہونی چاہیے، ورنہ جواب نہ ملنے کی ذمہ داری نہیں کی جاسکتی!!

(۳) ...... ابھی جوان مانے جاتے ہیں! غیر معمولی بوجھ نے قبل از وقت پیشانی و چہرے پر جھریاں ڈالنی شروع کی ہیں مگر قسمت نے ساتھ دیا تو بہت جلد اس بوجھ سے سبکدوش ہوئے جاتے ہیں! ہاتھ پاؤں اگر صحت

ل جائے تو اچھے سمجھے جائیں گے۔ صورت باوجود ناسازی طبع اب تک ایک خاص نظر فریبی رکھتی ہے! ناک موزوں، آنکھیں۔ سچ یہ ہے کہ تمام خوبصورتی کی جان، دانت؟ تجربہ کار لوگ اس سے زمانۂ ماضی کی نسبت بہت کچھ نتیجے نکالتے ہیں! طبیعت کے اچھے۔ مزاج کے اچھے۔ افعال کی نسبت، نہ ہم کراماً کاتبین ہیں نہ ہمیں معلوم! اسقدر ضرور ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں دائیں بائیں کو دیکھکر نہایت ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں اور ہمیشہ شب تاریک میں کرتے ہیں! بہرحال دوستوں کے دوست ہیں اور کہنے سننے سے مان بھی جاتے ہیں عورت کی سخت ضرورت ہے، تنہائی پریشان رکھتی ہے، ڈاکٹر صاحبان امراض کا علاج بھی رفع تنہائی بتاتے ہیں، عورت کی عمر غالباً کم ہو، ممکن ہے کہ نابالغ کو بالغ پر ترجیح دی جائے، صورت کی حسین اور گوری ہو، رنگ کشمیر کی آب ہوا سے پیدا ہونے والی سرخی رکھتا ہو، مذہب کا لحاظ سے ہندو ہو یا اور کچھ۔ مسلمان عورتیں درخواست نہ بھیجیں! اور زیادہ شرائط کی تفصیل آپ کے پنکھا قلی سے دریافت کی جا سکتی ہے!!

(۴) ...... نئے گرفتار شدہ ہیں! ناتجربہ کار نہیں تو ناقابل اعتبار ضرور ہیں! ڈاڑھی مع مونچھوں کے طبیعت غیر مستقل کا شکار رہتی ہے! ڈاڑھی ہوگی تو کبھی ورنہ چہرہ صرف مونچھوں سے [illegible] کا معقولہ ہے کہ [illegible] نہ قصائی کے کھونٹے پر [illegible] کی لحاظ سے ڈاڑھی رکھتے ہیں تو ڈاڑھی کی طرح ورنہ مطلق نہیں رکھتے! قد درمیانہ بدن اکہرا، زبان واقعات پر بحث کرنے کی عادی، چشم بدور کسی کی زلف ورانہ یا آپ کی شب فراق! الطاف [illegible] ہی نہیں فی سبیل اللہ کی ڈیوٹی بھی نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرتے ہیں! حسن کو [illegible] ضرورت ہیں

پا لینے کا مذاق عشق رکھتے ہیں! سب کو خوش نہیں تو ناراض ضرور کر سکتے ہیں! اگر اُستاد کو قبلہ و کعبہ سمجھتے رہے تو بہت جلد آٹھوں گانٹھ کمیت بن جائیں گے! شبخون مارنے کی اکثر کوشش کرتے ہیں اگرچہ اسوقت تک ہمیشہ ہاتھ اوچھا ہی پڑا! شعار اسلامی کا خاکہ بھیا چارہ بڑھانے میں کرتے رہتے ہیں! ایک بیوی کہا جاتا ہے کہ موجود ہے۔ مگر وہ مقامی ہے اور انھیں فی الحال سفری کی ضرورت ہے! مسلمان عورت۔ کالے رنگ سے ابلق تک۔ ہر رنگ والی، ۳۰ برس کی عمر تک کی، غیر تعلیمیافتہ دقیانوسی خیال والی پردہ نشین، درخواست کر سکتی ہے! چونکہ سفری کی حاجت ہے اس لیے درخواست دہندہ خود سمجھ لے کہ وہ سفری بیوی بننے کی قابلیت رکھتی ہے یا نہیں! مثلاً سفری کے لیے معمولی سی بات تو یہ ہے کہ وہ تہ ہو سکتی ہو، ہولڈ آل میں لپٹ سکتی ہو، اگر ہینڈ بیگ میں بھی آ سکے تو کیا کہنا؟ اس سے زیادہ ہندی کی چندی اُس ملازم سے معلوم ہو سکتی ہے جو ہر لحاظ سے نہایت سعید ہے!

(۵)..... وکیل، شاعر، ناصح، نکتہ چین، یہ اور وہ، غرض سب کچھ ناک منجھولی، آنکھیں چھوٹی، گریجویٹ اور خدا جانے کیا کیا؟ شہر کے اندیشہ میں قاضی کے مانند ہمیشہ دُبلے!! ایک بیوی کو عالم جاودانی کا راستہ دکھا چکے ہیں دوسری کی رہبری کے لیے تیار ہیں! روزے تیسوں رکھتے ہیں، نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لوگوں کے خوف سے۔ یا اور کسی وجہ سے۔ جلسوں میں شرکت کی جرأت نہیں رکھتے! مذہب انکے صالح جوان ہونے سے نہایت ممنون منت ہے! بعض مسخرے کہتے ہیں کہ عصمت بی بی از بے چادری"۔ دروغ برگردن راوی۔ کہا جاتا ہے کہ صحت بھی اپنے

ہاتھ سے بُری طرح گھونسٹے ہیں) ! اصلاح احباب تشہیر کے ذریعہ سے اکثر کرتے رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو جذبۂ توحید سے سرشار ہیں! اللّٰھم زِد فزد۔ بیوی ایسی پسند کرینگے جو وزن میں ان سے ہلکی ہو اور قد میں ۵/۸! نہایت اسلامی اور سنت کا لحاظ رکھنے والی ہو! صحت کی ایسی اچھی نہ ہو کہ ہر سال اشتہا کم کرنے کے لیے مسہل دینا پڑے! رنگ نمکین ہو، ہاضمہ کی درست ہو، جلد بار آور ہو سکتی ہو، میاں کو سجدہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہو! تمام معاملات اُن چند نفوس کے ذریعہ سے طے ہو سکتے ہیں جو آپ کے دولتکدہ کے سامنے والے کھنڈر میں ملیں گے!

(۶) ..... درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، موزوں آنکھ ناک، بے روک ٹوک پھیلنے والی ڈاڑھی! معدہ اور صحت کے لحاظ سے قابل رشک! بھلے چنگے مرد آدمی! ذات کے لحاظ سے نمبر ۲! بیوی کی چٹنی بنانے میں سرگرم ہیں! دعوت کا انتظام خاص طور پر اسقدر اچھا کر سکتے ہیں کہ مہمانوں کو کھانا کھانے کی تکلیف مطلق بھی برداشت نہ کرنی پڑے! سر بڑا ہے اور خدا کے فضل سے جھاڑ جھنکاڑ کی آلائش سے بالکل پاک ہے!! "القرض مقراض المحبت" کو اچھی طرح جانتے ہیں! بیوی ایسی پسند کریں گے جو "کم خرچ و بالانشین" ہو۔ اگر مہینہ بھر میں پانچ روپئے اُٹھائے تو کیا بات ہے! دن بھر کا فاقہ ہو جانے پر بھی خدانخواستہ کچھ کھانے کو نہ ملے تو بیوی پر نمک نہ ڈالنے کی ذمہ داری کوئی نہیں کر سکتا! اس سے زیادہ مطلق نہیں بتایا جائیگا اور نہ شرائط میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہے!!

(۷) ..... بیرسٹر یقینی ہیں، اور چار پانچ سال کے ہیں! بامذاق ہیں، بذلہ سنج ہیں اور ابھی اپنے کو جوان سمجھتے ہیں! سر کے بال خدا جانے

نازنینانِ فرنگ کی دست درازی کے نذر ہوئے یا اغیار کی عنایت سے! فی الحال سراولے پڑے ہوئے گیہوں کے کھیت سے مشابہ ہے! ناک خاصی آنکھیں اچھی، دہانا موزوں: مگر البتہ "کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے؟" کے مصداق شکم مدوّر میں فنافی اللحم ہوگئی ہے! انگلستان میں جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ اب قوّتِ حیوانی کے کم ہو جانے سے زبانی لطف اکثر اُٹھایا کرتے ہیں! ہنسنے میں فراشخانہ کی کھڑکی دیکھنے والوں کو نظر آجاتی ہے! دال بھات کھانے اور کھلانے میں کبھی گریز نہیں کرتے؛ قورمہ والوں کو کبھی آج تک ممنون نہیں کیا ہے! بیوی ایسی پسند کریں گے جو مذہب کے فضول بوجھ سے صاف اور "نصیحت پروف" ہو! ہندی الاصل کو ترجیح دی جائیگی! عمر کچھ بھی ہونی ایجادات کی مدد سے یا اور کسی طرح۔ بظاہر دس برس کی نظر آئے! حسب حاجت کام آسکتی ہو۔ حجّت سے ناواقف ہو۔ ساری سے گاؤں تک ہر چیز استعمال کر سکے! باقی اوصاف اُس شخصیتِ فربہ سے معلوم کیجیے جو ان کے وطن میں جاگزین ہی نہیں ان پر اتالیقی کا حق رکھتی ہے۔ یا ممکن ہے کہ کوئی لیڈی ڈاکٹر ان کے مزاج کی تشخیص کے بعد کچھ زیادہ بتا سکے!!

الراقم

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

م۔م۔

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں پہنچتا یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

عدالت اسلام

بنایا خانۂ اللہ اک خجندی نے — بحکم حضرت سلطاں مراد ذی سطوت
مگر پسند نہیں آئی شاہ کو تعمیر — اگرچہ صرف کی معمار نے بہت حکمت
دیا یہ حکم شہنشاہ شیر خصلت نے — کہ ہاتھ قطع ہو معمار کا پے عبرت!

غریب راج کہ بے دست ہو گیا تھا وہ — گیا جناب میں قاضی کی اب بایں حالت
کہا کہ ظلم کیا آہ مجھ پہ سلطاں نے — بلا گناہ مرے سر پہ ڈھائی ہے آفت
توقع آپ سے انصاف کی مگر ہے مجھے — کہ آپ فضل خدا سے ہیں حامیِ ملت

طلب کیا گیا دارالقضا میں اب سلطاں — کھڑا تھا روبروئے قاضی کے طاق تھی طاقت!
ڈرا رہی تھی اُسے بس سیاست قرآں — بدن پہ لرزہ تھا۔ اور تھی زباں میں لکنت
کیا جواب طلب جب کہ اُس سے قاضی نے — کہا یہ شہ نے "ہوا ظلم مجھ سے یا حضرت!
میں منفعل ہوں جسارت پہ اپنی لیکن اب — حقیقتاً ہوں میں خاطی و مجرم ملت!"

مگر نکال کے آنکھیں کہا یہ قاضی نے — "قصاص تم سے لیا جائے گا پے عبرت!
کہ بندہ۔ مولیٰ برابر ہیں حکم قرآں سے — نہیں ہے تاج کی اسلام میں کوئی قیمت!"
سُنی یہ بات جو سلطان عدل پرور نے — نکالا ہاتھ پے قطع اب بایں سطوت!

مگر یہ دیکھ کے چلّایا مدّعی سے العفور — کہ "خوں ریزی نہیں میرا مدعا حضرت!
مُعاف کرتا ہوں سلطاں کو میں برائے خدا — کہ انتقام میں پاتا نہیں ہوں کچھ راحت!"

غرض کہ فتح ہوئی اس طرح خجندی کی — شہِ مراد کی گردن جھکی باین شوکت

یہ عدل وہ ہے کہ اسلام جس پہ نازاں ہے
یہ۔ وہ جناب ہے جھکتا ہے یاں سر نخوت!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

فلسفہ کشش حُسن

یہ تو صاف متبادر ہے کہ ہر کشش کا خاصہ اشیاء محاذی کو اپنی طرف کھینچ لینے کا ہے۔ لیکن باستثنائے کشش حُسن جس طرح ہر کشش اپنے اندر مادۂ جاذبیت کی پوری تکمیل نہیں رکھتی، اسی طرح بجز فتادہ دلوں کے محاذات بھی قوت انجذاب سے خالی ہیں۔ مثلاً کشش مقناطیسی کشش کہربائی یا کشش زمین وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش بذاتہ خود کیا شئے ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک وزن ہے جس کی کثرت و قلت سے باہم کھچاو پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن حُسن تو کوئی وزنی شئے نہیں، پھر کیا سبب کہ اسکی کشش سب سے زیادہ زوردار ہے۔ مزید غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کی موجد و مظہر ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا کششوں کا انطباق اس قوت سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تمام کششیں اسی کے جزئیات سے پائی جاتی ہیں جس کو آئندہ اب ہم کشش حُسن کہیں گے۔

اگر آپ ان کششوں کے درمیان کوئی چیز حائل کر دیں گے تو نہ تو مقناطیس لوہے کو کھینچ سکتا ہے اور نہ زمین اپنی بالائی چیزوں کو۔ مقناطیس اور لوہے کے درمیان آپ کسی چیز کو رکھ دیجیے ممکن نہیں کہ طرفین کی قوت زائل نہ ہو جائے۔ اسی طرح کشش کہربائی اور کشش زمین اپنی پوری قوت سے خالی ہیں۔ زمین پر آپ آگ جلا کر دیکھیے، ممکن نہیں کہ اسکے شعلوں کی پروانہ کو زمین اپنی طرف کھینچ سکے۔ آپ کہیں گے کہ یہ غلط ہے، اور تجارب و مشاہدات اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے جب ایک سوئی کو کسی تشتری میں رکھکر، اور مقناطیس کو
اسکے زیریں سطح پر لگا کر جس طرف مقناطیس کو گھماتے ہیں، سوئی بھی اُسی کے
ساتھ ساتھ گردش کرتی رہتی ہے، اور یہ گردش مقناطیس ہی کے اثر کا باعث ہے،
اسی طرح جب زمین پر کھڑے ہو کر کوئی چیز آسمان کی طرف پھینکی جاتی ہے تو اُسکی
مراجعت بھی ہمیشہ زمین ہی کی طرف ہوتی ہے۔

مانا کہ یہ نوعیات استدلال اپنی تصحیح میں ایک حد تک قابل تسلیم ہیں لیکن
اس اعتراف کا بہت جلد استیصال ہو جائے گا، جبکہ آپ مقناطیس اور لوہے
کے درمیان بجائے تشتری کے ایک لکڑی یا ایک پتھر حائل کر دیں گے۔ اسی طرح
آپ زمین کی کشش کے روبرو اشیا متعلقات کو لیجیے جو ایک غیر محدود عرصہ
سے زمین سے متصل ہی نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ کشش ثقل کا قاعدہ غیر مکمل ہے
لیکن کیا کشش حُسن کو بھی آپ غیر مکمل کہدیں گے؟ اور کیا اس کشش کی
قوت کو بھی کوئی حائل شے زائل کر سکتی ہے؟ اول یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حُسن
کیا چیز ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بذات خود ایک نور ہے، جو کائنات
کی تشہیر کا باعث ہے، اور جواب تمام نورانی جزئیات میں مضمر ہے اسکا ثبوت یہ ہے
کہ ازل میں مادہ ایک فضائے ظلماتی کے انحطاط میں اس طرح پوشیدہ تھا جس کے
عدم وجود کی کسی کو مطلق خبر نہ تھی۔ اس کے اجزائے دیمقراطیسی حالت منفصلہ میں
منتشر تھے، اور ان اجزا کو متحد کر کے اجسام کی صورت میں ترتیب دینا امر محال تھا
یکایک ایک پوشیدہ قوت نے (قوت خدائی) جو ابھی تک حالات نا معلوم میں
پنہاں تھی، اجزاء دیمقراطیسی میں ایک حرکت پیدا کی، جس کے تصادم و تضاد
سے حرارت اور حرارت سے روشنی پیدا ہوئی، اس طرح فضائے ظلمانی کا ہر ہر
ذرہ برق پارہ کی طرح چمکنے لگا، اور بیشمار صبابۃ النجوم پیدا ہو گئے جنکی حرکت و

التہاب کا اندازہ مشکل ہے ہو سکتا ہے جب قوت یہ رنگ اختیار کر چکی تو کشش اتصال کی رو سے کششِ حسن نے ان اجزائے منتشرہ کو اپنی طرف کھینچ کر اپنے پرتوِ نورانی سے نظام شمسی میں ایک گونہ اضافہ کر دیا۔

لیکن قدرت نے اس کا بیشتر حصہ انسان کے لیے مناسب و موزوں سمجھکر اُسکو ودیعت کر دیا۔ پس جب یہ حُسن حضرت انسان میں چمکا تو اسکی کشش اپنی حد سے متجاوز ہوگئی، اور ہر انسانی نظر کو اس نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا حتی کہ اس کا اثر دوسری کششوں کی طرح قرب کی چیزوں پر نہیں، بلکہ بعد کی چیزوں پر ہونے لگا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کششِ ثقل اپنے قاعدہ کی رو سے اُن ہی چیزوں کو کھینچتی ہے، جو اُسکے قرب میں ہوتی ہیں۔ مگر کششِ حُسن کا قانون اسکے برعکس ہے۔ آپ کچھ فاصلہ پر ایک ایسے مکان کے اندر جس میں متعدد در و دیوار بھی ہوں بیٹھکر تصور کیجیے، کہ اس مکان کا الحاق ایک ایسے مکان سے ہے جس میں، ایک مجسم پیکر حُسن مسندِ ناز پر جلوہ آفریں ہے پھر دیکھیے کہ آپکے فتادہ دل میں کس قدر کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ یقینی آپ بیساختہ پکار اُٹھیں گے۔

بلا سے پیش نظر ہیں جو یہ در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

اسکو بھی جانے دیجیے۔ آپ ہزار ہا میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بیٹھکر اُس شعاع حُسن کا تصور کیجیے جو کبھی آپ کے خرمنِ ہستی پر برقِ جمال جہاں سوز بن کر گری ہو، اور جس کے درمیان ہزار ہا وادی و جبیل بیشمار دشت و جبل بھی حائل ہوں۔ اسکے علاوہ آب اور رکاوٹیں بھی پیدا کر دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ کششِ حُسن کو کون سی چیز کمزور کر سکتی ہے؟

چاند کا وہ نور جو غروب آفتاب کے بعد دنیا و عالم کے صحن چمن پر اپنی
ردائے نقرئی کا فرش کرکے ہر انسانی نظر کے لیے باصرہ نواز ہوتا ہے۔ صبح
دمیدہ آفتاب کی وہ شعاع آتشیں جو سمندروں اور دریاؤں کی چادر
آب پر پھیل کر ایک شگفتہ کار جبین کی تلاش میں غوطہ زنی کرتی ہے اور ستاروں
کی وہ ضیا گستر جو اپنی نیم باز آنکھوں سے ہجراں نصیبوں کو چپکے چپکے کچھ اشارہ
کرکے، ان کے نشتر تخیلات میں ایک گونہ اضافہ کرتی ہے۔ ہر انسانی نظر کو
ستارہ گویا لالہ روشنیاں کس قدر مرغوب و مطلوب ہوتی ہیں۔ لیکن عین اس وقت
جب کہ ان روشنیوں کا دلچسپ نظارہ بھی ہو، آپ اپنی بزم تنہائی میں شمع
حسن کو بھی روشن کر دیجیے (وہ روشنی جو تمنا کی آگ سے مشتعل ہو کر روشن
ہوئی ہو، اور ہمیں بے متحرک کرنے والے شعلوں کی بہ نسبت لمعان برق کی
[illegible]) پھر دیکھیے کہ کون سی روشنی غالب آتی ہے؟

یہ تو حسن کی کشش [illegible] مقابلہ کی [illegible] شعلہ بھی ملاحظہ ہو،
جس کا مزید تعلق قوت [illegible] و قوت باصرہ سے ہے۔

آپ ایک طرف کچھ سنگ و خشت رکھیے، دوسری طرف چند یاقوت و الماس
ایک طرف برگ ہائے خشک ہوں، دوسری طرف گلہائے رنگین۔ پھر ایک طرف
کچھ خس و خاشاک ہو اور دوسری طرف مشک و زعفران۔ اس متضاد تقابل کے
بعد اندازہ کیجیے کہ آپ کی قوت لامسہ و قوت [illegible] کس چیز کی کشش کھینچتی ہے
اسی طرح ایک سیاہ فام انسان کے مقابلہ میں کسی پیکر حسن کو بھی سامنے کھڑا کیجیے
پھر دیکھیے کہ جاذبیت [illegible] قوت کس میں ہے [illegible] تماشا کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ
دنیا کا نظام شمسی اور [illegible] قوت کشش [illegible] حسن اور صرف حسن ہی سے ہے اور
حسن بذات خود مجموعہ [illegible] ہے۔

علم البرق کا سب سے بڑا فلسفی و مکتشف وہ نہیں ہو سکتا جو عالم جذبات وحسیات کے صدہا مطالب و معانی ہزارہا صفحات پر بالتفصیل لکھ سکے بلکہ وہ ہو سکتا ہے جس کا درس و فہم ایک چشم سخنور ایک نگہ برق اور ایک جمال فکر اندیش کے نظارۂ چشم سے وابستہ ہو۔ اور جس کو کسی جمال آتشین کی ناگہانی جلوہ تابی نے خیرہ چشم کر کے اُسکے خرمن صبر و شکیب پر برق حسن گرائی تو ایک بے نیاز دل اور بے روح انسان میں جذبات لطیفہ نہیں پیدا ہو سکتے جبتک وہ قلمرو حسن و عالم سیف و سناں کی آویزش سے مطیع و منقاد ہو کر جذبات متضاد و متباینہ کی کشاکش کے سوانح و حوادث عجائبات و تصادفات کا غیر انقلابات اور کشش حسن کی کرشمہ سازی سے دوچار ہوا ہو کیونکہ اشتیاقات حسن کی وہ ضیا جس نے اپنے پرتو سے فضائے ظلمات کے ہر ذرہ کو روشن کر دیا کیا وہ ایک تغافل شعار و مردہ دل انسان کو زندہ دلی کے جامہ سے آراستہ کر کے اُس میں جلوہ نہیں پیدا کر سکتی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حسن ہی کی جلوہ تابی سے عالم کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ فطرتی طریقہ سے خدائے قدوس کی قدوسیت کا پتہ بھی اسی سے لگتا ہے۔ جب کبھی ہم کسی پیکر حسن پر نظر ڈالتے ہیں تو فوراً ہمیں اُسکا صانع یاد آجاتا ہے۔ "انہ جمیل و یحب الجمال" بس اگر کشش حسن کی جاذبیت قابل قدر ہے تو لائق صد ہزار رشک ہے وہ انسانی ہستی جو اپنے اندر تمناؤں کی جانفزا جذبات کا مادہ بھی رکھتی ہے

"اچھی صورت کی پرستش رہی ہر ملت میں
حسن سب کے لیے اک رشتۂ ایماں نکلا"

حافظ امام الدین اکبرآبادی

دار و گیر

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب "تمدّن" تسلیم - تمدّن ۱۱/۵ صفحہ ۲۵ پر بسلسلہ دیگر تحریرات - ایک خط جوشن صاحب کا شائع ہوا ہے - گویا یہ جواب ہے ایک رنگین و مترنم ضرورت کا جس کا اعلان اس سے قبل اخباری دنیا کو پہنچ چکا ہے مگر واہ رے بے دردی و بے مذاقی - کوئی حضرت سے پوچھے جناب حسن کی خانگی بارگاہ میں کوئی یوں بے ڈھنگے پن سے بات چیت کیا کرتا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ میل ٹرین کے ٹکٹ کا سودا ہو رہا ہے" "معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دوست نے تہذیب جدید کے امتحان اعلیٰ میں امتیاز بخش نمبر ہنوز نہیں پائے - اسلیے ان کو معذور خیال کر کے نیز اس لحاظ سے بھی کہ ایلچی اقاصد ہا تادیب سے معاف ہوتا ہے - سردست جواب اکتفا کیا جاتا ہے -

(۲) سائلان نیازمندی کی یہ خواہش - کہ ان کو بھی کچھ "اتا پتا" بتلا دیا جائے بالکل باموقع و مناسب ہے - درخواست کے الفاظ اگر تہذیب جدید سے غیر مانوس نہ ہوتے - تو آج کی ڈاک سے - فوٹو کی دو کاپیاں ان کو بھیج دینے میں کوئی مضائقہ خیال نہ کیا جاتا - مگر موجودہ درخواستوں کو فی الحال خارج از بحث مان کر اعلان سابقہ کے سلسلہ میں ضروری امورات کو شائع کیا جاتا ہے تاکہ پہلی غلطی کا ازالہ ہو جائے

(۳) فی الحال نام کو پردہ میں رکھا جاتا ہے "عمر ۲۵ سال - بدن گداز - چہرہ نہایت قبول صورت ہاں کسی قدر ناک چوڑی اور گول ہے - اکثر جاپانی چہروں سے مقابلہ ہو چکا ہے اور فتح پائی ہے" دانت پہلے باشک ٹیڑھے ترچھے چھوٹے بڑے - تھے لیکن چند سال تک مسلسل غور کرنے کے بعد ابھی حال ہی میں دہلی کے مشہور دنداں ساز "سید علوی" سے

درست کرائے گئے ہیں اب ان کا لیول یکساں ہے اور بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے
ہیں۔ آنکھیں یورپین معیار پر پوری ہیں بال سر کے سیاہ اور پرورش کے بعد بہت
لانبے ہو گئے ہیں۔ ان میں سرخ ریشمی فیتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیلی شب کی آغوش میں
برق کھیل رہی ہے۔ جوڑہ میں سنہرا پن جسکے سرے پر ہلال بنا ہوا قیامت کر رہا
ہے۔ پان۔ حنا وسی عطریات۔ سدیشی روغنیات۔ اور ماکل مشارب ملابس قطعی
نفرت۔ ہے کوئی نام بھی لے دیتا ہے تو سر گرانی پیدا ہو جاتی ہے رنگ سفید زردی مائل
رسٹ واچ چشمہ۔ ہینڈ بیگ چھتری۔ پوڈر۔ دوربین سے بہت شوق ہے۔ اور تحفہ میں
زیادہ انھیں کو پسند کیا جاتا ہے۔ فارسی کو پسند نہیں فرماتی ہیں اُردو بول لیتی ہیں
مڈل تک تعلیم پائی ہے خط وکتابت ماند وبود میں گفتگو انگریزی میں کرتی ہیں۔ پیانو
بجانے میں بہت مشہور ہیں گانا اور بال میں ناچنا یہ توان ہی کا حصہ ہے اور اسکی
داد انکو بمبئی میں مسز ...... سے مل چکی ہے۔ تاش چوسر میں ملک کے بہترین ہمدرد نسواں
حضرت کی ممیز وممتاز شاگرد ہیں ٹینس اور شطرنج میں اُس اللہ کے بندے سے فخر
تلمذ ہے جس نے اپنی زندگی کو تبلیغ نسواں اور تفریح نسواں کے لیے وقف کر دیا ہے
انگریزی نظم میں مسز نائیڈو اور ٹگور سے غائبانہ استفادہ کیا ہے مصوری میں
راوی ورما سے کچھ ورک حاصل کیا ہے۔ رینالڈ و شیکسپیر کے تمام ناولس۔ سبقاً
سبقاً خود پڑھے ہیں اور اکثر کو پڑھائے بھی ہیں نہ صرف انکا مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ
عملاً بھی بعض سے فائدہ اُٹھایا ہے اُردو کتابوں میں بہار دانش کا
ترجمہ اور رجان صاحب کا دیوان ہر وقت مطالعہ میں رہتا ہے۔ اخلاق وخیالات
نہایت وسیع وآزاد و بلند ہیں نفرت وتعصب کسی مذہب سے نہیں اپنے لیے کوئی مذہب
ابھی تک پسند نہیں کیا۔ اسکا فیصلہ شادی کے بعد کیا جائیگا۔ اور شوہر کے مشورہ پر اسکا
انحصار ہے۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں بہت ہی ہنس مکھ ہیں۔ اوقات کی بہت پابند ہیں

اندھیری راتوں میں کم سے کم شب ماہ میں زیادہ۔ سبزہ زاروں آبشاروں کی پسند فرماتی ہیں دریائی سیر و تفریح کی بہت شائق ہیں۔ پتھر کی اونچی سونا میں ہیں بہت مشہور و عزیز ہیں۔ مقامی اور یورپین افیسروں سے خاص تعارف ہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کی بیگم صاحبہ نے ملاقات فراہم ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی رائے ہے کہ ہندوستانی خواتین میں ایسی تعلیم یافتہ و روشن خیال خاتون ابھی تک انھوں نے نہیں سنی۔ مشن اسکول کے جلسوں میں ان کو خاص اقتدار حاصل ہے۔

(۴) مندرجہ بالا حالات سرسری معلومات پیدا ہوجانے کے واسطے براہ راست کے لیے کافی ہیں فوٹو پانچ روپیہ وصول ہونے پر روانہ کیا جاسکتا ہے یا کسی کو اگر بچشم خود دیکھنا ہو۔ تو تھیٹر اور بائیسکوپ میں جاتے ہوئے بطور خود دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ اس طریق پر بچشم خود دیکھنا سعی طلب اور خالی از تکلف نہیں۔ لیکن کوشش کرنے والا مطمئن رہے ناکام نہیں رہ سکتا۔

(۵) اسی سلسلہ میں ان درخواستوں کے متعلق جواب بھی دیدینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو جو حق صاحب نے پیش کیا ہے

درخواست ۱... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ نماز پڑھتے وقت تکبیر تھالی اور زمین جہر لیتے ہیں یہ ایسا نقص ہے کہ اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ خاتون کو اندیشہ ہے کہ ایسی بدخوابی اور دیر بیداری میں روزانہ سخت تکلیف ہوا کرے گی۔ اتحاد مذاق پیدا نہ ہوگا۔ لہذا نامنظور۔

درخواست ۲... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ مونچھیں بہت لانبی ہیں جب تک انکے بارے فراغت نہ حاصل کی جائے درخواست قبل از وقت ہے۔ لہذا بجنسہ واپس۔

درخواست ۳... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ بیوی موجود ہے۔ اور یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ سائل کو سابقہ بیوی سے نفرت ہے یا نہیں لہذا نامکمل درخواست۔ ہم کوئی کوشش نہیں

لیا جا سکتا۔ قیس بلا کسی حکم کے واپس ہے۔

درخواست ۴ ... ملاحظہ ہوئی۔ یہ سائل دماغی عارضہ میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔ یقیناً دیوانی ہوگا۔ لہذا نامنظور۔

درخواست ۵ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کی مالی حالت اچھی نہیں۔ تعلیل عمانا بھی شامل ہونی چاہیے تھی۔ نیز ان کے متعلق ایک ضمانت نامہ درخواست کے ساتھ شامل ہوتا چاہیے کہ خلاف فطرت مذاق کا فی الحال کوئی اثر تو باقی نہیں ہے اگر ہے تو کسی وقت بذریعہ تحریر۔ یا تقریر یا بطور اشارہ۔ کنایہ بواسطہ یا بلا واسطہ۔ یا بذریعہ ترغیب و ملوہات یا بذریعہ جبر و تخویف محترمہ سابقہ مذاق کو پیوند کرنے کی کوشش بیگم صاحبہ پر نہ کریں گے۔

درخواست ۶ ... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ سائل کی شخصیت جداگانہ طور پر قائم نہیں ہوئی۔ اور مالی حالت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لہذا بلا کسی حکم کے اصل درخواست واپس ہے۔

درخواست ۷ ... ملاحظہ ہوئی ... حسب شرح صدر۔

درخواست ۸ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا۔ کہ بیرسٹری کی آمدنی اوسطاً کیا ہے۔ اکثر بیرسٹر محض کورے (خدا بخش) ہوتے ہیں قانون دانی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں یوروپین لائف بسر کرنا ان کو آتا ہے جس کی چنداں ضرورت نہیں بیگم صاحب اس خاص بارہ میں کسی امداد کی ضرورت مند نہیں سائل کو اپنی آمدنی کے واقعی اعداد لکھنے چاہئیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف کرنی ہوگی۔ سیدانی ہونا کرنے کے لیے روزانہ ایک سال تک دو منزل دوڑنا ہوگا۔ صبح کی نماز قضا پڑھنی ہوگی۔ تاکہ بیگم صاحب کو تکلیف نہ ہو سحر خوانی میں خرابی نہ پڑے۔ بیگم صاحبہ۔ پیرس بھی سیر کو جانی چاہتی ہیں اسکے کل اخراجات

فرسٹ کلاس مع ایک ملازم کے شادی سے ۶ ماہ بعد بشرطیکہ موجودہ جنگ اندر میعاد ختم ہو جائے۔ ادا کرنے ہوں گے۔۔ اسقدر رعایت دیجا سکتی ہے کہ اگر وہ خود جانا نہ چاہیں تو یہیں رہ جائیں۔ آمدنی کے دو ثلث بیگم صاحبہ کو ہر ماہ ادا کرنے ہوں گے۔ اور اس کی تعداد تخمیناً وہی ہونی چاہیے جو اوسطاً آج تبلائی جائے اپنے کسی رشتہ دار کو اس مکان میں وہ نہ رکھ سکینگے جو بیگم صاحبہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ بیگم صاحبہ کی کسی رائے میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ نیز بیگم صاحبہ کے متعارف افراد کی آمد و رفت پر کوئی نوٹس نہ لیا جاسکے گا۔

درخواست نمبر ۹ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کو آنریری طور پر بیگم صاحبہ اپنی فرزندی میں بعد شادی۔ بشرط درخواست جدید قبول فرما سکیں گی۔

راقم ب

مکرر۔

اڈیٹر صاحب۔ مشرق۔ اس جواب کو مشرق میں جگہ دینگے تو بڑی فائدہ ہوگا۔

۹۲

غزل

ادھر ہوتے جانا جو اُٹھو۔ مکاں سے
تکلف ہے کیا، تم کو اک نیم جاں سے

خبر ہے مجھے، آ رہے ہو، جہاں سے
بس اب چپ رہو کچھ نہ کہنا زباں سے

کروں مے کے کیا، دل میں اُس مدعا کو
نہ جس کو بیاں کر سکوں میں زباں سے

نہ پوچھو مرا حال، میں یوں بھی خوش ہوں
نرالا ہے دُکھ میرا سارے جہاں سے

نہیں ورنہ غور برق بھی ہائے قسمت
چمکتی ہے بچ کر مرے آشیاں سے

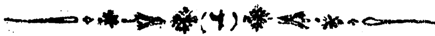
میسر تو ہوں آشیانے کو تنکے
اجازت بھی لے لینگے ہم باغباں سے

سنا لے تو ہو حال دل اُن کو علوی
مگر آپ لائیں گے کہیے کہاں سے

ظفر احسن صاحب علوی
ناظم دائرۃ الادب دہلی

خانہ جنگی

(سلسلہ کے لیے ستمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)



سلطان محمد اور وہ فوج جو دربار غزنی سے ہرات آئی تھی۔ اور جس کا سپہ سالار یوسف تھا۔ وہ یکم ماہ رمضان المبارک ۴۲۱ھ کو یہاں پہنچی۔ اور موضع تگیر آباد کے قریب زیں گیر ہوی

اس فوج کو یہاں بیکار پڑے پڑے کامل ایک ماہ گذر گیا۔ اس لیت و لعل کی ایک وجہ روزہ داری بھی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اس تساہل سے سپاہی گھبرا گئے۔ اور اس امر کو سلطان محمد غزنوی کی عدم شجاعت اور بے حوصلگی پر محمول کیا۔ فوج میں عام طور پر بددلی پھیل گئی۔

عین عید کے روز جب شاہی لشکر جشن منانے میں مصروف تھا تو ایک خاص واقعہ رونما ہوا جس کو امر اتفاق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اُس نے عوام کے دل پر خاص اثر ڈالا یعنی دفعتہً سلطان محمد کے سر سے تاج گر پڑا۔ اور عام سپاہیوں نے اس سے فال زدال لی۔ تمام لشکر میں اس واقعہ کا افسانہ بیان ہونے لگا۔ اور اس پر عجیب و غریب پہلوؤں سے رائے زنیاں ہونے لگیں۔ حتی کہ انقلابی آثار نظر آئے۔ امراء و سرداران فوج کے تیور بدل گئے۔ بالآخر ان لوگوں نے سلطان کے خلاف سازش کی کھچڑی پکائی۔

ادھر شہزادۂ مسعود کی قابلیت و شجاعت کا نقش دل پر گھر تھا۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف۔ علی خویشاوند حسن وغیرہ امرا نے جو خود سلطان محمدؒ کے دست و بازو تھے اور جن پر سلطان کو اعتماد اور اُن کی خیرخواہی پر ناز تھا۔ سلطان کو اسیر کرلیا۔ اس کی نقد بصارت لے لی اور اُسے قلعہ میں نظربند کردیا۔ یہ حادثہ شہر شوال سنہ ۴۲۱ھ کو واقع ہوا۔ اِنّا لِلّٰہ!

اس کارروائی کے بعد یہ سب سرغنے یوسف۔ علی۔ وغیرہ مع فوج شہزادۂ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ کارروائی محض حضور کی خاطر کی ہے۔ آئیے آپ کے لیے تخت غزنی حاضر ہے!

شہزادۂ مسعود نے یہ المناک روئداد سُنی تو اُسے سخت صدمہ ہوا اس نے کہا کہ تم لوگوں نے یہ بہت بُرا اور میری منشاء کے بالکل خلاف کیا۔ میں ہرگز ایسی بے رحمی اور غداری کا روادار نہیں! تم نے اپنے آقا کے ساتھ جب یہ سلوک کیا تو مجھے بھی تم سے محض اسی قسم کی توقع ہوسکتی ہے! الیں شہزادہ مسعود نے ان باغی امرا کو عبرت انگیز سزائیں دے کر بھائی کا انتقام لیا۔ چنانچہ حسن اور علی کو تہ تیغ کرایا اور یوسف کو نظربند!

بدقسمت سلطان محمدؒ نے گو آٹھ سال سلطنت کی۔ لیکن حکومت کامیاب نہیں ہوئی۔ وجہ یہ کہ عام رائے آغاز ہی سے اسکے خلاف اور شہزادہ مسعود کے حق میں تھی۔ جب اظہار شجاعت کا موقع آیا تو سلطان محمدؒ مقابلہ میں لیت و لعل کرنے لگا۔ جسے فوج نے بزدلی۔ اور خوف کا کافی نتیجہ سمجھا۔ لشکر میں بددلی پھیلی۔ حتیٰ کہ بالآخر اُسکے ہواخواہوں اور دوستوں ہی نے اسے اسیر کرلیا۔ بدقسمت سلطان کے اس نامبارک انجام سے عام رائے کی قوت کا پتہ لگتا ہے۔

شہزادۂ مسعود کا طرز عمل۔ صلۂ رحم اور اخلاقی و مذہبی نقطۂ خیال سے کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو۔ لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک خوفناک غلطی اور ناقابلِ معافی گناہ تھا۔ چنانچہ مسعود کو اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔ آیندہ واقعات اس اجمال کی تفصیل ہیں۔

(۷)

مغربی پنجاب کے ایک قطعہ پر جس کا موقع موجودہ جغرافیہ کے مطابق پشاور ہو سکتا ہے۔ احمد نامی ایک سردار حکومت کرتا ہے۔ یہ اب سے چند ماہ پیشتر تک خزانۂ غزنی میں خراج بھیجتا رہا ہے۔ لیکن زمانۂ مسعودی میں اس نے خراج کی ادائیگی بند کرکے اظہار تمرد کیا ہے لہذا اسکی سرکوبی کے لیے مسعودی فوجیں مغربی پنجاب میں خیمہ انداز ہیں۔

یہ احمد در اصل عہد محمودی میں خزانۂ غزنی کا خزانچی تھا۔ اس نے تغلب و خیانت کی۔ سلطان محمود نے اسے جرمانہ و قید کی سزا دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کا قصور معاف کرکے اسے پنجاب کے اس حصہ کی حکومت دیدی لیکن یہ شخص نیک طینت نہ تھا۔ کہ سلطان کے اس سلوک کا ممنون ہوتا۔ اب سلطان مسعود کے عہد میں اس نے اپنی طبیعت کی خباثت ظاہر کی کہ سرکش ہو بیٹھا۔ سلطان نے اسکی سرکوبی کے لیے ایک ہندو جنرل بانتھ (ناتھ) کو بہت سی ہندو فوج دے کر اس طرف بھیجا۔

الغرض میدان کارزار گرم ہوا۔ شمشیر ہندی نے خوب جوہر دکھائے لیکن بالآخر احمد غالب رہا۔ جنرل ناتھ مع اپنی تمام ہندو فوج کے سر میدان اپنے آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی پر نہایت وفاداری سے

قربان ہوگیا!

یہ المناک اطلاع، دارالخلافہ غزنی پہنچی تو سلطان نے اور فوج بغرض انتقام و سرکوبی دشمن بھیجی یہ بھی ہندو فوج تھی اور اسکے جنرل کا نام تولک (تلک) تھا۔

احمد ایک ہی چلتا پرزا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو جو دربار غزنی سے کشیدہ خاطر تھے اپنے اردگرد جمع کر کے گانٹھا اور انہیں اپنا دست و بازو بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس معرکہ میں یہ سب لوگ شریک ہوئے۔

جنرل تلک سے احمد کی معرکہ آرائی شروع ہوی۔ ایک جانب احمد باغی مع اپنے باغی دوستوں کے سینہ سپر تھا۔ اور یہ سب لوگ مسلمان اور اُن لوگوں کی یادگار تھے۔ جن کا مجاہدانہ جوش استیصال کفر و ضلالت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ خود جڑ اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنی مرکزی طاقت کی کمزوری کے خواہاں ہیں۔

دوسری جانب ہندو جنرل تلک ہے جو اپنے مسلمان آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی کی حمایت میں جاں فروشی کر کے حق نمک خواری و وفاداری ادا کر رہا ہے۔ ہندو فوج اسکے زیر کمان ہے لیکن مسلمان امرا اسکی پشت پر موجود ہیں۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ ہے ؎

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

کئی روز خونریز معرکے ہوے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ آخر کار غزنوی اقبال غالب آیا۔ باغی احمد اور اُسکے سرکش رفقا مغلوب و مقہور ہوئے جنرل تلک نے باغی جمعیت کاٹ کر رکھ دی، بقیۃ السیف کو اسیر کر لیا۔

احمد دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اس میں غرق ہوا۔
سلطانی فوج فتح کے نقارے بجاتی ہوئی غزنی کو واپس ہوئی۔

(۸)

سلطان مسعود اپنے بھائی محمدؒ کی معزولی اور نظر بندی کے بعد ۴۲۱ھ میں جلوہ آرا تخت غزنی ہوا۔ اس کا عہد حکومت اندرونی فتنوں کے دبانے، سلاجیق کا زور توڑنے اور مہمات ہند میں صرف ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان مسعود کو باوجود شجاع اور لائق ہونے کے آغاز حکومت ہی میں ناکامی ہوئی اسکی سب سے بڑی وجہ علی خویشاوند اور حسن بن محمدؒ وزیر وغیرہ امرا کا استیصال و سزادہی تھی، درا صل ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا وہ مسعود ہی کے واسطے کیا تھا۔ اگرچہ اس میں اُن کی اپنی خود غرضی کو بھی دخل تھا۔ اسلیے مسعود کا یہ طرز عمل عجیب و غریب اور ایک سیاسی غلطی تھا۔ ایسے مواقع پر اس مزاج کے امرا کو معاف ہی کر دینا مناسب ہوا کرتا ہے، مسعود اس نکتہ کو نہ سمجھا۔ اس نے اپنے حامیوں کو سزا دی جس کا اُسے خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ اُن اُمرا کے متعلقین و متوسلین اور اُن سے ہمدردی رکھنے والے تمام سردار دل میں سلطان سے ناراض تھے۔ اگرچہ سلطانی رعب و اقبال نے اُن کی دہن دوزی اور زباں بندی کر رکھی تھی۔ لیکن دل و دماغ بہرحال آزاد رہتے اور برابر اپنا کام کیے جایا کرتے ہیں۔ جذبات پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ گو وہ صندوق سینہ سے دہن تک آنے کی جراُت نہیں کر سکتے۔

ان باتوں کا ظاہری نتیجہ یہ تھا کہ قوم کی متفقہ قوت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا تھا۔ یادش بخیر اسوقت محمودی زمانہ کا جوش و خروش اور شوق

جانبازی۔ غزنی میں ڈھونڈے نہ ملتا تھا حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود کے بعد اسکا ایک جانشین بھی اس دل ودماغ کا نہ نکلا ؎

قیس سا کوئی بھی اٹھا نہ بنی عامر میں!
فخر ہوتا ہے گھرانے میں سدا ایک ہی شخص

سلطان مسعود غازی نے معاملات ہند کی جانب توجہ مبذول کی جسمیں اُسے خاطرخواہ کامیابی ہوئی۔ چنانچہ قلعہ سرستی (سرہند) ہانسی۔ سونی پت۔ (نواح دہلی) سر کر لیے۔ اور اس طرح قلب ہند میں وہاں تک جا پہنچا جہاں اس سے قبل مجاہد نہ پہنچ سکے تھے۔ اسی طرح کوہستان ہمالیہ کی ایک ریاست پر حملہ کرکے اُسکے راجہ رام کو رام (مطیع) کیا۔

ان واقعات کے بعد سلطان نے اپنے فرزند شہزادہ ابوالمجدد کو حکومت لاہور پر مامور کرکے خواجہ ایاز کو اسکا اتالیق اور مدارالمہام مقرر کیا۔ اور خود غزنی واپس چلا گیا۔ اسلیے کہ سلاجیق سر اُٹھا رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلاجیق نے سلطنت غزنی کی جڑیں ہلا دیں۔ سلجوق ابتدأ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا رفتہ رفتہ اس نے طاقت اور پھر پولٹیکل اہمیت اختیار کی۔ امیر سبکتگین کے عہد تک حکومت' ان لوگوں سے نرم وگرم سلوک کرتی رہی۔ اور یہ بھی پالیسی سے کام نکالتے رہے۔ چنانچہ انھیں کئی بار سزائیں اور معافیاں دی گئیں واقعہ یہ ہو کہ ارباب حل وعقد انکو خانہ بدوش غارتگروں سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ مگر یہ غلطی تھی۔ کیونکہ اس طرح انھیں ترقی کا موقع مل گیا۔ اور پھر انھوں نے زیادہ ہاتھ پاؤں نکالے۔ حتّٰی کہ سلطان محمود غازی کو بذات خاص حملہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ سلطان نے اپنی دانست میں ان کی طاقت کو پامال کر دیا۔ بقیۃ السیف سلاجیق طالب

امان ہوے اور سلطان نے ان کا قصور معاف کر کے انھیں خراسان کے مشرقی حصہ میں آباد کر دیا۔ لیکن یہ ایک خوفناک سیاسی غلطی تھی۔ خراسان کے آرام طلب اور کمزور باشندے ان شورہ پشتوں سے کب عہدہ برآ ہو سکتے تھے!

سلطان مسعود غازی بھی مثل اپنے بزرگوں کے سلاجیق کو محض ناقابل التفات سمجھتا رہا۔ لیکن یہ جن دنوں ہندوستانی مہمات میں مصروف تھا۔ تو ان لوگوں نے سخت سر اٹھایا۔ یعنی ماوراء النہر اور خراسان میں ہنگامۂ تاخت وتاراج گرم کیا۔ سلطان کو اطلاع پہنچی تو ان کی سرکوبی کے لیے بلخ کی جانب کوچ کیا۔ لیکن یہ مہم فی الحال ملتوی کرنی پڑی۔ اور اس نے پہلے قدرخاں (والی ترکستان) کے ملک پر جو ابھی ابھی فوت ہوا تھا۔ لشکر کشی کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس میں متوقع کامیابی حاصل کی مگر اس تعویق سے سلجوقیوں کو اجتماع افواج کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے زور شور سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ساتھ ہی ساتھ بلخ میں تاخت وتاراج شروع کردی۔ اس لیے سلطان نے بلخ کو کوچ کیا۔

یہ دیکھکر سلجوقیوں کا سپہ سالار جعفر بیگ مرو کی سمت پسپا ہو گیا۔ سلطان اسکے تعاقب میں گیا۔ لیکن اس نے اپنے میں طاقت مقابلہ نہ دیکھکر مصالحت کر لی۔ گو یہ محض دفع الوقتی تھی۔

اس اثنا میں ایک مکروہ حادثہ واقع ہوا۔ جس سے غزنویوں کے مستقبل پر سخت اثر پڑا۔ ان دنوں دارالامارت (غزنی) بالکل خالی تھی دشمنوں نے موقع تاڑا۔ طغرل بیگ سلجوقی سپہ سالار یلغار کرتا ہوا غزنی آپہنچا اور غیر معمولی دلیری اور جرأت کر کے شاہی اصطبل کو لوٹ لیا۔ عہد مسعودی کا یہ ایک نامسعود واقعہ ہے۔ اس سے آیندہ کے یہ حکومت کی بے رعبی ہوگئی

اس حادثہ سے دولت غزنویہ کی بداقبالی اور سلجوقیوں کی اقبالمندی کی فال لی گئی۔

سلجوقی، اب بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اُن کی ایک جماعت نے دفعتہً سلطانی فوج پر حملہ کر کے اُسے نقصان پہنچایا مگر گرفتار ہوئے اور ان کو مع زن و فرزند تہ تیغ کر کے مقتولین کے سر گدھوں پر لاد کر سردار ترکمان (بیغو) کے پاس بھیجے گئے۔ بیغو نے اس واقعہ سے لاعلمی ظاہر کی اور اظہار تاسف کر کے طالب معافی ہوا۔

سلطان نے طوس پہنچ کر سلجوقیوں کو ایک شکست فاش دی۔ اور اب طغرل بیگ کی سزادہی پر آمادہ ہوا جس نے غزنی پر چھاپہ مارنے کی جرأت بے جا کی تھی۔ لیکن طغرل پہاڑوں کے درون میں سر چھپاتا پھرا۔ اور سامنے نہ آیا۔ دراصل یہ ایک جنگی چال تھی۔

اسوقت غزنی کی فوجیں طوس میں زمین گیر ہیں۔ باوجود سلطان کے دعوت جنگ دینے کے سلاجیق مقابلہ کو نہیں نکلے۔ موسم خوب سرد ہے برف باری نے ہر طرف راستے مسدود کر دیئے ہیں حالت یہ ہے کہ اگر سلطانی فوج غزنی کو واپس جانا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس فوج کا سلسلہ غزنی اور تمام چھاؤنیوں سے منقطع ہو چکا ہے۔

اس موسمی تغیرات نے جنگی حالات بھی بالکل تبدیل کر دیئے۔ گویا نقشہ ہی بدل گیا۔ یا تو سلاجیق چوہوں کے مانند بلوں میں سر چھپاتے پھرتے تھے یا اب حشرات الارض کے مانند گویا شکم زمین پھاڑ کر نکل آئے۔ گویا وہ نہایت ہوشیاری سے مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اگر موقع ہوتا تو اس وقت مقابلہ سے گریز کیا جاتا

کیونکہ دشمنوں کی تعداد کثیر تھی۔ لیکن جب سلطانی فوج گویا دشمنوں کے محاصرے میں آئی ہوئی تھی تو پھر سوائے مقابلہ کے اور کیا چارہ کار تھا؟

الغرض لشکر آرائی۔ اعلان جنگ، اور پھر مقابلہ و مقاتلہ شروع ہوا۔ مگر نہایت زور شور سے فریقین نے نہایت دلیری اور بے جگری دکھائی۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ جن میں بہادروں کے سر۔ اعضائے بریدہ اور نعشیں غوطے کھا رہی تھیں۔ کامل تین روز تک موت کا بازار گرم رہا۔ ہزاروں بہادر مولی گاجر کے مانند کٹ گئے۔

مقابلہ کانٹے کی تول ہو رہا تھا کسی فریق کا پلہ اٹھا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ کہ دفعتہً سین بدل گیا۔ تیسرے روز چند غزنوی اُمرا جو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان سے ناخوش تھے۔ دشمنوں سے جا ملے۔ گو یہ واقعہ بھی بجائے خود کچھ کم اہم نہ تھا لیکن اس نے توقع سے زیادہ اہمیت اختیار کی۔ ان نمک حرام اُمرا کے چلے جانے سے دوسرے سرداروں اور امیروں کے جذبات بدل گئے فوج میں بالعموم بددلی پھیل گئی جس کا ابتدائی نتیجہ یہ تھا کہ بہادروں کے ہاتھ اُٹھتے تھے۔ لیکن بیدلی سے رُک جاتے تھے۔ ان کے دلوں میں پہلا سا جوش نہ تھا! اسکے مقابلہ میں دشمن کا دم خم وہی تھا۔ بلکہ وہ غزنویوں میں سستی کے آثار دیکھکر اور زیادہ دلیری کا اظہار کر رہے تھے۔

میدان کا رنگ بدلا دیکھکر سلطان کی رگ حمیت بھڑکی۔ خون کھولنے لگا اس نے بہ نفس نفیس دشمنوں پر حملہ کیا۔ اور کئی خونخوار دشمنوں کو آناً فاناً خاک و خون میں ملا دیا۔

لیکن بااین ہمہ غزنی فوج کی مجموعی حالت اچھی نہ تھی۔ بہت سے بہادر توفناک دشمن کی تلوار سے کٹ گئے۔ بقیۃ السیف کے پاؤں میدان سے اُکھڑ گئے۔

اور اُس نے فرار اختیار کیا۔ ان لوگوں کے سر پر ایسی وحشت سوار ہوی کہ انھیں اپنے سلطان کی حفاظت جان کا بھی خیال نہ رہا۔ سلطان کے اردلی رسالہ کا سپہ سالار اور سپاہی بھی میدان میں نہ ٹھہرے اور سلطان مسعود کو دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ گئے ۔

سلطان، تن تنہا میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ ہزاروں دشمن اُسکے چاروں طرف تھے ۔ لیکن با ایں ہمہ اُسکے تیور ذرا بھی میلے نہ تھے ۔ اُسکے دل میں حام کو تشویش یا خوف نہ تھا۔ بلکہ وہ استقلال کا پتلا نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا چاہا۔ سلطان نے عزم کیا کہ دشمنوں کے نرغہ سے نکلے۔ چنانچہ اُس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور معجزانہ طریق پر اپنا گرز گراں چاروں طرف گھماتا ہوا دشمنوں کے نرغہ سے چل دیا۔

سلطان کی ذاتی شجاعت و دلیری ضرب المثل تھی ۔ سلاجقہ ہزار بہادر ہوں ۔ لیکن شاہی رعب یہاں اپنا کام کر رہا تھا۔ سلطان برابر گھوڑا دبائے چلا جاتا تھا۔ لیکن کسی سلجوقی کی اتنی مجال، اتنی جرأت نہ تھی کہ بڑھکر اُسے روکتا۔ اُسکا گھوڑا جس طرف پہنچتا تھا۔ دشمن وہاں سے خود بخود ہٹ جاتے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ گویا اس کا اقبال اُسکے آگے آگے راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ سلطان میدان جنگ سے صحیح سلامت مرو جا پہنچا۔

(۹)

آج کی رات قاتلوں کے دل کے مانند غیر معمولی طور پر سیاہ۔ تاریک۔ خوفناک اور بھیانک ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا قریب تک کی چیز نظر نہیں آتی۔ زوال ماہ قمری کی انتہائی تاریخ پھر ابر سیاہ کا آسمان پر تسلط مزید برآں۔

نصف سے زیادہ شب گذر چکی ہے۔ دنیا میں تاریک پردہ پڑا ہوا ہے،
ہر طرف سناٹا۔ ہو کا عالم اور خاموشی ہے۔ پتہ تک کھڑکنے کی آواز نہیں
سنائی دیتی۔ ہاں کبھی کبھی بجلی، چمک کر، اور کڑک کر لحظہ بھر کے لیے اس خاموش
ور تاریک سین میں خلل انداز ہوتی ہے، مگر پھر بدستور سناٹا ہو جاتا ہے۔

اس وقت قلعۂ غزنی کے اندر شاہی محلات سے بہت فاصلہ پر ایک
مکان کے اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے۔ باہم گفت و شنید کر رہے ہیں۔ یہ لوگ
اپنے چہرے مہرے اور خط و خال سے اعلےٰ طبقہ کے رکن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے
تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خوفناک منصوبہ کی گھڑی بچار رہے ہیں

ایک - یہی ایک طریق ہے کہ ہم اپنے دشمن سے انتقام لے سکتے ہیں۔

دوسرا۔ مگر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہیے!

تیسرا۔ خوف کا کوئی مقام نہیں سلیمان! (پہلے شخص کا نام) ہم لوگوں کا
بال تک بیکا نہ ہوگا! اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

سلیمان - ہاں شہزادہ صاحب (احمد بن سلطان محمد) جب آپ یہ فرماتے
ہیں تو پھر ہمیں کیا اندیشہ ؟!

شہزادہ احمد۔ آپ لوگ بالکل مطمئن رہیں۔ میں سب دیکھ لونگا حقیقت یہ
ہے کہ خود حضرت ظل سبحانی ہم لوگوں کے درپے نہ ہوں گے۔ کیونکہ اسی
میں انکا فائدہ ہے کہ یہ "ہستی" صفحہ دنیا پر نہ رہے۔

ابن علی خویشاوند۔ (تیسرا شخص) قسمت سے یہ موقع بھی خوب ہے۔ کیسی
تاریک رات ہے۔ ایسا ہی وقت ایسے نازک کاموں کی انجام دہی کے لیے
موزوں ہوتا ہے۔ گویا اس وقت قدرت ہماری تائید۔ اور امداد کر رہی ہے
شہزادہ صاحب! باقی باتوں کا انتظام آپ نے کر لیا ہوگا؟!

شہزادہ - ہاں ہاں! تمام کام بلا مزاحمت ہو جائیگا - تمام انتظام کر لیا گیا ہے -
سلیمان - تو پھر اب تاخیر نہ کرنی چاہیئے!
ابن علی - بہتر - بسم اللہ!

یہ کہہ کر ان تینوں شخصوں نے لباس تبدیل کیا - چنانچہ وہ سرتاپا سیاہ ملبوس میں پوشیدہ ہو گئے - حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے، اور چہروں پر سیاہ نقاب پڑے ہوے تھے - ان لوگوں نے تیز خنجر لباس کے اندر چھپا لیے تھے -

یہ لوگ پیچ دار راستوں اور تاریک گلیوں سے گذر کر شاہی محلات کے قریب جا کھڑے ہوے - یہاں پہنچ کر دو لمحہ کے لیے رُکے - اور پھر باہم کچھ اشارہ کر کے جانب مشرق چلے - اور ایک عظیم الشان عمارت کے پھاٹک پر جا کر ٹھٹکے اب شہزادہ آگے بڑھا - اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پہرہ دار سنتری - گہری نیند میں غرق خراٹے لے رہے ہیں - احمد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا - اور ان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا -

شہزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا - اور ایک کنجی نکالی اور اُسے پھاٹک کے قفل میں داخل کیا - پھر نہایت آہستہ سے پھاٹک کے دروازے کھولے گئے - اور جب یہ تینوں آدمی اندر داخل ہو گئے تو پھاٹک اندر سے بند کر لیا گیا - یہ تمام کارروائی ایسی تیزی، ایسی عجلت، اور ایسی احتیاط سے عمل میں آئی کہ بہ حالات ظاہر پہرہ دار سنتری اس سے بالکل بے خبر تھے - اور ہنوز گہری نیند میں غرق!

اس عمارت کے اندر جو دراصل شاہی بندی خانہ ہے اور جس میں پولیٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں ایک چراغ نہایت دھیمی روشنی سے

جل رہا تھا۔ اندر داخل ہونے والوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نہایت رعب دار اور چمکدار ہے۔ پلنگ پر پڑا بے خبر سو رہا ہے! نوواردوں نے اندر کے سین کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

ان لوگوں کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب چاروں طرف بلا کی تاریکی تھی۔ سین پر پردہ پڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کے بعد "شپ شپ" کی آواز سنائی دی! اور اسکے بعد ایک دردانگیز انسانی چیخ کی آواز، پھر بدستور سابق۔ بالکل خاموشی اور سناٹا!

پھاٹک احتیاط سے کھولا گیا اور اُسکے اندر سے تینوں آدمی باہر نکل کر بے تحاشا بھاگے! شاید اسی آہٹ سے پہرہ دار سنتری بیدار ہو گئے۔ چند منٹ کے بعد جب آنکھیں ملنے سے فارغ ہوئے تو پھاٹک کھلا دیکھکر چور چور کا غل کر کے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ مگر چور نکل چکے تھے۔ اب وہ ڈرتے ڈرتے پھاٹک کے اندر داخل ہوئے اور بڑی دشواری سے چراغ جلایا مگر اب انکی آنکھوں کے سامنے قیامت کا سین تھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ "خون! اُف سلطان، خون!"

سلطان مسعود کو سلجوقی مہم میں ناکامی ہوئی۔ غزنوی تاریخ میں یہ ایک خاص واقعہ تھا۔ تاہم سلطان۔ اپنی بے نظیر ذاتی شجاعت اور دلیری کی بدولت اپنی جان، دشمنوں کے نرغہ سے نکال لایا۔ سلجوقیوں کو تعاقب کی جراءت نہوئی۔ سلطان مرو جا پہنچا اور وہاں اکثر مفرور سپاہی اُس سے

آ ملے۔

سلطان مسعود کوچ کرتا ہوا بخیریت تمام غزنی جا پہنچا۔ اور اپنی فوج کے اکثر مفرور سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں نظربند کیا۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن فتنہ سلاجیق کا نتیجہ غزنویوں کے حق میں ناسیارک نکلا۔ تمام ممالک محروسہ میں بے رعبی پھیل گئی۔ یہی واقعہ زوال غزنویہ کی تمہید بنا۔ اور آخرکار ایک روز سلجوقی خانہ بدوش دہقان سے سلطان بن گئے۔

فتنہ سلاجیق ایک طرف، دوسری جانب امراے غزنوی کا تمرد اور نااتفاقیاں، ملک کے امن و امان کو سوخت اور سلطان مسعود کی حکومت کو ناکام ثابت کر رہی تھیں۔ سلطان موجودہ حالات میں شریروں کی قرار واقعی سرکوبی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اُسکے دماغ نے ایک جدید منصوبہ سوچا۔ اس نے عزم کیا کہ لاہور (ہندوستان) پہنچکر اور وہاں سے فوجی جمعیت لے کر سلاجیق وغیرہ سرکشان غزنی کا قلع قمع کرے۔ اُسے اپنے کئی ماتحت اور دوستدار ہندو راجگان و اُمراسے بھی امداد کی توقع ہوگی۔ ہندو فوج اور ہندو سپہ سالاروں پر وہ کامل اعتماد رکھتا تھا۔ جو سلطان محمود کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک بیشمار مواقع پر جاں نثاری اور وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن آیندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک افسوسناک اور خطرناک مغالطہ تھا۔

سلطان نے فی الحال معاملات غزنی کا یہ انتظام کیا کہ اپنے فرزند اکبر امیر مودود کو حکومت بلخ پر مامور کیا۔ علےٰ ہذا شہزادہ ایزد یار کو حکومت غزنی اور امیر کو ملتان کی حکومت سپرد کی۔ اور ان انتظامات سے فارغ ہو کر خود ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔ تمام قیمتی ساز و سامان اور شاہی

خزانہ، اونٹوں پر بار سلطان کے ہمراہ تھا۔ اور لاہور منزل مقصود۔

سلطان مع اپنے ہمراہیوں کے کوچ کرتا ہوا افواج راولپنڈی تک آپہنچا۔ لیکن جب وہ موضع مارگلہ کے قریب پہنچا تو ایک نہایت افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی ہمرکاب غلاموں نے (زیادہ ہند و کم ترک) خزانہ اور قیمتی مال و اسباب، لوٹنا شروع کیا۔ حتّٰی کہ تمام زر و جواہر قبضہ میں کر لیا۔ سلطان کے ہمراہی اُمرا، اور سپاہی، اس واقعہ کو خاموش دیکھا کیے۔ ان میں سے کسی نے اُنگلی تک نہ ہلائی۔

سلطان مسعود، اپنے معذور و معزول (سلطان) بھائی (محمد) کو بمقتضائے سیاست اپنے ہمراہ لایا تھا دور اندیشی، یہ کی تھی کہ اس کی غیر حاضری، بن ناراض اُمرا وغیرہ کہیں اُسے تخت غزنی پر قابض کرا دیں لیکن اس کا ساتھ لانا اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ سلطان کے ہمراہی غلاموں اور اُمرا نے محمد کو آزاد کر کے اُسے سلطان بنایا۔ اور اب ان لوگوں نے سلطان مسعود کے خیمہ پر حملہ کر دیا!

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام معاملات کی پیشتر ہی سے سازش اور پخت و پز ہو چکی تھی اور مخالف پارٹی نے پہلے ہی ہر طرح کا انتظام کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان جیسا شخص، جو سلجوقیوں سے بچ کر نکل آیا تھا۔ بہ آسانی اس جال میں پھنس گیا۔

سلطان مسعود کو فی الحال سوائے اسکے چارہ کار نہ نظر آیا کہ سرائے مارگلہ میں محصور ہو جائے چنانچہ اس نے یہی کیا۔ مگر امرا نے حق رفاقت ادا نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسیر کر کے نابینا بادشاہ محمد کے روبرو پیش کیا گیا اور اسے نظر بندی کا حکم ہوا۔

معزول سلطان مسعود اس حالت میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہا۔ بلکہ زمانہ اسیری سے بہت تھوڑے عرصہ بعد بندی خانہ میں شہید کیا گیا۔ اسکے قاتل سلیمان بن یوسف۔ ابن علی خویشاوند۔ اور شہزادہ احمد بن سلطان محمدؒ تھے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ سلطان محمدؒ اس سازش قتل سے بے خبر اور ناواقف تھا۔

سلطان مسعود نے سلیمان کے باپ یوسف اور علی خویشاوند سے جس قسم کا سلوک کیا تھا اُس کی تفصیل اوپر گذری۔ پس ان لوگوں نے اس طرح اپنا اپنا انتقام لیا۔ اور شہزادہ احمد بن محمدؒ کو بھی اپنا شریک حال کیا کہ دارو گیر سیاست سے محفوظ رہیں۔ اور اس طرح سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی جیسی اہم ہستی کا خاتمہ ہوا۔

اقبال محمودی اور زوال مسعودی کے اسباب وعلل کی تلاش بجائے خود دلچسپ اور مستقل بحث ہے۔ لیکن یہ ہمارا افسانہ اس طویل اور خشک تاریخی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا! وہ مضمون مستقل فرصت چاہتا ہے!!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

غزل

شاید نصیب ہوں بت ایماں شکن کے پاؤں	چھوتا ہوں جا کے دیر میں میں برہمن کے پاؤں
دیکھا ہے اس نے کس گل رعنا کو باغ میں	حیرت سے لڑکھڑے ہیں جو سرو چمن کے پاؤں
کرنا ہے امتحان کشش حسن کا اسے	رکھتی نہیں ہے شمع جو باہر لگن کے پاؤں
نقش قدم سے نقشۂ گلزار کھینچ گیا	کیا گل کھلا گئے ہیں مرے گلبدن کے پاؤں

باسط رسا ہو طالع ناسازگار یوں
اپنا سر نیاز ہو اس سیمتن کے پاؤں

باسط بسوانی

قلب

قلب یوں تو مخروطی شکل میں گوشت کا ٹکڑا ہے، لیکن اب اسکو کیا کہیے کہ حضرت رب العزت نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ایسی زبردست پسند پر کس کو مجال سخن ہے۔

تفہیم کلام کے لیے، اسکو تین اقسام میں منقسم فرما لیجیے۔

الف صحیح (زندہ)

ب علیل۔

ج مردہ۔

صحیح اور زندہ کو "سلیم" بھی کہتے ہیں اسکی تعریف میں اہل دل نے مختلف تقریریں کی ہیں، مگر حاصل کلام یہ ہی ہے کہ وہ قلب جو ذوالجلال والاکرام کی مرضی میں ہمہ وقت مصروف و مشغول ہو کر غیر اللہ کی رضاجوئی سے بے نیاز ہو، جسکا اکل و شرب جسکی نقل و حرکت یا جسکا عزم و ارادہ سب اللہ ہی کے واسطے ہو جسکا سب باتوں میں دستور العمل وہی ہو جو سرکار دو عالم فداہ امی و ابی نے اپنے اسوۂ حسنہ میں اپنے غلاموں کے لیے چھوڑا ہے، قلب سلیم کہلاتا ہے اور یہی ایک چیز ہے جو ہم سے حقوق اللہ کے سلسلے میں مانگی جائے گی اور کام آئے گی" (یوم لاینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم) مال یا اولاد کچھ کام نہ آئے گا مگر قلب سلیم"

اکابرین سلف کہہ گئے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق دو سوال ہونگے (ایک یہ ہوگا کہ کیوں کیا، دوسرا یہ ہوگا کیونکر کیا)۔ پہلا اسپر مبنی ہے کہ کرنے کی غرض کیا تھی یعنی رضائے معبود مقصود تھی یا رضائے عبد، دوسرا اسپر مبنی ہے کہ طریق عمل اسوۂ محمدی کی تعلیم سے ماخوذ تھا یا ایجاد بندہ بھی شامل تھی کیونکہ حکم یہ ہے کہ پس اتباع شریعت فوت نہونے پائے (یا ایھا الذین امنو لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ) اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ اور اسکے رسول سے پس ان دونوں سوالوں کے واسطے، ہر شخص کو اپنے پہلو میں قلب سلیم کی جستجو چاہیے، جسکے قلب میں

عملاً تلاش موجود ہے وہی قلب سلیم ہے۔
علیل وہ ہے جسمیں موت کے آثار بھی پائے جائیں (ایسا قلب کبھی روشن ہوجاتا ہے کبھی تاریک جب زندگی سے مانوس ہوتا ہے تو اسوقت صبر و شکر حمد و ثنا ذکر شغل میں مصروف ہوتا ہے جب موت کی کیفیت اسپر محیط ہوتی ہے تو معبود کو بھول کر عبد کی پرستش کرتا ہے۔ اس مقام پہ یہ غور کرنا اچھا ہے۔ کہ ہم دل کی بیماری میں تو مبتلا نہیں۔
مردہ وہ ہے جو شیطان رجیم کی بد فریبیوں کا شکار ہو کر اپنے خالق سے باغی ہوجاتا ہے مردہ دل کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ مجکو کبھی مرنا بھی ہے اپنے اقوال وافعال کی جوابدہی بھی کرنی ہوگی، موت سے غفلت پیدا ہوجانا اسکا نام مردہ دلی ہے؛
مذہب کہتا ہے کہ زندہ دلی ہی مقصد آفرینش ہے، وہ حضرات جو آج دنیا میں زندگی کی پکار مچا رہے ہوئے ہیں، ان سے پوچھنا چاہیے کہ تمھارے پہلوؤں میں دل بھی زندہ ہے؟ لعنۃ اللہ علی الکاذبین "
اکثر وہ حضرات جو ہر وقت قومی ترقی کا بے ہنگام راگ سنایا کرتے ہیں انپر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر مسیحائی کا دعوی ان لوگوں کو زیب دیتا ہے اور ہنسی آتی ہے کہ سویا ہوا سوے ہوے کو بیدار کرنے کا خواہاں ہے مگر خود بیدار نہیں ہوتا۔
کیا مسلم کی زندگی یہ ہے کہ وہ حالت حاضرہ کے موافق ہر وقت اُن خیالات میں پھنسا رہے جو اسکو زندگی سے محروم کیے ہوے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی یہ تو نہیں ہے کہ ہم دنیاوی ضروریات و مصالح کے بنا پر اپنی حسیات کو ٹھکرا دیں۔ کاش ہم میں اب تو کچھ وہ لوگ پیدا ہوں جو ہر وقت ہمکو زندہ دلی کی جانب بلاتے ہوں کہ قومی ترقی کا راز اسی زندہ دلی میں پوشیدہ ہے۔
العجب ہم اپنے اسلاف کے کارناموں پہ فخر تو کرتے ہیں لیکن اسکا کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ عزت و ترقی کی معراج تک پہنچانے والی ہماری پالیسی اور روباہ بازی نہ تھی بلکہ وہ زندہ دلی اور حق پسندی تھی جس نے ساری دنیا کی حکومت جسنے ساری بادشاہت و ریاست ہمکو بخش دی تھی؛ پس آج مسلم ہستی کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف وہی سادہ اسلامی زندگی ہے جو دنیاوی مدنیت و تہذیب سے متخاصم ہو۔ او قلب سلیم پیدا کرنے والی ہو۔ اور بس "

سید ظفر حسن علوی۔ ناظم دائرۃ الادب دہلی

ہلال عید

ہے جلوہ زار جو طغرائے عید کے ہلال — فلک کے شیشۂ دل میں پڑا ہوا ہے بال

یہ کس حسین نے پھینکا ہے کاٹ کر ناخن — کہ حل عقدۂ دل میں نہیں رہا اشکال

حجاب ناز سے کس نے دکھا دیا ابرو — لڑی ہوئی ہیں نگاہیں جمے ہوئے ہیں خیال

یہ کون اشارۂ انگشت سے بلاتا ہے — کہ دل کھنچے نظر آتے ہیں آج حور جمال

جھکی ہوئی ہے یہ چھوٹی سی شاخ نخلۂ طور — زمانہ ہے ارنی گو مگر وہ محو جمال

یہ کس کے ابروئے خمدار کے اشارہ سے — ہوا ہے شیشۂ دل ٹوٹ کر ہلال ہلال

یہ کس نے میکدۂ چرخ میں جماہی لی — شراب ناب شفق میں پھر آگیا ہے ابال

مگر اشارۂ ابرو سے کہہ رہا ہے فلک — کسی کی حلقہ بگوشی میں کٹتے ہیں مہ و سال

مگر یہ ماہیٔ دریائے نور وحدت ہے — شناوری میں جسے ایکدو روز ہے گا کمال

مگر یہ ناخنۂ دیدۂ فلک تو نہیں — دکھا رہا ہے ہمیں دور سے جو شکل ہلال

مگر یہ نون کو لکھا ہے خط طغرا ہیں — نوید عید سنانے کو ہے مہ شوال

خراش ناخن وحشت نے غیب الگ کر لی — بنے ہوئے ورق دل پہ ہیں ہزار ہلال

بچھا ہے جال ستاروں کا چرخ نیلی پہ — کہ حسن ماہ نے سینہ کو کر دیا غربال

گلے میں ڈال کے باہیں کسی سے عید ملو — سکھا رہا ہے ہمیں شام ہی سے طرز وصال

ابھی تو جام ہلالی میں ہے مئے سرجوش — ابل پڑے گی تجلی تو ہوگا ماہ کمال

کمال حسن کے دفتر میں چار چاند لگیں — گر آج آئینہ دیکھے کوئی پری تمثال

یہ اتفاق کہ برسات میں پڑی ہے عید — بگو بہ ساقیِ پیماں شکن مقال مقال

دلوں میں نور کا دریا بڑھا اٹھیں موجیں — جبین صاف تھی ساقی کی غرۂ شوال

نگاہِ مست نے بھیجا ہے ایک استفتا بتائیں حضرت مفتی کہ آج تو ہے حلال؟
یہ جوشِ عیش یہ حالِ طرب یہ کیف نشاط ملیں جو حضرت واعظ تو پوچھوں کیف الحال
جناب شیخ بھی ساقی سے کہہ اُٹھے آخر ہے بوسہ چینی رخ آج افضل الاعمال
بتا کے فرق مے ناب و آب پاک مضاف ملا کے جام میں واعظ نے پی کئی مثقال

جمالِ روئے دل افروز صبحِ عید عزیز
ہلال ہے اگر ابرو تو رخ دعائے ہلال

عزیز لکھنوی

کام کی باتیں

جو غالب ہے وہ معشوق ہے جو مغلوب ہے وہ عاشق ہے - اگرچہ علم صرف کے برخلاف
خادم مخدوم ہو جاتا ہے - مگر مخدوم ہمیشہ خادم ہی رہتا ہے -
آنکھ سب کو دیکھتی ہے اسمیں خود بینی نہیں - مگر افسوس اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی -
تم کو وقت کا انتظار کرنا چاہیے - وقت تمھارا انتظار نہیں کر سکتا -
موت سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں یقینی نہیں - پھر کسی کی وفات پر اچنبھا کیوں ہو زندگی پر
تعجب ہو تو بیجا نہیں کہ اب تک زندہ کیونکر ہے ؎
لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
حیوان ناطق کو حیوان مطلق پر اس سے بڑھکر کوئی فضیلت نہیں کہ وہ گذشتہ واقعات
سے اطلاع رکھتا ہے - اور سیکڑوں عقلا کے تجربے سے ایک فرد واقفیت رکھتا ہے - اور
یہ صرف علم کی وجہ سے -
دنیا میں دوستی سے بڑھکر کوئی نازک رشتہ نہیں ؎ اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے
کیونکر بنے + دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست + قرابت مندی کے
رشتے ٹوٹ ہی نہیں سکتے چاہے ہزار بے لطفی ہو - دوستی کے رشتے کو مضبوط رکھنے والے
بڑے مرد ہیں ؎ خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم + انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینہ کو +

مولانا ئے خیر و بھنگوی

واردات فراق پر ایک نظر

ماہ جون کا رسالہ تمدن پہنچا۔ واردات فراق کا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے میں جہاں جہاں اٹکا گیا۔ اسے قلمبند کروں

صفحہ ۱۹ پر ام سلمہؓ کی عمر ۱ھ ہجری میں اندازاً بیس سال تبلائی گئی ہے۔ ہم کو عمر کا حساب اسطرح نکالنا چاہیے۔ کہ سنہ وفات ۵۹ھ بعمر ۸۴ سالہ ہے اسلیے ۱ھ ہجرت میں انکی عمر ۲۵ سال ہونی چاہیے

(۲) صفحہ ۲۲ پر ام سلمہؓ نے اپنی زبان سے اپنی ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب تبلایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مضمون نگار نے صاحب روضۃ الاحباب کا تتبع کیا ہے۔ انکی ماں کا نام عاتکہ ضرور ہے۔ مگر یہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہیں۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں۔ یہ صاحب روضہ کا سہو قلم ہے۔ منشاء غلطی یہ ہے کہ عاتکہ بنت عامر اور عاتکہ بنت عبدالمطلب ایک ہی شوہر کے گھر میں تھیں۔ عبداللہ ابن ابوامیہ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اور ام سلمہ کی والدہ عاتکہ بنت عامر ہیں۔ یعنے عبداللہ اور ام سلمہ علاتی بہن بھائی ہیں۔ مہاجر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ کے برادر شفیق ہیں۔ یہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارت لیکر گئے تھے۔

(۳) صفحہ ۲۲ پر سولھویں سطر سے آخر صفحہ تک۔ اور صفحہ ۲۳ پر آٹھویں سطر سے بارھویں سطر تک ام سلمہؓ غائبانہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پکار رہی اور استمداد کر رہی ہیں اگر یہ کوئی روایت ہے۔ تو حوالہ درج کردینا ضروری تھا۔ ورنہ مورخ کو اختلافات فقیہ میں صرف تخیل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(۴) صفحہ ۲۶ پر ابوسلمہ کا رونا۔ نبی صلعم کے چشمان مبارک میں پانی بھر آنا بیان کیا گیا ہے۔ کاش یہ کوئی روایت ہوتی۔ ورنہ دور باش ادب کب اجازت دے گا۔

(۵) صفحہ ۲۶ پر ام سلمہ کا منہ پر نقاب ڈالے آنا بیان کیا گیا ہے۔ گویا ۱ھ ہجری میں آیت ستر کا نزول ہوچکا تھا۔

(۶) ام سلمہؓ کا ابوایوب کے گھر میں بحضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ابوایوب کے گھر میں حضور کا قیام صرف ۷ ماہ تھا۔ اور ام سلمہؓ کی مدت فراق کتابوں میں ایک سال لکھی ہے۔ پس اگر حضور ہی کی یہ روایت صحیح ہے تو جمع روایات کا طریق ظاہر کردینا تھا۔

ایک ناظر

ناجائز تقلید

سب سے پہلے کہ میں کچھ لکھوں اپنے معزز بھائی بہنوں سے معافی چاہتی ہوں کہ اگر کوئی جملہ کسی کے ناگوار خاطر گذرے تو معاف کریں۔ آجکل عموماً اکثر تعلیم یافتہ گھروں میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ ماں باپ۔ نانا۔ دادا کی تقلید باعث فخر سمجھتے ہیں اپنی ذات میں تقلید کوئی بُری چیز نہیں ہے مگر جب ہم بُری چیزوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں تو وہی چیز جو اچھی چیزوں کے لیے استعمال کی جاتی لوگوں کی نگاہوں میں بُری ٹھہرتی ہے۔ ہمارے بھائی بہن اُن اچھی باتوں کی تقلید نہیں کرتے جو ان کے بزرگوں میں قابل فخر اور قابل تقلید تھیں بلکہ ہمیشہ بُری باتوں ہی کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سنت نبوی بالائے طاق رکھکر اپنے بزرگوں کی تقلید فرض سمجھنے لگے ہیں۔ مَیں کچھ مردوں ہی کو نہیں کہتی بلکہ اکثر تعلیم یافتہ بہنوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جو بہت ہی قابل افسوس ہے اور اس کا اثر اولاد پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ شوہر پرستی تو بہت کم دیکھی جاتی ہے بلکہ شوہر کو دبا کر رکھنا آجکل فیشن میں داخل ہے۔ حال کا ذکر ہے کہ مَیں ایک روز کسی بہن کے پاس ملنے کے لیے گئی تھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ باہر آدمی نے آواز دی کہ نصیبا سرکار آگئے ہیں اور چاء باہر منگوائی ہے جلد بھیجدو بھجوا اور کچھ گلوریاں بھی بنوا کرے آو ڈپٹی صاحب بھی بیٹھے ہوے ہیں نصیبا نے بیگم صاحبہ سے آن کرکہا بیگم صاحبہ بالکل بے پرواہی سے سُنکر چپ ہوگئیں تھوڑی دیر بعد پھر دوسری آواز آئی اسپر بیگم صاحبہ نے بہت ہی جھنجھلا کر ماما سے کہا کہ کہدے ٹھہر جا ایسی کیا جلدی پڑی ہے۔

اسقدر زور سے کہا کہ آواز باہر تک گئی۔ میاں دل میں بہت ہی نادم ہوئے
چونکہ بازار قریب ہی تھا آدمی بھیج کر چاء وغیرہ منگوا لی۔ تھوڑی دیر بعد
پھر ماما نے آن کر کہا کہ بیگم صاحبہ بہت دیر ہوگئی ہے کچھ گلوریاں بنا دیجئے
آدمی پکار رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ بیگم صاحبہ آگ بگولا ہو گئیں ماما کو بہت
سخت سست کہا گھر سے نکال دیا۔ میں نے کہا کہ بہن اُسکا کیا قصور ہے
کیوں بیچاری پر ظلم کرتی ہو تو کہنے لگیں کہ بہن وہ بہت گستاخ ہو گئی ہے اور
ماسوائے اسکے مردوں کو زیادہ سر پر نہ چڑھانا چاہیے امّاں جان تو ابا کو
منہ نہیں لگاتیں امّاں جان جو کہتی ہیں وہ ابا فوراً سن لیتے ہیں اُنکی
بہت ہی اچھی عادت ہے آخر وہ بھی تو مرد ہیں۔ واہ کیا خوب؟ مطلب یہ ہے
کہ جیسا امّاں نے ابا کو رکھا ہے ویسا میں بھی رکھوں گی۔ استغفراللہ کیسے افسوس
کی بات ہے کہ ایسی تعلیم یافتہ پڑھی لکھی لڑکی کے دل میں ایسے خیالات ہوں؟
ایک یہ ہی نہیں بلکہ میں ہزاروں لڑکیوں کو بتلا دوں گی کہ جن لڑکی کو
شوہر پرست خدمتگذار سنتی ہیں نظرِ حقارت سے دیکھتی ہیں اور فخر یہ اپنی
سہیلوں سے کہتی ہیں کہ میں نے اُن کو ایسا رکھا ہے جو کہتی ہوں وہ مانتے
ہیں اور میرے کام میں کچھ دخل نہیں دیسکتے غرض ایک ایک طرح سے
شیخی مارتی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی دوسروں کو حرص اُٹھتی ہے بعض کامیاب
ہوجاتی ہیں بعض اپنا سا مُنھ لے کر رہ جاتی ہیں۔ اکثر مردوں کی بھی یہی حالت
ہے کہ باپ دادا کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے باپ دادا
میں چند خوبیاں ہوں گی ہم اُسکی کیوں نہ تقلید کریں جس میں کل اوصاف
موجود ہوں۔ وہ کون ہے؟ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جن میں دنیا بھر کی
اچھی اچھی خوبیاں موجود تھیں اور جن کی تقلید بھی ہم مسلمانوں پر فرض ہے۔

اُن بھائی بہنوں کو جو تقلید کے پھندے میں پھنسے ہوے ہیں دیکھنا چاہیے
کہ پیغمبر خدا کا برتاؤ اپنی بیویوں سے کیسا تھا اور بیویاں کیسی خدمتگزار تھیں
یہ ایسی تقلید ہے کہ اسکو ہر انسان کر سکتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک
اور بچے سے لے کر بوڑھے تک ان کی تقلید کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو بادشاہ بن کر
رعایا کو خوش رکھنا حکومت کرنا سیکھے تو رسول خدا سے سیکھے۔ جو فقیری سیکھے
وہ رسول خدا سے سیکھے۔ جو بزرگوں کی اطاعت سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے
اولاد کی محبت وہ رسول خدا سے سیکھے۔ بیویوں سے محبت وہ رسول خدا سے سیکھے
اور بیویاں اون نیک بیویوں سے سیکھیں مہمان نوازی وہ رسول خدا سے سیکھے
کہ آپ مہمانوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔ احسان کرنا یا احسان ماننا وہ
رسول خدا سے سیکھے۔ تہذیب وہ رسول خدا سے سیکھے۔ غرض کہ کل اوصاف
ہمارے پیشوا نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ تبلائیے دنیا میں تقلید
کے لیے ہمارے واسطے اورکوئی ایسا نمونہ مل سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیا ہمارے
باپ دادا میں یہ خوبیاں اتنی نہ سہی اس میں سے دو چار بھی مل سکتی ہیں؟
ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہم ان کی تقلید کو فخر سمجھیں یہ کم عقلی ہے؟

ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکرگذار ہونا چاہیے کہ اُسنے ایسا بہتر نمونہ دنیا میں ہمارے
لیے چھوڑا ہے کہ جس کی دوسری نظیر ملنا محال بلکہ ناممکن ہے پس ہم کو بھی وہی
چال اختیار کرنی چاہیے نہ کہ باپ دادا اماں کی اندھی تقلید۔

مسز مرزا حسین علی بیگ فرحت
(علیگ)

بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر

دنیا میں اعتقاد بھی عجیب و غریب چیز ہے۔ ہم اگر کسی چیز کی طرف کوئی خیال قائم کرلیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پھر اسکے متعلق ہماری تمام معلومات اُسی خیال کے ماتحت ہوں گی۔ ایک شخص کو ہم اچھا یقین کرتے ہیں اب یہ ہماری اعتقادی مجبوری ہے کہ اسکی طرف سے اپنی قوتِ نقد کو ضعیف و کمزور پاتے ہیں، اس شخص کی ہر بُری بات بھی ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو کوئی دوسرا بھی اپنی راے کے خلاف کہتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی تاویل اپنے ذہن میں کرلیتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر کسی شخص کی طرف سے بُرا خیال بدقسمتی سے قائم ہوگیا ہے تو پھر ہم اس شخص کے اندر کوئی اچھی بات نہیں پاتے، یہانتک کہ ہم بداہت کے ساتھ اسکے بعض محاسن کو دیکھتے ہیں، لیکن سمجھتے ہیں کہ اسمیں بھی کوئی مکر و فریب ہے ورنہ اس شخص میں بھلائیاں کہاں سے آئیں۔ دنیا میں بہت کم افراد اس طبیعت کے ہوں گے کہ باوصف کسی چیز کی طرف کوئی خاص اعتقاد رکھنے کے وہ اپنی قوت انصاف کو قائم رکھ سکیں، ورنہ اکثر صورت میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ اعتقاد حقیقتاً ایک حجاب ہے جو چہرۂ صداقت پر ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اسکا اُٹھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اس عہد حکمت و فلسفہ میں بھی اسکا فقدان نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسی مضرتیں اسکی پہلے کسی زمانہ میں رہی ہوں گی، ایسی ہی اب بھی ہیں اور چونکہ ان مضرتوں کا اثر بہت عام ہے اسی لیے مذہب بھی اس سے نہیں بچ سکا اور اسکو بھی سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ اسوقت مذہب کے

متعلق دو خاص گروہ ہیں۔ ایک تو وہ جو اُسے مع تمام حشو و زوائد کے بھی صحیح سمجھ رہا ہے اور چونکہ یہ اسکا اعتقادِ کامل ہے اس لیے کوئی صورت اسکو اس خیال سے ہٹا نہیں سکتی اور نہ کوئی دلیل اسپر کارگر ہوسکتی ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہب کی ہر بات کو غلط سمجھتا ہے خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہو اور اسی طرح وہ بھی کسی برہان کے سامنے سرِ عجز خم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ اول الذکر طبقہ میں عام جہلا شامل ہیں اور دوسرے طبقہ میں آج کل کے فلاسفرز یا پھر اُن سے بھی زائد وہ نوجوان طلبہ جنھوں نے کالجوں میں رہ کر سوائے اسکے کچھ حاصل نہیں کیا کہ مذہب لغو ہے، مذہب بیہودگی ہے، مذہب دیوانگی کو کہتے ہیں، مذہب ایک بیجا پابندی کا نام ہے اور مذہب مجموعہ ہے خلاف عقل و حکمت باتوں کا چونکہ یہ خیال اُنکے دماغ میں اعتقاد کی حد تک مرتسم ہو جاتا ہے اسلیے وہ اپنے عقیدہ کے خلاف کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کرتے اور ان کا ذہن چونکہ یہ یقین کر چکا ہے کہ موجودہ فلسفہ و حکمت سے زیادہ سچائی کسی میں نہیں ہے اس لیے وہ اسکے خلاف کسی امر کو نہیں مان سکتے خواہ اسکا تسلیم کرانے والا مذہب ہو یا کوئی اور چیز وہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ہکسلے یا ڈارون کے مُنھ سے نکل جائے وہ کبھی جھوٹی ہو ہی نہیں سکتی اور جس امر کو یوروپ والے تسلیم کرلیں اسکو نہ ماننا سخت جہل و حمق ہے۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ اسپر ان کا فلسفہ اور مذہب دونوں اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف اس وجہ سے اُسے تسلیم کریں گے کہ فلسفہ ایسا کہتا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ مذہب یہ بتاتا ہے اور یہ بیہودگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ واقعات تاریخ کو بھی ہم اس سے مستثنٰی نہیں کرتے اور خود اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیات کا بھی اسوقت تک یقین نہیں کرتے جبتک یورپ اسکی تصدیق نہ کرے۔ اور اس کی مثال میں بہت سے ایسے حضرات مل جائینگے

جو رسول اللہؐ کے حالات سے صرف اس وجہ سے اور اس حد تک واقف ہیں کہ وہ کسی Life of Mohammed لائف آف محمد میں درج ہیں نہ اس لحاظ سے کہ ان میں کسی عربی سیرۃ یا خود اپنی مادری زبان کی تاریخ کا اعتبار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یہ عام خبط ہو رہا ہے کہ مذہب سے صرف اس حد تک اعتنا کیا جائے جس حد تک وہ فلسفہ و حکمت کے مطابق ہو۔

یا اگر کسی نے مذہب پر بڑا رحم کیا تو اس طرف تھوڑی سی توجہ ہوئی کہ مذہب کو فلسفہ و حکمت کے مطابق ثابت کیا جائے۔ حالانکہ یہ دونوں سخت غلطیاں ہیں قبل اس کے کہ مذہب فلسفہ کا زیر بار احسان بنایا جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ پہلے خود اصول فلسفہ کو دیکھا جائے کہ وہ بھی صحیح ہیں یا نہیں اور پھر اگر وہ یقینی طور سے صحیح ثابت ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مذہب سے اسکو انٹرڈیوس کرایا جائے، ورنہ اسکی کیا ضرورت ہے۔ اب اس مسئلہ پر غور کیجیے کہ تحقیقات حکمت کس حد تک قابل یقین ہے۔ سو اس کا حال تو یہ ہے کہ اسکا ہر زمان میں ناقابل یقین ہونا ہی حکمت کی ترقی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر آج کوئی مسئلہ حکمیت جدیدہ کا ایسا نکل آئے کہ اسپر ہر طرح یقین کرنا ضرور ہو تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اب فلاسفر اسکی آیندہ تحقیق کی طرف سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اس لیے فلسفہ کا عجز نام ہے یقین کا نہ کہ تکمیل حکمت باعث ہوتی ہے کسی مسئلہ کے صحیح باور کرانے کی۔ اور ہم آج کی صحبت میں اسکو اجمال کے ساتھ بیان کرینگے کہ واقعی اصول فلسفہ کس حد تک اعتبار و یقین کے لائق ہیں۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمت نظری ہے دوسری عملی۔ حکمت نظری تو وہ جسکی تحقیق صرف ہمارے معلومات میں اضافہ کا باعث ہو جیسے کرہ ہاے

آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا علم اور حکمت عملی وہ جو ہماری زندگی کے لیے مفید ہو مثلاً
علم طب، علم الکیمیا، علم جر ثقیل وغیرہ۔ پھر چونکہ دنیا میں دو طرح کی چیزیں ہیں محسوس
و غیر محسوس، اسلیے حکمت چار قسموں میں منقسم ہوئی :-
(۱) حکمتِ نظری متعلق بہ اشیاء محسوسہ (۲) حکمت نظری متعلق با شیاء غیر محسوسہ۔
(۳) حکمت عملی متعلق بہ اشیاء محسوسہ (۴) حکمت عملی متعلق با شیاء غیر محسوسہ
اور ان چاروں کی بنیاد اس زمانہ میں استقراء (Induction) پر قائم ہے
ہرچند پہلے زمانہ میں بھی استقراء اصل بنیاد فلسفہ کی تھی لیکن اسپر اسقدر انحصار نہ تھا
جیسا آجکل ہے اور اسمیں کلام نہیں کہ بدون استقراء و تفحص کے کسی قسم کی ترقی
نہیں ہوسکتی لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو اس استقراء پر کس حد تک اعتبار کرنا چاہیے
اور کس حد تک وہ یقین کے لائق ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ بنانے کے لیے ضرورت ہے کسی ایسی تحقیق کی جو ہر
زمان اور ہر حال میں یکساں طور سے صحیح ثابت ہو اور اگر کوئی ایک مثال بھی دنیا
میں ایسی مل جائے جو مستثنٰے ہوسکے تو وہ اصول کلیہ نہیں یہ منطق (Logic)
کا مشہور مسئلہ ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اب غور کیجیے کہ کیا کسی ایسے
علم میں جس کی بنیاد صرف استقراء پر ہے ہم کوئی اصول کلّی قائم کر سکتے ہیں؟ ہر گز
نہیں۔ کیونکہ جس وقت تک استقراء تام ( ) نہ ہو اس وقت
تک ہم کبھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات تمام افراد میں اسی طرح پائی
جائے گی۔ اور جس وقت تک کوئی حکم تمام افراد و جزئیات پر حاوی نہو۔ اُسے حکم
عام یا اصول کلیہ میں داخل نہیں کر سکتے۔ اشیاء غیر محسوسہ میں تو استقراء کا گذر
بہت کم ہے بلکہ نہونے کے برابر ہے اس لیے حکمت کی دو قسمیں تو بداہۃً ناقص
قرار پائیں۔ رہگئیں اشیاء محسوسہ سو ان کا بھی چونکہ استقراء تام نہیں ہوسکتا

اس لیے باقی دو قسمیں بھی ناکمل ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ استقرار لغو و بیکار چیز ہے بلکہ مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسپر اعتبار کر کے کوئی قطعی حکم کسی چیز کے بابت نہیں لگایا جا سکتا اور نہ قانون فطرت (Laws of nature) کا اسپر منحصر ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف اسقدر کہ Inductive conclusion is nearly most probable) نتائج استقرار غلباً صحیح ہیں" اور اس صورت میں اسکا ضعف و نقصان ظاہر ہے اب ہم چند مثالوں سے سمجھائیں گے کہ استقرار میں کسقدر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اسکے نتائج کتنے تغیر پذیر ہیں۔

(۱) ایک زمانہ تھا کہ ترکیب جسم صرف چار عناصر سے سمجھی جاتی تھی، لیکن اب استقرار نے ثابت کیا کہ یہ غلط ہے بلکہ ۶۴ اشیاء بسیط و مفرد ایسی دریافت ہو چکی ہیں جو عناصر میں شامل ہیں۔ لیکن کیا اب یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ صرف اسقدر اجزاء ہیں اور ان میں اضافہ ممکن نہیں۔ جس طرح چار سے ۶۴ ہو گئے اسیطرح بالکل ممکن ہے کہ مزید استقرار انھیں سیکڑوں کی تعداد میں ثابت کر دے۔

(۲) پہلے یہ بات مسلمات میں داخل تھی کہ کل حیوان یتحرک فکہ الاسفل (یعنی ہر جاندار کھانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) لیکن ایک زمانہ کے بعد تلاش سے معلوم ہوا کہ تمساخ (مگرمچھ) سب جانوروں کے خلاف اپنا اوپر کا جبڑا ہلاتا ہے۔ چلیے یہ کلیہ بھی ٹوٹا۔ اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ صرف یہی ایک جانور ایسا ہے یا اور بھی بہت سے ایسے ہیں چونکہ ہم دنیا کے تمام جانوروں کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہمارا استقرار اس مسئلہ میں ہمیشہ ناقص رہے گا۔

(۳) یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شرط رویت نور و روشنی ہے۔ یعنی جبتک

روشنی نہو اسوقت تک رویت کا حصول نہیں ہو سکتا - لیکن امریکہ میں ایک عورت ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ایسی ہوی ہے جو اندھیرے میں سخت تاریکی میں اور آنکھ بند کرکے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی چونکہ ایک مثال ایسی ملگئی ہے اس لیے یہ بھی کلیہ نہ رہا - اسپر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اسکا ایسا کرنا کسی خاص عمل مسمریزم کی وجہ سے تھا کیونکہ وجہ جو کچھ بھی ہو بہرحال یہ کلیہ بھی ٹوٹتا ہے جسکو ہم قانون فطرت سمجھے ہوے ہیں -

(۴) ایک زمانہ تک یہ بات یقینی طور سے صحیح سمجھی جاتی تھی کہ مقناطیس سے اسکی کشش کسی وقت زائل نہیں ہو سکتی - وہ ہر وقت اور ہر حال میں جاذب ہے مگر بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ زلزلہ کے وقت اسکی جاذبیت جاتی رہتی ہے اور اسکی کہربائیت سلب ہو جاتی ہے -

(۵) کسی جاندار شے کے اگر ہم ٹکڑے کر دیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتی - یہ بھی اصول حکمت میں داخل ہے - لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جانور ایسا بھی ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہو جاتا اور عرصہ تک جیتا رہتا ہے - اور وہ جانور ہیدرا ہے کہ اگر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہر ٹکڑا بڑھکر ایک مستقل کیڑا ہو جاتا ہے اور رینگنے لگتا ہے - اسی طرح مینڈک کی خاک بارش میں ہزاروں مینڈک پیدا کر دیتی ہے ! اسلیے وہ اصول ولقبا فنا جو ہم نے قائم کیے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور نہ اسکے متعلق قانون فطرت وہ ہے جو ہم نے سمجھا ہے

یہ بہت معمولی معمولی سی باتیں ہیں جن سے اصول فلسفہ و مسلمات حکمت مجروح ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ یہ باتیں اصول میں داخل نہیں ہیں اسلیے ہم ان کو اب زیادہ پیش نہیں کرتے اور آیندہ صحبت میں خاص ان مسائل پر گفتگو کرینگے جو سب کے نزدیک مسلمات میں داخل ہیں اور دکھائینگے کہ ان پر

کتنے شبہات وارد ہو سکتے ہیں اور ایسے شبہات جن کا رد ممکن نہیں مثلاً ہوا کا ثقل زمین کی کشش وغیرہ اور پھر اسکے بعد ہم دکھائینگے کہ ہمارے وہ معتقدات جو خالص مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہیں کسقدر مستحکم اور غیر متزلزل ہیں۔

نیاز فتحپوری

لکھنؤ سے روزانہ اخبار

کسی دوسری جگہ ہم ایک اعلان شائع کرتے ہیں جو سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ "ہمدم" نے اشاعت کے لیے ارسال کیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ لکھنؤ سے "ہمدم" نامی ایک روزانہ اخبار نکلنے والا ہے۔ سید جالب صاحب کی ذات کو جو کچھ شہرت اخباری دنیا میں حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ تقریباً ۲۵ سال سے اخباری دنیا میں کام کرتے ہیں اور ہندوستان کے بیشتر قابلِ قدر اور مشہور اخبارات کی ایڈیٹری کر چکے ہیں جتنی وسیع معلومات جناب میر صاحب کی اخباری معاملات میں ہے اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روزنامہ "ہمدم" موجودہ اخبارات میں انشاءاللہ چند روز میں اپنی امتیازی شان قائم کریگا۔ آجکل کا زمانہ اخباری دنیا کے لیے جتنا مخدوش ہے وہ ناظرین "تمدّن" سے مخفی نہیں۔ مگر میر صاحب کا طرز تحریر اور معاملات کو نہایت خوشگوار صورت میں پیش کرنا غالباً "ہمدم" کو بہت سے خطرات سے محفوظ رکھے گا۔ ہمدم کی ایڈیٹری جن قابل قدر ہاتھوں میں دیگئی ہے اُن سے اس امر کی امید رکھنی کچھ بیجا نہیں کہ ہمدم بہت جلد ایک وسیع حلقہ آبادی کو اپنے زیر اثر کریگا۔ جس وقت تک "تمدّن" کا موجودہ نمبر خریداروں کے پاس پہنچے اُسوقت تک "ہمدم" کے کئی نمبر نکل چکے ہوں گے۔ ہم "ہمدم" کی ناظرین "تمدن" سے خصوصیت کے ساتھ خریداری کے لیے سفارش کرتے ہیں "ہمدم" کی سالانہ قیمت عہ۱۲ ششماہی عہ۶ سہ ماہی ۳ روپے اور ماہانہ عہ۱ ہوگی۔ پتہ دفتر روزنامہ "ہمدم" ۲۷ لاٹوش روڈ لکھنؤ

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے ماہ ستمبر کا نمبر ملاحظہ ہو)

آہ میری بیس برس کی کمائی لٹ جائے گی۔ گو تم رشتے میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن اب میں چھوٹی بن کر تم سے بھیک مانگنے آئی ہوں میرا کشکول بھر دو۔ میں اپنے بچے کی خاطر یہ سر تمھارے قدموں میں رکھنے کے لیے تیار ہوں جو سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھکا لیکن میری اچھی بہن اب مجھے ناکام نہ واپس بھیجو۔

جواب میں وہی ناک بھوں چڑھی ہوئی تھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی مثل پر نہایت سختی سے عملدرآمد کیا جا رہا تھا۔ کہا جا رہا تھا کہ چاہے دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے لیکن یہ نسبت تو قیامت تک منظور نہیں کی جائے گی۔ ہم اپنے ہاتھوں لڑکی کو زندہ گاڑ دیں گے یا جان سے مار دیں گے مگر تم یہ چاہو کہ اصغر سے شادی ہو کبھی نہیں ہو سکتی۔

بوا کوئی اصغر میں کیڑے پڑے ہیں کوئی چوڑا چمار ہے یا اُٹھائی گیرا بدمعاش ہے ہاں ہاں وہ بہت اچھا ہے لائق ہے فاضل ہے مگر ہمیں اُسکے ساتھ شادی نہیں کرنا ایک دفعہ کہدیا ہزار دفعہ کہدیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں جو کسی نے آکر اصغر کی والدہ سے کہا۔ یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو گھر جاؤ اصغر میاں تو جنت کو سدھار گئے۔ آہ کسی پر بجلی گرتی ہوگی تو وہ بھی اتنا متحیر اور ساکت نہوتا ہوگا جسقدر اصغر کی والدہ اپنے بیٹے کی خبر مرگ سُن کر تصویر حیرت بن گئی لیکن یہ سکتے کا عالم چند سکنڈ ہی رہا ہوگا کہ آنکھوں میں گریۂ بے اختیار کا ہنگامۂ محشر نما متلاطم ہوا۔ آگ بھڑکی اور خاکستر سے شعلے

اُٹھنے لگے۔ غریب ضعیفہ چلائی اور کہا۔ تو خوش ہو جاؤ۔ اب تو ٹھنڈک پڑگئی ہوگی مجھے برباد کر کے چین آگیا۔ سکون اور آرام حاصل ہوگیا۔ وہ پھانس جو کھٹکا کرتی تھی نکل گئی۔ وہ درد جو پریشان رکھتا تھا دور ہوگیا وہ ناسور جو تراوش ریز تھا بند ہوگیا خیر میں کچھ نہیں کہتی اللہ اس ستم کا بدلہ لے گا۔ جیسا تم نے مجھے دلگیر کیا ہے خدا چاہے تو ایسا ہی تمہارا بھی حال ہوگا۔ ڈولی آئی اور یہ روتی ہوئی سوار ہوگئیں۔

اصغر کے چچا اکرام اللہ خاں آخر عزیز ہی تھے خون ملا ہوا تھا فوراً دوڑتے ہوئے گئے دیکھا تو واقعی اصغر رخصت ہو چکا تھا۔ لاش کے پاس عورتوں کو جانے کی سخت ممانعت کردی یہانتک کہ ایک بچہ بھی بیٹھک میں نہ گھسنے پایا۔ اس اچانک موت کی وجہ ہیضہ قرار پائی اور یہ ایسی اچھی وجہ تھی جسے باور کرنے میں ہر شخص کو چارہ نہ تھا۔ باوجود اسکے کہ عورتوں کی تعداد معقول تھی مگر کیا مجال جو بین یا نوحہ کرنے کی آواز آئی ہو۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ عصر کا وقت قریب تھا جو جنازہ اُٹھا سبز چادر جس پر کلمۂ شریف جا بجا لکھا ہوا تھا شامیانۂ رحمت ہو کر میت پر سایہ فگن تھی۔ ہزارہا آدمی جنازے کے ساتھ تھے۔ یامین کی یہ حالت تھی کہ سر ٹپک رہا تھا۔ ہر شخص کا دل اُمڈا چلا آتا تھا۔ آنکھیں اس کثرت سے موتی برسا رہی تھیں کہ وہ سڑک جس پر سے جنازہ گذر رہا تھا نم ہوتی جاتی تھی۔ نماز جنازہ تین بار پڑھی گئی اب قبرستان قریب آگیا تھا یامین نے جلد جلد قدم بڑھائے اور جنازے کے آنے سے پہلے لحد پر پہنچ گیا۔ دو کنٹر گلاب کے اُسکے ہاتھ میں تھے چنانچہ ایک کنٹر قبر کی خشک زمین پر چھڑک دیا پھر گورکن سے کہنے لگا میں نے سُنا ہے تم لوگ کفن کی خاطر مردے کو برہنہ کر دیتے ہو۔ اسکے عوض تم جو چاہو مجھ سے لے لو مگر بللہ میرے بھائی جان کا کفن نہ گھسیٹنا۔ گورکن نے پوچھا صاحبزادے یہ کون صاحب تھے۔ یامین نے کہا آہ یہ مت پوچھو بس

اتنا جان لو یہ وہ شخص تھا جسکے دم سے ہماری زندگیاں تھیں۔
جنازہ لحد پہ لاکر رکھا گیا۔ اور اقربا نے مل کر قبر میں اُتارا۔ دوسرا کنستر گلاب کا کفن پہ چھڑک دیا۔ سلیں پٹ گئیں مٹی دینے کے لیے ہزاروں ہاتھ تھے۔ آناً فاناً میں وہ چاند سی شکل روپوش ہوگئی۔ فاتحہ پڑھکر دعاے مغفرت مانگی۔ پھر یہ ہنگامہ منتشر ہونا شروع ہوگیا۔ سب لوگ چلے آئے صرف یامین رہ گیا اور جو کچھ اُسے یاد تھا پڑھ پڑھ کر ثواب پہنچاتا رہا۔
اکرام اللہ خاں کے گھر میں سے تقریباً سب اصغر کے ہاں جمع ہو گئے صرف سلطان جہاں کو قصداً گھر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اصغر کے مرنے کی اُسے خبر نہ ہو۔ چنانچہ اُسکے کانوں نے جب یہ ہولناک خبر سُنی تو دل کا قصر متزلزل ہو کر گر پڑا۔ مگر خوف رسوائی اُسکا گلا گھونٹ کر درد دل کے اظہار کا موقع نہ دیتی تھی آنکھوں سے کہدیا تھا کہ خبردار آزمائش کا وقت ہے ایک آنسو نہ گرے۔ لیکن جب گھر خالی ہوگیا اور یہ صرف تن تنہا رہ گئی تو اس نے اپنے بال نوچ ڈالے کپڑے پھاڑ ڈالے چوڑیاں توڑ دیں اور کہا اصغر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ ظلم کروگے۔ تمھیں یاد ہوگا جب ہم تم ایک مکتب میں پڑھتے تھے اور محبت کا بیج بویا جا چکا تھا تو تم نے ایک دن دیوان حافظ پڑھتے پڑھتے میری توجہ اس شعر کی طرف دلائی تھی ؎

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

تو میں نے کہا تھا کہ عورت کی خلقت میں حیا ہے اس لیے وہ مجبور ہے مگر ساتھ ہی حیا کبھی غمازی نہیں کرتی بلکہ دوشیزگی وعفت کی حفاظت کرتی ہے لیکن آج دس برس گذرنے کے بعد کہتی ہوں کہ وہ حیا جس پہ ہر شریف

خاتون کو ناز کرنا چاہیے تم میرے ہاتھوں سے چھین رہے ہو۔ ہاں میں سمجھ گئی اب تم مجھ سے محبت کا امتحان لیتے ہو مگر میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ سلطان جہاں تمھارے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ صرف۔

آرزو یہ تھی کہ نکلے دم تمھارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے

ہاں تم تو نہیں مگر دنیا دیکھے گی کہ ایک دوشیزہ لڑکی کس طرح وفا کا امتحان دیتی ہے کس ثابت قدمی سے جادۂ الفت میں گامزن ہوتی ہے لیکن میں جس طریقے سے امتحان دوں گی وہ دنیا سے نرالا ہوگا۔ تمھاری طرح سے نہیں کہ زہر پی کر یا ہیرے کی کنی کھا کر سو رہوں۔

یہ کہنا کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

(باقی آیندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

مزار غالب

آجکل پھر مزار مرزا غالب مرحوم کی مرمت کے متعلق اخبارات اور رسالہ جات میں مضامین شائع ہونے شروع ہوگئے ہیں اور بعض صاحبان کام کو پورا کرنے کے لیے کتابوں کو فروخت کرکے اُنکی قیمت میں سے کچھ روپیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ چونکہ ہم "تمدن" کو بھی اس نیک کام میں شریک کرنا چاہتے ہیں اسلیے اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالہ تمدن کی نو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ) جناب انصاری سرفراز حسین صاحب کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۴۰ فیصدی ہم اس فنڈ میں دینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۸ر اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۱۰ر ہے

المشتہر منیجر رسالہ "تمدن" پل جھاؤلال لکھنؤ۔

غزلیات

حضرت بیباک شاہجہانپوری

مٹا ہے ساتھ مرے دل کے ہر گلہ دل کا — کیا وہ عشق میں قسمت نے فیصلہ دل کا

کچھ اس طرح کی مصیبت ہے جان عاشق پر — اک آسمان ہے گویا ہر آبلہ دل کا

وہ وصل پر نہیں راضی تو خاک ہی میں ملائیں — کسی طرح تو نکل جائے حوصلہ دل کا

طریق عشق میں منزل ہوئی ہے کسکو نصیب — چلا ہے خاک میں ملنے کو قافلہ دل کا

عجیب چیز ہے الفت میں داغ ناکامی — یہی وہ مجکو عنایت کریں صلہ دل کا

وہ لطف ہی نہیں کچھ حال زار ایسا ہے — وہ بات ہی نہیں تھا جس سے ولولہ دل کا

جو سرگذشت شب غم کہوں تو خاک کہوں — شکایت اپنی سمجھتے ہیں وہ گلہ دل کا

یہ کیا بلا ہے الٰہی کہ اب محبت میں — جگر کو ہاتھ لگاتا ہے آبلہ دل کا

جو روز حشر بھی انکار ہو تو یاس نہ ہو — کسی نے کیا ابھی دیکھا ہے حوصلہ دل کا

مٹا سکی نہ یہ دوریٔ نگاہ آخر بھی — وہی رہا دل و دلبر میں فاصلہ دل کا

ہر آرزو نظر آتی ہے جاں بلب شب غم — پڑا ہوا ہے تباہی میں قافلہ دل کا

وہ فرط ضعف ہے قوت خیال میں بھی نہیں — رہا نہ عشق میں اب کوئی مشغلہ دل کا

جو بیقرار اُسے دیکھا تو کچھ نہ بن آئی — خدا سے حشر میں کرنے لگے گلہ دل کا

اثر کی جان ہے گویا فغان بے تاثیر — یہ دیکھیے تو محبت میں حوصلہ دل کا

اگرچہ محو تصور رہوں پھر بھی اے بیباک
بنا ہے چشم تمنا ہر آبلہ دل کا

حضرت حسرت موہانی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے — ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

لہ بہ تقلید انداز برکت۔

با ہزاراں اضطراب وصد ہزاراں اشتیاق — تجھسے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہ شوق کا — اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھکو جب تنہا کبھی پانا تو از راہ لحاظ — حال دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے
جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا — سچ کہو تم کو بھی کچھ وہ کارخانا یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچکر سب کی مرضی کے خلاف — وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے
آگیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکر فراق — وہ ترا رو رو کے مجھکو بھی رلانا یاد ہے
دو پہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے — وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پانوں آنا یاد ہے
کھینچنا وہ میرا پردے کا کونا دفعتاً — وہ ترا فرط حیا سے منھ چھپانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا — وہ ترا دانتوں میں انگلی کا دبانا یاد ہے
آج تک نظروں میں ہے وہ صحبت راز و نیاز — اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے
میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی — ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے
دیکھنا مجھکو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے — جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے
چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ — مدتیں گذریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے
شوق میں مہندی کے وہ بیدست و پا ہونا ترا — اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

باوجود شغل پاک آرزو حسرت مجھے
آج تک عہد ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

حضرت ولی شاہجہاں پوری

کیوں ہو رشِ فغاں ضبط کے قابل نہیں رکھتا — لاشے ہے اگر دل صفت دل نہیں رکھتا
جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر — جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا
لیلٰی ہی کو بس پردۂ محمل ہو مبارک — وہ زینت دل حاجت محمل نہیں رکھتا
دشوار ہے ضبط خلش ناوک قاتل — یہ دل ہے جگر سینۂ بسمل نہیں رکھتا

ہر وادیِ پُرخار میں تسکین ہے حاصل
پابندِ جنوں حسرتِ منزل نہیں رکھتا

مل جائے اُسے تو یہی بس حسرتِ دل ہے
کچھ اور تمنا ترا سائل نہیں رکھتا

مقتل میں یہ ہے مجمعِ عشاق کا عالم
تلوار کبھی میان میں قاتل نہیں رکھتا

قاتل نے عجب بات کہی چھوڑ کے ناوک
یہ اُسکے مقدر میں ہے جو دل نہیں رکھتا

ہر وقت وہی دُھن ہے اُسی کا ہے تصور
یہ عشق کسی کام کے قابل نہیں رکھتا

اُنکے لیے اک کھیل ہے ناوک کا چلانا
سمجھے ہیں کہ پہلو میں کوئی دل نہیں رکھتا

سوز و الم و درد ہی سرمایۂ دل ہیں
میں ان کے سوا اور کچھ اے دل نہیں رکھتا

حضرت محشر لکھنوی

ترا اے چرخ دورِ انقلاب افزا نہیں رکتا
کسی ناکامِ عشقِ دوست کا نالا نہیں رکتا

یہ کن نظروں سے تم نے چاہنے والے کو دیکھا تھا
کوئی محفل ہو یا خلوت کبھی رونا نہیں رکتا

مرے فصّاد کو نشتر زنی میں مشق کامل تھی
مگر اب روکے سے خونِ رگِ سودا نہیں رکتا

رُلایا ہم کو جس نے دے دہی تسکیں بھی آکر
و گرنہ زندگی بھر اشکِ غم افزا نہیں رکتا

نہیں رکتا چلا جب کوئی وحشی بزمِ جاناں میں
گذر جائے وہ کچھ بھی روکنے والا نہیں رکتا

اُٹھاتے ہو عبث لے رہروانِ کوچۂ جاناں
کسی کا اک ہماری ذات سے رستا نہیں رکتا

یہ کہنا چارہ گر کا شرح ہے زخمِ محبت کی
بہت تدبیر کی لیکن لہو دل کا نہیں رکتا

جہاں بیٹھا نیا افسانہ حسن و عشق کا چھیڑا
ہزاروں میں تمھارا چاہنے والا نہیں رکتا

یہ کہتا ہے کوئی در باں سے وقتِ زینتِ محفل
ارے تجھ سے ذرا سی جان پروانہ نہیں رکتا

حجابِ حشر ہے وسعت تجلّی گاہِ جاناں کی
خدائی جمع ہو جانے پہ بھی رستا نہیں رکتا

مقابل عشق کی قدرت کے کیا ہو قوتِ انساں
فرشتے گے بھی روکے ترا دیوانہ نہیں رکتا

شبِ فرقت ہیں طولِ غم کی آخر انتہا محشر
سحر ہونے کو آئی اور ترا نالا نہیں رکتا

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

ہے فریاد میں گیسوے خوباں دیکھنے والے
ڈرے ہیں مدتوں خوابِ پریشاں دیکھنے والے

غروبِ مہر دل کے ڈوبنے کا ایک نقشہ ہے
سحر دیکھینگے اب کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے

ہیں ایسے بھی جو کانٹا پاؤں میں چبھنے نہیں دیتے
اُنھیں دیکھا ہے تڑپتے دلمیں پیکاں دیکھنے والے

مرے ہاتھوں سے اُنکے ہاتھ کی قوت زیادہ ہے
نظر دل پر کریں چاکِ گریباں دیکھنے والے

بہت آسان ہے دل توڑنا اب ہر گُلِ تر کا
قفس میں جا بسے گلچیں کا داماں دیکھنے والے

میں تڑپوں یا نہ تڑپوں امتحاں میں وقت نازک ہے
ادھر دل دیکھنے والا اُدھر جاں دیکھنے والے

شہادت گاہ دل اچھی ہے ناکامی کی منزل سے
بہت روئینگے ہنسکر کوے جاناں دیکھنے والے

علاج سوزِ دل اور انکے جلنے سے نہیں ہوتا
جلائیں شمع پھر کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے

تمناؤں کی کثرت اک مجھے ہلنے نہیں دیتی
چلے جاتے ہیں محشر کا بیاباں دیکھنے والے

میں وہ آئینۂ عبرت نما ہوں بزمِ ہستی میں
نظر کرتے ہی ہو جاتے ہیں حیراں دیکھنے والے

مری فرقت کی شب کٹتی نہیں شکوہ کروں کس سے
پڑے سوتے ہیں اس مشکل کو آساں دیکھنے والے

مزار کے۔ دلِ آفت رسیدہ کی طرح شق ہے
ادھر دیکھ ادو رِ منعم کے ساماں دیکھنے والے

مرا رونا شبِ فرقت تماشا گاہِ انجم ہے
مگر ڈوبیں گے آخر کو یہ طوفاں دیکھنے والے

سپیدی پھوٹ نکلی صبحِ محشر کی مبارک ہو
بدل لیں کروٹیں اب شامِ ہجراں دیکھنے والے

میں گُم ہوں صحنِ عالم سے تو قاتل چھپ نہیں سکتا
لگا لینگے پتا۔ اُسکو پشیماں دیکھنے والے

کہے جا ہمدم چلا ہے داستاں کا رنگ محفل میں
مری سُننے لگے ہیں روئے جاناں دیکھنے والے

دو روزہ حسن عیبِ گل چھپاتا ہے مگر پھر بھی
کھٹک جاتے ہیں یہ داماں بہ داماں دیکھنے والے

شبِ فرقت کی تاریکی نہ دیکھی ایک نے آکر
بہت ہیں جلوہ ہائے داغِ سوزاں دیکھنے والے

صباحِ حشر کیا کہنا کہ یکساں کر دیا سب کو
نہیں ملتے مرا چاکِ گریباں دیکھنے والے

غزالِ دشت کوسوں دامنِ صحرا میں عنقا ہے
کہاں تک آ گئے سیرِ بیاباں دیکھنے والے

فراقِ خواب بس کر انتظارِ شوق اب دم لے
تھکے جاتے ہیں طولِ شامِ ہجراں دیکھنے والے

مری میت اُٹھانا ہے تو کوئی یوں ندا کر دے
کہاں ہیں آج سیرِ جسمِ بیجاں دیکھنے والے

اکیلا تیرے دروازے کو میں تکتا ہوں اور مجھکو
بہت سے ہیں ترے در پہ نگہباں دیکھنے والے

کوئی صحرا ہے محشر خیر ہوگا دیکھ ہی لینگے
ڈرینگے کیا جنوں فتنہ ساماں دیکھنے والے

یدِ بیضائے موسیٰ یہ نہیں ہے داغ پنہاں ہے
نظر نیچی کریں جیب و گریباں دیکھنے والے

زبردستی کی رخصت اہلِ دل نشتر سمجھتے ہیں
خود اُٹھے جاتے ہیں دنیا کو مہماں دیکھنے والے

اندھیرا ایک سا تھا زندگی بھی راہ بھولی تھی
چلے آئے لحد تک شامِ ہجراں دیکھنے والے

فتیلوں کی رگوں پر جو گذرتی ہے گذرنے دیں
کھڑے ہوں دور ہی لطفِ چراغاں دیکھنے والے

بیان ماجرائے عشق سے کیا فائدہ ثاقبؔ
یقیں کرتا نہیں کوئی - مگر ہاں دیکھنے والے

جناب سراج الحسن صاحب سراجؔ لکھنوی

عذر کیسا خود کرینگے آرزو تعزیر کی
تم ادا سے پھر کہو ہاں تو نے یہ تقصیر کی

اسطرح خاموش ہے گویا زباں رکتی نہیں
یہ شرارت ہے کہ عادت ہے تری تصویر کی

تم ہجومِ یاس و حسرت دیکھکر غمگیں نہو
دل میں وسعت ہے جگہ ہو جائیگی اک تیر کی

مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کر تاخیر کی

موت تک نے قیدِ ہستی سے اُسے بخشی نجات
بیخبر اب تو خبر لے بستۂ زنجیر کی

شیشۂ دل سنگدل سنگِ تغافل سے نہ توڑ
اُس نے آہِ نارسا کی بھی تو کیا تقصیر کی

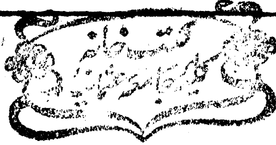
لے خیالِ دیدِ جاناں تا کجا مایوسیاں
کاش کچھ لفظیں میں پڑھ لیتا خطِ تقدیر کی

جھاڑ ڈالو اپنا دامن اسقدر غصہ نہ ہو
قدر کیوں کرتے ہو مٹی خاک دامنگیر کی

زلفِ جاناں کا تصور خود ہے زنداں بلا
اس پریشاں خواب کو حاجت نہیں تعبیر کی

لے دل اسمیں اور اُس بت میں یہی تو فرق ہے
بات ہی کرتی تو پھر کیا بات تھی تصویر کی

ہائے رے بے اختیاری اُف ری ناکامی سراجؔ
عمر بھر میں آہ بھی اک کی تو بے تاثیر کی



تمدن
لکھنؤ

شہر مصر نو سو ۹۰۰ برس سے پہلے

زمانہ کی نیرنگی دنیا کے انقلابات ایسے نہیں جو دنیا کی کسی چیز پر بھی اپنا اثر کیے بغیر رہ سکیں۔ دنیا کی ہر چیز ہر روز کچھ نہ کچھ تبدیل ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ شجر حجر وغیرہ سب اس تبدیلی سے مستفید ہوتے ہیں جو رفتار زمانہ کا اقتضا ہے۔ ذی روح افراد کی ترقی تو اسقدر نمایاں ہے کہ ایک جانور چھ ماہ کے بعد اپنے قد وجسم۔ اعضا کے بڑھتے جانے کا بہت نمایاں ثبوت پیش کر دیتا ہے گو آج کے بعد کل اس کی ترقی اتنی نمایاں نظر نہ آئے مگر چھ ماہ کے بعد کی نمایاں ترقی اسی آج کل کی ترقی کا مجموعہ ہے۔ جانوروں کے بعد درختوں کا نمبر آتا ہے۔ ایک پودا آٹھ روز بعد کچھ بڑا معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ بھی اس آٹھ دن میں آٹھویں دن ایک مرتبہ چھوٹے سے بڑا نہیں ہوگیا بلکہ وہ روز تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہا۔ غیر ذی روح اشیا کا ترقی پذیر اور تنزل پذیر ہونا اکثر اوقات

بہت عرصہ میں محسوس ہوتا ہے چنانچہ دریا پہاڑ کی تبدیلی گو اب
کبھی کبھی محسوس ہو جاتی ہے مگر اتنی جلد نہیں جتنی کہ ذی روح چیزوں
کی۔ جن لوگوں کو یہ علم نہیں کہ بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک جو اسباب
و علل سے کسی ملک یا کسی جگہ کی ماہیت کے متعلق اندازہ کرنے کے عادی
ہیں یہ واقعہ ہے کہ کسی زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ "کوہ ہمالیہ"
پہلے سمندر کی تہ میں تھا وہ اس بات سے بہت متعجب ہوں گے
مگر جو ثبوت ایسے حضرات اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں
وہ ایسے نہیں ہیں جن کو فوراً ہی رد کر دیا جائے۔ اسی طرح نہ صرف
ہمالیہ پہاڑ پر زمانہ کے انقلاب نے اپنا اثر کیا اور اس کو پستی سے
دنیا کی انتہائی بلند جگہ پر پہنچا دیا بلکہ دنیا کے ہر ملک ہر مقام پر
تبدیلی کرنے میں زمانہ نے اپنے فرض کو انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس نے
بعض جگہ اپنے فرض کو کسی کو نیست و نابود کرنے اور بعض جگہ کسی
مقام کو معراج ترقی پر پہنچانے میں پورا کیا مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی
شخص بھی کسی ملک۔ کسی مقام۔ یا کسی ذی روح کی بابت یہ
کہہ سکے کہ اس میں دس بیس برس میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوا۔
ذیل کے حالات سے آپ کو معلوم ہو گا کہ کم از کم مصر زمانہ سابق میں
کیا تھا۔

ایک سیاح حکیم ناصر خسرو جس نے ۴۳۹ھ میں سفر کیا تھا لکھتا ہے کہ۔
مصر اونچی سطح پر آباد ہے۔ دیکھنے والے کی نگاہ جب دور سے یکایک
اس پر پڑتی ہے تو غلطی کر جاتی ہے، اور دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ
کوئی بلند پہاڑ ہو گا۔ آبادی اس طرح بتدریج مرتفع ہوتی چلی گئی ہے کہ چودہ

طبقے یکے بر دیگرے نظر آتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر سات سات منزل کے عالیشان مکانات ہیں۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ساتویں منزل پر نہایت خوشنما باغ لگایا تھا، اور ایک گائے کا بچہ اوپر کے درجہ پر لے جا کر پالا تھا جب یہ پورا بیل ہو گیا تو اُسے چرخی میں جوت کر کنوئیں سے پانی کھینچتا اور باغ کو سیراب کیا کرتا تھا۔ اس باغ میں ترنج نارنج اور کیلے امرود ناسپاتی غرض ہر قسم کے ہرے بھرے پھل دار درخت اور طرح طرح کے پھول دار پودے لہلہاتے ہوئے سرسبز مرغزار تھے۔ ایک معتبر تاجر نے یہ بھی بیان کیا کہ یہاں ایسی کئی سرائیں ہیں جن کا ایک ایک کمرہ تیس تیس ہاتھ مربع ہے اور ہر ایک سرائے میں ساڑھے تین تین سو آدمی بخوبی رہ سکتے ہیں۔ بہت سے گلی کوچے، اور بازار ایسے ہیں جن میں مکانات کی بلندی کی وجہ سے آفتاب کا گذر نہیں ہوتا اور بسبب تاریکی، اور کثرت آمد و رفت ان مقامات میں دن رات لالٹینیں روشن رہتی ہیں۔

شہر کے مشرقی جانب ایک نیچا پہاڑ (پٹھار) ہے اور بیرون شہر مسجد طولون ہے یہ مسجد ٹیکرے پر بنائی گئی ہے۔ در و دیواریں اس درجہ مستحکم دیکھنے میں آئیں جو مضبوطی اور استحکام کے اعتبار سے آمِد اور میّافارقین[1] کی دیواروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یہ دیواریں کسی خلیفہ عباسی کی تعمیر کردہ ہیں مگر حاکم امر اللہ کے ہاتھ طولون کی اولاد نے اس مسجد کو تیس ہزار مغربی دینار کے عوض میں بیچ ڈالا تھا۔ کچھ دنوں بعد یہ لوگ پھر آئے اور ظاہر کیا کہ "فلاں منارہ منہدم کر کے فروخت کریں گے" خلیفہ نے مطلع ہو کر ان سے کہا، جب ہم نے مسجد کو خرید لیا تو منارہ منہدم

[1] میافارقین آرمینیا میں ہے۔

کرنے کا تمھیں کیا حق ہے" وہ کہنے لگے "ہم نے مسجد بیچی ہے نہ کہ منارہ"
مجبوراً بادشاہ نے پانچہزار دینار اور دے کر اپنا پنڈ چھڑایا۔

باستثنائے قاہرہ خاص مصر میں سات دار العلوم (یونیورسٹیاں) ہیں اور ان دونوں شہروں میں پندرہ جامع مسجدیں ہیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں عاصؓ نے جب کہ وہ مصر کے (والی) گورنر تھے وسط شہر میں مسجد باب الجوامع تعمیر کی تھی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ چارسو مستحکم ستونوں پر مسجد قائم ہے اور محراب والی دیوار سنگ رخام کی ہے۔ اور اس دیوار پر پورا کلام مجید نہایت پاکیزہ خط میں کندہ ہے۔ یہ مسجد اس قرینے سے بنائی گئی ہے کہ اس کے چوطرفہ بازار ہیں اور ہر بازار کی جانب مسجد کے دروازے ہیں۔ مصر میں یہ مسجد تفریح کا مقام اور عمدہ سیرگاہ سمجھی جاتی ہے۔ مسافر۔ سیاح، طالب علم، چک نویس، قبالہ نویس، غرضکہ مختلف قسم، مختلف مذاق، اور مختلف طبیعتوں کے کثیر التعداد لوگ ہر وقت یہاں جمع ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد پانچ ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ بانیِ مسجد حضرت عمرو بن عاصؓ کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد معیشت سے تنگ آکر خدیو مصر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم ضرورتمند ہیں اور یہ مسجد ہمارے باپ کی بنا کردہ ہے اگر اجازت ہو تو ہم اسکو فروخت کرکے روپیہ اپنے کام میں لائیں اس پر حاکم وقت نے ایک لاکھ دینار میں اُسے خرید لیا اور عجیب و غریب عمارات کا اس میں اضافہ کیا۔ منجملہ دوسرے عجائبات کے ایک چاندی کا فتیل سوز یا قندیل بنایا۔ یہ فتیل سوز سولہ پہلو (ضلع) کا ہے اور ہر ضلع کا عرض ڈیڑھ ہاتھ ہے اس حساب سے فتیل سوز کا کل دور چوبیس ۲۴ ہاتھ کا ہوا۔ سات سو چراغ اُس میں جلتے ہیں

اور خصوصیت کے ساتھ متبرک راتوں میں اسے روشن کیا جاتا ہے۔ اکتیس(۳۱) من چونتیس(۳۴) سیر اس کا وزن ہے۔ لوگ کہتے تھے جب چراغدان بن کر تیار ہوا اور مسجد کے اندر لیجانا چاہا تو بڑے دروازہ سے بھی نہ جا سکا۔ مجبوراً چوکھٹ اُکھیڑ کر اندر لے گئے اُس کے بعد چوکھٹ نصب کی گئی۔ اس مسجد میں ہر شب سو قندیلوں سے زیادہ روشن کی جاتی ہیں۔ قاضی القضاۃ کا اسی مسجد میں اجلاس ہوتا ہے۔ اور اس محکمہ کا دفتر بھی یہیں ہے۔

مسجد سے شمال کی جانب ایک بازار سوق القنادیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے بہتر اور با قرینہ بازار یقین ہے کسی شہر کا نہ ہوگا عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ ہر چیز جو دنیا میں ہو وہ یہاں ملے گی۔ وہاں میں نے عمدہ قسم کا بلور دیکھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مغرب سے آتا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہاں دریاے قلزم میں ایک کان نکلی ہے جس کا بلور صفائی اور خوبی میں مغربی بلور سے بھی بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ میں نے ایک ہاتھی دانت دیکھا جس کا وزن دو من سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک گائے کی کھال دیکھی جو چیتے کی کھال سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی۔

مصر میں مٹی کے برتن نہایت نفیس بنتے ہیں۔ اگر اُسکے اوپر ہاتھ رکھا جائے تو اندر سے ایک ایک انگلی شمار کی جاسکتی ہے۔ اُن کے اوپر مختلف قسم کے رنگ اور بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ مصر میں کانسی پیتل کے برتن پانی بھرنے کے لیے زیادہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور صرف ایک عورت کی ملک میں پانچ ہزار پتیلی گگرے ہیں جو شہر میں کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔

مصر کے سامنے دریاے نیل کے وسط میں ایک جزیرہ نظر آتا ہے۔ اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ ایک جامع مسجد

اور چند باغ قدیم زمانے کی یادگار ابتک باقی ہیں۔ اس جزیرہ میں جانے کے لیے چھتیس کشتیوں کا نہایت مضبوط پُل بنا ہوا ہے۔

مصر کے تاجر، دوکاندار، بیوپاری، خریدار اور گاہک سے سچا اور بے لاگ معاملہ کرتے ہیں کیونکہ اگر کوئی اسکے خلاف کرے تو وہاں کا دستور ہے کہ اُسے اونٹ پر بٹھا کر تمام شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ اُسکے ہاتھ میں گھنگرو ہوتے ہیں اور وہ گھنگرو بجا بجا کر بآواز بلند پکارتا جاتا ہے کہ "میں نے جھوٹ بولا تھا اور بد معاملگی کی تھی اُسکی سزا بھگت رہا ہوں اور جو شخص ایسا کریگا اُسکی یہی سزا ہوگی"

اہل شہر عموماً متمول اور دولتمند ہیں۔ جب میں وہاں مقیم تھا محل شاہی میں شاہزادہ پیدا ہوا۔ اہل شہر نے اس درجہ خوشی منائی مکانوں اور دوکانوں کو ایسا آراستہ پیراستہ کیا کہ اگر اسکا پورا حال لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اور سُننے والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہے۔ اور اس سچی بات کو لوگ لاف زنی پر محمول کریں مختصر یہ کہ صرافوں نے اپنی دوکانوں کو جواہرات، چاندی، سونے، روپیہ اور اشرفیوں سے خوب خوب آراستہ کیا تھا۔ بزازوں کی دوکانیں نفیس نفیس قیمتی کپڑوں سے سجائی گئی تھیں۔

سلطان مصر کے عدل و انصاف، رحمدلی اور حُسن انتظام کی بدولت رعایا برایا خوش خرم ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا شخص ایسا مالدار اور دولتمند ہے کہ اگر اُسکی دولت کا اندازہ لگایا جائے تو اہل عجم یقیناً اُسے صریح جھوٹ سمجھیں۔ صرف ایک آتش پرست کی دولت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں ایک مرتبہ خشک سالی ہونے سے قحط پڑا اور وزیر نے اس سے بُلا کر کہا "آجکل رعایا کی پریشانی کی وجہ سے سلطان نہایت متفکر ہیں تم کسقدر غلہ سے امداد کر سکتے ہو۔ جسقدر غلہ دو گے اسکی قیمت خزانۂ شاہی سے

مل جائے گی اور اگر منظور ہو تو بطور قرض کے دیدو" اُس نے کہا "سلطان کے اقبال اور خدا کے فضل سے میرے پاس اسقدر غلہ ہے کہ اہل مصر کو چھ سال تک کفایت کر سکتا ہے۔ مصر کی آبادی اسوقت اسقدر تھی کہ نیشاپور جیسے عظیم الشان شہر کی آبادی اسکے مقابلہ میں ⅕ کی نسبت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس شخص کے پاس اسقدر صرف غلہ ہو وہ کسقدر دولتمند ہوگا۔

پھر سلطان کے عدل و انصاف اور اسکی نیک نیتی کو ملاحظہ کیجیے جس کی حکومت میں ایسے ایسے متمول موجود ہوں نہ اُن پر کوئی ٹکس ہے نہ خراج بلکہ سب لوگ نہایت آزادی اور حریت کی زندگی خوشی خرمی سے بسر کرتے ہیں اور دولت کے اظہار میں تامل اور عادل فرمانروا سے کسی چیز کا چھپانا پسند نہیں کرتے

شاہی دسترخوان مصر کے دستور کے موافق ہر سال دونوں عیدوں کے موقعوں پر سلطان کی طرف سے ایک عام دعوت دی جاتی ہے۔ خاص لوگ بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوتے تھے اور عوام الناس علیٰ حسب مراتب دوسری جگہ بٹھائے جاتے تھے۔

میرے دل میں ہمیشہ سے یہی ہوس تھی کہ ایسے جلسہ کو کسی طرح دیکھا جائے حسن اتفاق دیکھیے اسی اثنار میں میری ملاقات ایک مصاحب شاہی سے ہوگئی اور رفتہ رفتہ بہت کچھ مراسم بڑھ گئے۔ میں نے اُن سے کہا "سلطان محمود غزنوی اور شاہ مسعود وغیرہ بادشاہان عجم کے دربار تو اکثر دیکھے ہیں اور شریک بھی ہوا ہوں لیکن شاہان مصر کی مجلس دیکھنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے جس صورت سے ممکن ہو سکے دکھلائیے" اُس نے ایک اور شخص سے میرا تعارف کراتے ہوئے سفارش کردی کہ "آپ انھیں ضرور شریک جلسہ کریں" جب میں شخص مذکور کے ساتھ شاہی محلسرا میں داخل ہوا عالیشان عمارات اور تعریف کے قابل دیوانخانہ

نظر سے گذرے جنکو دیکھکر میں محو حیرت تھا اور دل پر رعب داب کا سکہ بیٹھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ یکے بعد دیگرے بارہ محلات کے اندر میرا گذر ہوا۔ ہر محل با اعتبار خوبی اور آرایش کے دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا منجملہ دوسرے عمدہ مکانات کے ایک ساٹھ ہاتھ کا مربع کمرہ تھا جسکے اندر چار گز اونچا ایک تخت بچھا تھا اور یہ تخت تین جانب سے طلا کار تھا جس پر چابکدست استاد نے قدرتی سین مثلاً جنگل۔ پہاڑ درے۔ جھاڑیاں۔ شکارگاہ وغیرہ وغیرہ دکھلائے تھے۔ تخت کا چوتھا کنارہ جو دیوار سے ملا تھا نقرئی تھا اور نہایت پاکیزہ خط میں فقرات اور قطعات لکھے ہوئے تھے۔ اس کمرہ میں جسقدر فرش تھا وہ سب دیبائے رومی کا تھا۔ غرضکہ یہ تخت ایسا نفیس اور اسقدر قیمتی تھا کہ ضبط تحریر میں نہیں آسکتا۔ اس مکان کے آس پاس طلائی جال دار جنگلا لگا تھا۔ اس دعوت میں ایک ہزار دو سو ساٹھ من صرف شکر کا خرچ ہے۔

دستر خوان پر ایک ترنج کا درخت بنایا تھا جسکے بیل پھول پتے دیکھنے سے بہت تعجب ہوتا تھا اور کمال یہ تھا کہ پرند اور چڑیاں بٹھائی گئی تھیں جو بالکل اصلی اور زندہ معلوم ہوتی تھیں اور لطف یہ تھا کہ پورا درخت صرف شکر کا بنا ہوا تھا۔

باورچیخانہ شاہی اس محل سے باہر ہے پچاس آدمی باورچیخانہ میں ملازم ہیں اور محلسرا میں ایک سرنگ ہے جو باورچیخانہ میں نکلی ہے۔ سلطانی شربت خانہ میں روزانہ بارہ اونٹ برف خرچ ہوتا ہے باورچیخانہ سے اکثر امرا اور خواص کے خوان مقرر ہیں۔ اہل شہر کے لیے شفاخانے ہیں جنمیں دوا مفت دی جاتی ہے اور ہر قسم کے روغنیات بھی مثل روغن بلسان ضرورت مندوں کو بغیر معاوضہ لیے دیے جاتے ہیں۔ (باقی آیندہ)

محمد اسمٰعیل۔ ہاتف

تہذیب الاخلاق

(سلسلے کے لیے ستمبر نمبر ملاحظہ ہو)

(۲)

اس طریقہ سے انسان اُس مطمح نظر پر پہنچ سکتا ہے جسکے حاصل کرنے کی اسکے دل میں خواہش موجود ہے۔ اس کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے: اول یہ کہ جو جو دن گذرتے جائیں، وہ وہ اپنے مطمح نظر کو قائم کرلے۔ اور دوسرے اسکے مطابق عمل کرے۔ خواہ کچھ ہی اس کا نتیجہ نکلے۔ ہمیشہ یہ بات یاد رکھیے کہ محکم کیرکٹر صرف اسی شخص کا ہوسکتا ہے جو موجودہ خوشی کو آیندہ کی بھلائی کے لیے قربان کردے۔ اگر وہ اپنے آئیڈیل پر کاربند رہیگا تو کچھ دنوں یا کچھ سالوں بعد وہ اسے حاصل کرے گا جس طرح سے کہ ڈینٹی نے حاصل کیا جو اپنی محبوبہ کی تلاش میں کوبکو پھرتا رہا اور آخر کار بہشت کے دروازوں پر وہ اُسے مل گئی، اسی طرح بالآخر وہ اپنے آپ کو ان ہی دروازوں کے قریب پائے گا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی محض تفریح طبع کے لیے نہیں ہے بلکہ اُس اعلیٰ روحانی سچائیوں کے حصول کے لیے ہے جو ایک شخص حاصل کرسکتا ہے، اُس شریفانہ کیرکٹر کے بنانے کے لیے ہے جو ایک شخص بنا سکتا ہے اور نیز سب سے بڑی خدمت کے لیے جو ایک شخص زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان کی کرسکتا ہے۔ اس سے ہمیں سچی خوشی مل سکتی ہے کیونکہ اسی میں سچی خوشی مضمر ہے۔ جو شخص آسان طریقوں یا کسی اور ذریعہ اس خوشی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے بالآخر معلوم ہوجاے گا کہ اسکی آخری حالت ابتدائی حالت سے بھی بدتر ہے اور اگر اور طریقوں کے

ذریعہ سے سچی خوشی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ شخص لگا رہے گا تو اسے یہ بات جلد معلوم ہو جائے گی کہ اسے سچی اور پائدار خوشی ہرگز حاصل نہیں ہو سکے گی۔

سوال یہ نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے حالات کیا ہیں؟ بلکہ یہ کہ ہم ان حالات کا مقابلہ کس طریقہ سے کرتے ہیں؟ اور خواہ حالات کچھ ہی ہوں یہ امر دانشمندی سے بعید ہے کہ ہم ان کی شکایت کرتے رہیں اس لیے کہ مصیبت کے اک اک سے احوال کہنے کا نتیجہ اُداسی ہوگا اور اداسی اُس اسپرٹ کو کمزور کردے گی اور ممکن ہے کہ وہ اسے بالکل مار ہی دے، یعنی اس طاقت کو جو ہمیں اس قابل بنا سکتی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بالکل نئے حالات پیدا کریں۔

میں اپنی پوائنٹ کو واضح کرنے کی غرض سے اپنے ذاتی تجربات سے ایک مثال پیش کروں گا۔ خود میری زندگی میں مختلف موقعوں پر ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں جن سے کہ مجھے اُداسی، شرم اور تکلیف محسوس ہوئی۔ لیکن چونکہ اب ان واقعات پر کافی وقت گذر چکا ہے، میں گذشتہ زمانہ کی طرف دیکھتا ہوں اور اب مجھے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تجربہ کا میری زندگی میں کیا حصہ تھا میں نے اس تجربہ سے وہ سبق لے لیا ہے جو میرے لیے ضروری تھا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ میں ان افسوسناک تجربوں میں سے ایک کو بھی جدا نہیں کر سکتا خواہ تمام دنیا ہی مجھے اسکے عوض میں دیدی جائے۔ اور جو سبق میں نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ خواہ حالات آج کچھ ہی ہوں اور خواہ وہ میرے لیے کتنے ہی ناموافق کیوں نہوں، میں بغیر شکایت کیے انہیں قبول کرلوں گا اور نہایت ہی دانشمندانہ طریقوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کروں گا، اور ساتھ ہی یہ جانوں گا کہ وہ بہترین حالات ہیں اور یہ کہ اگرچہ میں یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ وہ میری زندگی میں کیوں موجود ہیں، اور اگرچہ میں یہ نہیں پہنچان سکتا کہ ان کا اثر میری زندگی پر کیا

پڑیگا تاہم جب وہ مجھپر آہی پڑیں گے اسوقت میں ان کا مقابلہ کروں گا اور خدا کا شکر ادا کروں گا کہ اُس نے مجھے ان حالات میں رکھا۔

ہر شخص یہ خیال کرنے کا عادی ہے کہ اسکے اپنے حالات، اپنے مصائب اور مشکلات رنج اور کشمکشیں عام بنی نوع انسان کے مصائب سے بہت زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ اسکی مشکلیں اتنی ہوں کہ جتنی دنیا میں کسی اکیلے شخص کی ہوں یہ خیال کرتے وقت اسے یہ بات یاد نہیں رہتی کہ ہر شخص کی راہ میں مختلف قسم کی مشکلات یا عادتوں پر قابو پانے کی کشمکشیں حائل ہیں اور یہ کہ اسکی یہی حالت باقی تمام بنی نوع انسان کی حالت کے مانند ہے۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم ہر وقت اپنی ہی نامناسب یا مخالفانہ حالات کا زیادہ خیال کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی مصیبتوں کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی مشکلوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے ہر آدمی کو مخصوص اور مختلف مسائل حل کرنے پڑتے ہیں اور سوائے اسکے انھیں اور کوئی حل نہیں کرسکتا۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ان ناموافق حالاتِ زندگی کے پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر شخص کو یہ قوت اور طاقت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ان ناموافق حالات کا مقابلہ کرسکے اور پھر بتدریج بالکل جدید حالات پیدا کرے۔ مشورہ کے ذریعے اور اعلےٰ قوانین سے واقفیت رکھنے کے سبب ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کو امداد دے سکیں، تاکہ دوسرا شخص بھی وہ کام آسانی سے کرسکے جو ہم کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن کام ہر شخص کو علیحدہ طور پر خود کرنا پڑے گا۔

اور اس طرح سے ہر بُری عادت سے (جس میں ہم ارادۃً یا بلاارادہ مبتلا ہوگئے ہیں) چھٹکارا پانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم پہلے اسباب پر غور کریں اور اس قانون کو معلوم کریں جس کی بدولت وہ حالات رونما ہوئے ہیں۔ اور جب

ہم قانون کو دریافت کریں گے تو اس وقت ہمیں قانون کی روگردانی نہیں کرنی
چاہیے اور نہ اسکے خلاف کچھ کرنا چاہیے بلکہ اسکے مطابق ہمیں کام کرنا چاہیے
اگر ہم قانون کی متابعت میں کام کریں گے تو اس سے ہمیں بے انتہا فائدہ پہنچیگا
اور ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ اگر ہم
اسکا مقابلہ کریں گے یا اسکے ساتھ ہو کر کام کرنے سے قاصر رہیں گے تو بالآخر
وہ ہمیں کچل ڈالے گا۔ قانون کی کارروائیاں امٹ ہیں اسکی مطابقت کروگے
تو پھر ساری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ اور جہاں اسکی مخالفت کی تکلیف، درد،
نقصان اور تباہی نظر آئے گی۔

چند دن ہوئے میں ایک قابل ادب لیڈی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے
خاوند کا کچھ سال پیشتر انتقال ہو چکا تھا جو اگرچہ نیک طبیعت اور محنتی آدمی تھا
مگر تقریباً اپنی ساری آمدنی شراب کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ جب اسکا انتقال ہوا تو
اسکی زمین سے جو پانچ چھ ایکڑ پر مشتمل تھی کسی قسم کی آمدنی نہیں تھی اور اسلیے
بیوی بظاہر کسی معقول سہارے کے بغیر رہ گئی اور حالت یہ تھی کہ اسکے ساتھ
چند بچے بھی تھے۔ بجائے اس بدقسمت حالت سے ہراساں ہونے کے اس نے
بہادری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ یقین بھی رکھتی تھی کہ ایسے
طریقے ضرور موجود ہیں جن کی پیروی سے وہ اپنی حالت سدھار سکتی ہے
اگرچہ وہ طریقے اسے فی الحال معلوم نہیں ہیں اس نے وقت پر اپنے بار کو سنبھال لیا
اور بہادرانہ طور پر آگے بڑھتی گئی۔ کئی سال تک ان طلبا کی نگرانی کرتی رہی جو
موسم گرمی میں وہاں قیام کرنے کے لیے آتے تھے۔ ان دنوں میں وہ صبح ساڑھے
تین بجے جاگتی اور بعد ازاں رات کے دس بجے تک کام کرتی رہتی۔ جاڑے کے ایام
میں جب یہ ذریعۂ آمدنی منقطع ہو جاتا تھا، وہ گاؤں میں بطور نرس کے کام

کرتی تھی۔ اس طریقہ سے اس نے عرصہ تک کام کیا یہاں تک کہ اسکا کھیت اب معقول آمدنی پیدا کر رہا ہے۔ اسکے سب بچے اسکول میں تعلیم پا رہے ہیں اور وہ کم وبیش اسکا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں اس نے کسی قسم کے خطرات کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے ان بُرے حالات کو بُرا بھلا نہیں کہا جنکے باعث اسکی حالت خراب تھی بلکہ وہ اس قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی گئی جس سے متضاد قسم کے حالات پیدا ہونا ممکن تھے وہ ہر حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ کام کرتی رہی ہے اور خواہ اسکے حالات کچھ ہی ہوں دنیا میں بالضرور ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ نزدہ حالت میں ہیں اور جنکی وہ کم و بیش خدمت کرنے کے قابل ہے۔

وہ اس واقعہ کو دیکھکر بہت خوش رہتی ہے کہ اب میرا بورڈنگ کافی آمدنی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یہ بورڈنگ اسلیے اور بھی زیادہ قیمتی ہے کہ یہ میری ہی کوششوں سے بالآخر ایسا بنا ہے لیکن ان چند سالوں میں جو اچھائیاں اسمیں پیدا ہوگئی ہیں یعنی کیرکٹر کی طاقت اور شرافت، طبیعت کی خندہ پیشانی، دوسروں کے لیے ہمدردی اور ملنساری اور سچائی، دیانتداری اور پاکیزگی کی آخری فتح کا یقین وغیرہ ایسی صفات ہیں جو اُن ہزارہا اور لکھوکھا مرد و عورت کے لیے جو بظاہر آرام و آسایش کی زندگی بسر کررہے ہیں، قابل رشک ہیں۔ اور اگر وہ چھوٹا بورڈنگ بھی اس سے چھین لیا جائے تو بھی وہ نفع میں رہی ہے اس لیئے کہ اس نے ایسی صفات حاصل کرلی ہیں جنھیں کئی ایکڑ زمین بھی نہیں خرید سکتی۔ جس طریقے سے اس نے اپنے کام کو سرانجام دیا ہے اور جس طور پر اس نے اپنے بار کو اُٹھایا ہے اس سے اس کے سارے متعلقین کو آرام ملا ہے اور اب وہ سمجھتی ہے کہ مسرت

کام فی الحقیقت سچی خوشی کا ذریعہ ہے -

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت جو اس نیک بخت عورت کی طرح دور اندیش نہیں ہے، کس طرح ان حالات کا مقابلہ کرتی۔ غالباً کچھ عرصہ تک وہ بالکل مضمحل رہتی۔ ہر قسم کے خطرات اسکے دل میں جاگزین ہوتے اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتی کہ اب اسکی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ کوئی چیز اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان حالات کے خلاف لڑتی اور دنیا سے اسکی طبیعت متنفر ہو جاتی' اور رفتہ رفتہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہو جاتی جو اس کے قریبی عزیز ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کرلیتی کہ چونکہ وہ خود ان حالات کا مقابلہ کرنے کے ناقابل ہے، لہٰذا کوئی ایسا مددگار ضرور ہونا چاہیے جو اسے ان مشکلات سے رہائی دلوائے ایسے خیالات ہوتے ہوئے مطلوبہ نتائج کے حصول کی طرف کوئی ترقی نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ اپنے خراب حالات ہی کے سوچنے میں لگی رہتی گویا کہ اور کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں وہ اپنے بورڈنگ کے لیے بھی کچھ نہ کرسکتی اور نہ اپنے لیے اور نہ دوسروں کے کام آسکتی یہانتک کہ وہ بالکل ہر چیز اور ہر شخص سے متنفر ہو جاتی۔

اس لیے اب یہ سوال نہیں رہتا کہ ایک شخص کی زندگی میں کیا حالات ہیں بلکہ یہ کہ وہ ان حالات کا کس طرح سے مقابلہ کرتا ہے جو اسے پیش آتے ہیں۔ اس بات کے جان لینے سے سب کچھ سدھر سکتا ہے کیونکہ سب امور پر اسکا اثر پڑے گا۔ اور اگر کسی وقت ہم یہ خیال کرنے لگیں کہ ہماری اپنی قسمت سب سے زیادہ خراب ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی قسمت ہم سے خراب ہو تو اس وقت ہمیں چاہیے کہ ہیپلائے کیر کرٹر کا

مطالعہ کریں۔ اور پھر اسکا مطالعہ کرنے کے بعد خدائے برتر کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے ہمیں بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور پھر ان حالات کو عمل میں لانے کا خیال کریں جس کی ہم بہت زیادہ خواہش کرتے ہیں۔

ضیاءالدین احمد برنی بی۔اے

اخباری لغات

پر

مقتدر اخبارات کی رائیں۔

لیڈر :۔ کتاب ایک نہایت اچھی کوشش ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ :۔ الفاظ کی تشریح بہت سلیس اور عام فہم اُردو زبان میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور ہماری رائے میں بہت مفید بھی ہے۔

مشرق :۔ انگریزی نہ جاننے والوں کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

پیسہ اخبار :۔ اُردو اخبار بینوں کے حق میں بہت مفید ہے۔

الفضل :۔ کتاب اپنی نوعیت میں بڑی مفید ہے اور لٹریچر کے اندر ایک ضروری اضافہ۔ قیمت ۱۰ ؍ علاوہ محصول۔

ضیاءالدین احمد برنی۔ ٹیچر تھیوسوفیکل اسکول۔ کانپور سے ملتی ہے۔

ضروری گذارش۔ "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی عزیز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہٴ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔　　منیجر

"فطرت انسان"

حسن نے جب خود پرستی کا بڑھایا ولولہ　　دستِ قدرت نے لیا صورت گری کا مشغلہ

کیلہ ہے انساں ایک پُتلا ہے عدم کی خاک کا　　جسکی ہستی آئینہ حالات حیرتناک کا

عِلم فطرت میں کبھی یہ پیکرِ تصویر تھا　　بزمِ وحدت کی حضوری کا تماشا گیر تھا

دیکھتے ہو جسم میں انساں کے جو خال ہے　　دستِ قدرت کی ہنرمندی کا استدلال ہے

لوح میں ایجاد کی اک نقش سرافراز ہے　　کن کے دریا کی صدف کا گوہر ممتاز ہے

اک دُرِ زینت دو داماں امکاں کر دیا　　واہ ری قدرت تری مٹی کو انساں کر دیا

قوتیں دیں مختلف ہر ایک کو انصاف سے　　مُتصف پھر کر دیا اپنے تمام اوصاف سے

روح کیا ہے صنعت بے مثل کی آواز ہے　　مل رہا ہے اس سے جو لا علم کا ساز ہے

شک نہیں ہمیں اگر سمجھے یہ عقلِ خاک زاد　　نفس میں موجود ہے کسب ریاضت کا سواد

متفق اس قول میں ہیں جملہ اصحابِ نظر　　بے تعلق ہو تو پھر دنیا کی ملتی ہے خبر

کیا عجب برقِ انا نکلے دلی ذرات سے　　ڈھونڈیے موجودِ واجب کو جو شمعِ ذات سے

بزمِ عرفانی میں ہے گر باریابی کی ہوس　　عقلِ دنیا ساز کو پہلے بنا لے نکتہ رس

قدرتی آرائشوں کی سیر کرنا چاہیے　　قلب حیرت زاد کو چشمِ تماشا چاہیے

حل بآسانی ہوا جاتا ہے سارا مسئلہ
فطرتِ انساں کا ہے یہ مختصر سا فیصلہ

اشہر لکھنوی

تنقید اعتقادیات

آئینہ خاطریم ولیکن ز چند گاہ
در خاکدانِ دہر غبارے گرفتہ ایم

ہم اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ
بُری چیزوں۔ اور غلط واقعات میں بھی کچھ نہ کچھ صداقت اور سچائی کی روح ہوتی ہے۔
بمصداق۔ تا نہ باشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔

جبکہ ہم ذہنی ممکنات کی تحت میں پڑتے ہیں تو کسی نہ کسی حد تک یہ تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ ان میں کچھ نہ کچھ صداقت بھی ہوتی ہے یا ہونی چاہیے مگر جب کبھی دوسرے لوگوں کی باتوں۔ اجتہادات اور خیالات کو زیر بحث لاتے ہیں تو اس ذہنی امکان کا خیال نہیں رکھتے اور تھوڑے سے شک یا مغالطہ پر یہ فتوا لگا دیتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے یہ محض نادرست اور غلط ہے اگرچہ اپنے پہلے اعتقادی رنگ میں کسی جلد باز نقاد پر ایسا فتویٰ لگا دینا مشکل نہیں مگر تنقیدی رنگ میں یہ غلطی اور ایسی جلد بازی نا قابل معافی نہیں اس جلد بازی اور اس غلطی کا صرف یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک غور کرنے والا اور ایک نقاد فریب کھاتا ہے بلکہ یہ کہ اس فتویٰ بازی میں بہت سی باتیں اور بہت سی حقیقتیں حجاب میں رہ جاتی ہیں۔ اور ایسی کاوش اور بے رخی ہمارے اردگرد سکہ بٹھا جاتی ہے جس کا اثر

اس کائنات کی بہت سی خوبیوں کے واسطے ایک حاجب اور ایک مہلک صورت ہوتی ہے۔

جب ایک خیال خصوص وہ خیال جس کی طرف ایک عام مخلوق کسی نہ کسی رنگ میں اُڑی آرہی ہے اور جس کے ماننے والے بہت سے لوگ ہیں ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے تو اُسکے سُننے کے بعد ہمیشہ ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اُس سے ایک اعتقادی جوش میں انکار کردیں کیونکہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ

کس چیز اور کس خوبی نے اسقدر لوگوں کے دلوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو اس کشش کا باعث ہوتی ہے یقیناً کوئی نہ کوئی چیز اسکی جڑ میں ہوگی اور ہم یہ بھی خیال کرسکتے ہیں کہ ضرور کسی واقعہ کسی اجتہاد اور کسی بات کی حقیقت دنیا کے اور واقعات اجتہادات سے بھی مشابہت رکھتی ہوگی اگرچہ ایسی مشابہت کیسی ہی پیچیدہ گول مول اور غیر تشفی بخش ہی کیوں نہ ہو۔

چھوٹی سی چھوٹی بات کی تہ میں بھی کبھی کبھی ہی نہیں بلکہ اکثر دفعہ کسی نہ کسی حقیقت کا پتہ مل جاتا ہے اگر بعض امور کے اندر کوئی ایسی حقیقت نہ ہوتی تو اُس بات کا اس رنگ میں پیش ہونا کوئی ہستی نہ رکھتا جب ہمارے سامنے ایک فرضی تصویر بھی پیش کی جاتی ہے تو ہم اُس سے باوجود اُس کی فرضیت کے بھی یہ باتیں نکال سکتے ہیں۔

(۱) ایک مصور یا ایک نقاش کی چابکدستی اور لطافت

(۲) ایک مصور اور ایک نقاش کا مذاق۔

(۳) یہ بات کہ انسان کا مذاقِ حسن اور مذاق لطافت کہاں تک پرواز

کرسکتا ہے۔

(۴) اور یہ بات کہ اس کائنات میں اس قسم کا نقشہ بھی پایا جانا ممکن ہے

(۵) اور حسن اشیا کی یہ حد انتہائی ہے۔

یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ہم انھیں اثبات اور نفی کی صورت میں اپنے دائرہ تحقیقات اور اعتقادیات سے خارج کر دیں کیونکہ ان کے خارج کرنے سے ہم اُن حدود تحقیقات کو تنگ کر دیتے ہیں جو ہماری بہت سی دینی اور مادی فتوحات کے واسطے لازمی ہیں اور جن سے ہم کام لیتے ہیں

اگر ایک ناتجربہ کار مصور اپنے حوصلہ کے مطابق ایک شخص کی تصویر بناتا ہے تو وہ اُس میں حتی الامکان پوری نقل اُتارنے کا زور لگاتا ہے لیکن اُسکی خامی طبیعت اُسے اس پر کامیاب نہیں ہونے دیتی لیکن اُسکے پیش ہونے سے یہ قیاس کرنا ہمیشہ درست نہیں ہوگا کہ اُسکی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

ہماری زندگی میں مندرجۂ ذیل اقسام کے خیالات ہمارے پیش نظر ہوتے ہیں۔ جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔

(۱) خیالات عامہ۔

(۲) خیالات اعتقادی۔

(۳) خیالات حکمی۔

(۴) خیالات تمدنی

(۵) خیالات تہذیبی۔

عام خیالات کی نسبت ہمیں کسی خاص وقت میں چھان بین اور بحث مباحثہ کا موقع ملتا ہے کیونکہ اُن پر باقی کے چار قسم کے خیالات کا

چنداں مدار نہیں ہوتا عام خیالات محض یومیہ یا عارضی خیالات ہوتے ہیں جیسے دنیا کی کتاب میں بعض تفریحی تذکرات یا محض حکایات چونکہ ان پہ انسانی زندگی کی اہم ضروریات کا مدار نہیں ہوتا اس واسطے اُنکی پرواہ بھی کچھ نہیں کی جاتی صدہا ایسے خیالات زیر بحث آتے اور صدہا نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں کہ جن کا کوئی نشان اور کوئی علامت بھی باقی نہیں رہتی طلوع آفتاب کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں اور غروب کے ساتھ ہی مٹ بھی جاتے ہیں گو ان میں سے بھی بعض خیالات رفتہ رفتہ ایک اہمیت اور وقعت اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کی ہستی بھی بعض اوقات مختلف اولعجیوں - واقعات اور کیفیات کی باعث ہوتی ہے لیکن پھر بھی اُنکی عام ضرورت ایک عام اہمیت کا بھی ثبوت دیتی ہے۔

نہ اُن کے صدق کی چنداں بحث ہوتی ہے اور نہ اُنکے کذب کی وہ ایسی بحث کا موقع ہی نہیں دیتے بالفاظ دیگر وہ محض ایک مشغلہ یاروں خیالات ہوتے ہیں خاص کر کسی اصول کے تابع نہیں ہوتے ان کا عام وجود محض عارضی ہوتا ہے۔

انسانی زندگی دو شعبے رکھتی ہے۔

(۱) معادی - اور

(۲) معاشرتی

معادی رشتہ ایک بڑی حد تک ایسا قوی وسیع اور زبردست واقع ہوا ہے کہ بہت دفعہ اُسکے سامنے معاشرتی شعبہ کو جھکنا اور دبنا پڑتا ہے اور اُسکے بعد کئی اور تہذیبی شعبے ہیں جن میں شعبۂ تمدنی بھی مل گیا ہے اور اگر ہم ذرا اور وسعت سے کام لیں تو کہنا پڑے گا کہ حکمی - تمدنی اور

تہذیبی صورتیں بھی ایک اعتقادی صورتیں ہیں بعض دفعہ انسان معادی اعتقادات یا معادی خیالات کو چھوڑنے پر بخوشی تیار ہو جاتا ہے لیکن رسمی اور رواجی یا دیگر اعتباری خیالات کے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ یہ قرار دیتے ہوئے ہم یہ بحث صرف اعتقادیات کے نام سے کرنا زیادہ تر مناسب سمجھتے ہیں۔

بریں اصول اور نقطۂ بحث ہم یہ کہیں گے کہ ہر قسم کے انسانی اعتقادات میں بھی اگرچہ وہ کسی قسم اور کسی نوع کے ہوں اور کیسے ہی بظاہر سقیم اور غلط معلوم ہوتے ہوں کوئی نہ کوئی حقیقت مستتر ہوتی ہے یا اُن کا شروع ہی کسی نہ کسی حقیقت سے ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر ایک قسم کے انسانی اعتقادیات کی تنقید کے واسطے یہ ایک عام قاعدہ بنا لیں کہ۔ ہر اعتقاد میں کوئی نہ کوئی اصلیت اور حقیقت ہوتی ہے یا ہر ایک انسانی عقیدے میں کسی نہ کسی قسم کی حقیقت کا ساتھ ہوتا ہے اور اُس سادہ فلاسفی کی پیروی کریں جو ایک مشرقی شاعر نے ذیل کے مصرع میں بیان کر دی ہے۔

تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

تنقیدی اصول کے ماتحت یہ مصرع ایک ایسی فلسفی ہے جو اپنے اندر اور اپنی تہ میں بہت کچھ رکھتی ہے جب ہم اس قسم کی بحثوں میں مصروف ہوں تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہماری دماغی حالتیں اور دماغی کیفیتیں اُن نشیب فراز سے محفوظ رہیں جن کی وجہ سے ہم بعض دفعہ اکثر حقائق کے انکشاف اور استدلال سے ٹھوکر کھاتے اور محروم رہ جاتے ہیں۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم یہ سمجھنے کی بھی کوشش کریں کہ۔

"انسانی اعتقادات کس طرح درست ہوتے ہیں اور اُنکا شروع کسطرح ہوا"
"اور کس طرح اُن میں غلطی پڑ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی
سوچا جاے۔ بلکہ ایک طرف یہ قاعدہ بھی بنا لیا جائے کہ۔
"ہر ایک جو بات کہتا ہے وہ سچی ہوتی ہے"۔
"اور زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو"۔
اور دوسری طرف یہ قرار دیا جائے کہ
"کثرت رائے میں عموماً غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔
ہمیں یہ تمام قواعد ٹھہرانے ہوے یہ ذہن نشین کر لینا فرض ہے کہ۔
ایسی تمام رایوں۔ خیالات اور اعتقادیات کی واجبی قیمت
کیا ہے یا کیا ہونی چاہیے۔

جو کچھ اس وقت تک ہر ایک قسم کی روایات ہم تک پہنچ چکی ہیں اُن
میں سے مذہبی اعتقادیات بھی بڑی زبردست روایات ہیں۔ ایسی
روایات کہ جن کی طنابیں صرف اس جہان یا اس زندگی میں ختم نہیں
ہو جاتیں بلکہ ان کی رفتار ایک دوسرے جہان تک بھی چلی جاتی ہے
اگرچہ اُس جہان کی کیفیت اب تک ہم میں سے کسی نے واپس آ کر بیان نہیں
کی بلکہ ہم میں سے بہتوں کو اس طرح اُسکا اعتقاد ہے کہ گویا اُسپر ایک
عینی مشاہدہ کے بعد یقین کیا گیا ہے۔

دنیا کے مذاہب میں سے ہر ایک مذہب باوجود ایک مذہب ہونے
کے دوسرے مذہب کی ایک بڑی حد تک تکذیب اور تردید کرتا ہے ہر
مذہب اسکا مدعی ہے کہ جو کچھ درگاہ خدائی سے اُسے ملا ہے اور کسی کو نہیں
ملا ہے جو کچھ اُس نے پایا ہے اور کسی کے حصہ میں نہیں آیا ہے۔

ہر مذہب اسقدر مختلف روایات کے ماتحت چل رہا ہے کہ اگر ایک مذہب خود ہی اپنی روایات کی تنقید کرنے بیٹھے تو بہت ساحصہ روایات کا اُسے نکالنا پڑے گا اور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ روایات میں سے بہت سی روایات فضول ہی نہیں ہیں بلکہ محض دروغ بافی بھی ہے ۔

ایک مذہب دوسرے مذہب کے ساتھ جب مکالمہ مناظرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اس بات پر تیار رہتا ہے کہ اُسے سرے سے لے کر اخیر تک سراسر کذب و دروغ ثابت کرکے چھوڑے مناظرین ہمیشہ اس خوشی اور وثوق میں رہتے ہیں کہ اُنکی دلائل اور براہین کے زور سے بالمقابل مذہب ناکارہ ۔ ہیچ ثابت ہو کر رہے ۔

ایسا خیال مناظرین کے دل ودماغ میں صرف اس واسطے مرتسم ہوتا ہے کہ

شروع مناظرہ اور شروع بحث میں ہی بعض لوگ مدمقابل مذہب کو از سرتا پا جھوٹ اور کذب و دروغ سمجھ لیتے ہیں اور اُن کے خیال میں سوائے اُنکے اپنے مذہب اور مسلمات مذہب کے کوئی دوسرا مذہب کچھ بھی صداقت اور اصلیت نہیں رکھتا یہی خیال ہے کہ جو دن بدن مذاہب میں نفرت پھیلاتا اور ایک کو دوسرے سے زیادہ تر بدظن کرتا ہے لوگ تطبیق مذاہب میں کوشش کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ مذاہب میں ایک اور بھی دوری اور نفرت پھیلانے یا پیدا کرنے کی ہمیشہ ایک ایسی سبیل نکالی جاتی ہے جو ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے بہت کچھ فاصلہ پر کردے یہ صرف اس واسطے ہوتا ہے کہ ہم خوش فہمی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ صرف ایک ہی مذہب شروع کی حقیقت اور صداقت رکھتا ہے باقی کے مذاہب میں

کوئی صداقت اور کچھ حقیقت نہیں ہو سکتی۔

آؤ اب ہم ذرا اپنے مذہبی تعصبات اور رسمی اعتقادات سے الگ ہو کر دیکھیں کہ فی الحقیقت معاملہ کیا ہے۔ صحیح اصول تنقیدی کے ماتحت ہر ایک مذہب دنیا پر غور کرنے کے بعد ہمیں مان لینا چاہیے یا مان لینا پڑے گا کہ پردہ دنیا پر کوئی بھی ایسا مذہب نہیں۔ جسمیں سچائی کی روح درحقیقت نہ ہو۔ مذہب کا بڑا بھاری اوتار اور بڑی بھاری حقیقت وجود خدائی ہے کیا کوئی مذہب بھی اس سے خالی ہوتا ہے۔ کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا جاتا ہو اگرچہ اس حقیقت کے اقبال اور اعتراف کا رنگ جداگانہ ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ غایت درجہ ہم دہریت کو پیش کر کے اس کا ابطال کر سکتے ہیں لیکن وہ بھی ایک طرح سے یہ حقیقت رکھتا ہے ایک دہریہ یا تو اس سارے زمانہ ہی کو خدا جانتا ہے اور یا خود اپنے تئیں اس حقیقت سے متصف قرار دیتا ہے دونوں صورتوں میں خدائی بحث بیچ میں آ پڑتی ہے اور دونوں حالتوں میں اُس کا پتہ لگتا ہے۔

مذہب یا مذاہب کا تعلق براہ راست نفوس اور ضمائر سے ہے اور اگر دوسرے الفاظ میں کہو تو مذہب بھی ایک طبعی خاصہ اور طبعی جذبہ ہے مذہب کا جزو اعظم خدا ہے اور کوئی ہستی سوائے اس خدائی خیال کے باقی اور خالی نہیں رہ سکتی یہ جدا بات ہے کہ اس خیال کے ساتھ رفتہ رفتہ یا بعد میں چند ایسے خیالات بھی مل جاتے ہوں کہ جو اس خیال کی روشنی کے دھندلا کرنے کے واسطے ایک کافی ذریعہ ہوں۔

بت پرستی بعض لوگوں کے خیال میں خدا پرستی کا شروع ہے

یعنی بت پرستی سے رفتہ رفتہ یا بتدریج انسان خدا پرستی تک پہنچا ہے لیکن میری رائے میں یہ صحیح نہیں جب کہ ہم خدائی خیال کو انسان کا ایک طبعی خیال کہتے ہیں تو پھر یوں کہنا چاہیے کہ خدا پرستی یا خدا پرستی کے خیال سے ہی انسان گرتے گرتے بُت پرستی تک پُہنچ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح انسان کئی درجوں سے ترقی کرتے کرتے انسانیت سے فائز ہوا ہے اسی طرح بت پرستی سے خدا پرستی پر آیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ قصہ ابھی تک اس درجہ تک ثابت نہیں کہ اُس پر یوں ہی آمنا وصدقنا کہا جائے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ کہا جائے گا کہ انسان کے دل میں اس وقت خدا پرستی کا خیال آیا کہ جب وہ خدا پرستی کا جامہ پہن چکا تھا اور ایسی حالت میں اُسکے دل ودماغ میں اپنی پوزیشن موجودہ کے مطابق لازمی تھا کہ شروع شروع میں خدا ہی کا خیال مرکوز ہوتا۔

ہم اس کی تائید میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان فطرتاً گنہگار اور عاصی نہیں بنایا گیا اُسکی فطرت میں پاکیزگی اور اچھائی رکھی گئی ہے وہ اس فطرتی اقتضا کے بعد ہی گناہوں میں آلودہ ہوا ہے اور اب بھی جب کبھی اُسے موقع ملتا ہے اُسی فطرتی پاکیزگی کا متلاشی رہتا ہے وہ ہی فطری تڑپ اُسے جا بجا لیے پھرتی ہے اور اُسی رنگ میں وہ رنگا جانا پسند کرتا ہے اگر یہ تڑپ عارضی ہوتی اور اُسمیں فطری تقدس اور فطری جوش نہ ہوتا تو اس طرف انسان اسقدر شد و مد سے متوجہ بھی نہ ہوتا۔

ز ہستی تا خوشی ہا دیدم و سازِ عدم کردم
ہوائے غربتم ناساز شد سوئے وطن رفتم

خدا نے انسان کو اس دنیا میں اُسکی درخواست کے بغیر بھیجا اسپر اگر وہی اُس کی طبیعت میں ایک نہ دور ہونے والا مادہ گناہ کا رکھ دیتا تو وہ الزام سے کس طرح بچ سکتا ہے خود ہی ہمیں گناہ سیرت اور عصیان فطرت بناتا ہے اور خود ہی غلط کاری پر ہم سے جواب طلب کرتا ہے۔ اس بات کی کبھی دنیوی سیاست سے توامید کی جا سکتی ہے۔ خدائے قادر سے کس طرح ایسی نا انصافی اور ایک رنگی کی امید ہوسکتی ہے۔ ہماری فطرت پاک صاف بنائی گئی ہے اور ہمیں یہ موقع دیا گیا ہے کہ ہم پاک فطرت کی مدد سے پاکیزگی میں ترقی کریں جب ہم پاکیزہ فطرت ہیں تو پاکیزگی فطرت کا سب سے اعلیٰ اور روشن تر پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اُس راہ پر لگائے جو خدائی ذات کی منزل تک لے جاتی ہے اور جس سے اُس ذات صمدی کا درشن ہوتا ہے۔

امید نوازش از فلک بود
آخر بزمیں نوا خست مارا

جب خدا پرستی خدا شناسی ہمارا ایک فطری خاصہ ہے تو پھر یہی کہا جائے گا کہ انسان کی فطرت نے شروع ہی میں انسان کو خدائی راہ پر لگایا ہے اور انسان بعد میں خارجی اغلاط کی وجہ سے خدا شناسی سے دور دور ہوتے پتھروں اور اصنام تک پہنچا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ہم ایک دفعہ کسی عجوبہ ہستی اور کسی پر فریب طاقت سے آشنا ہوجاتے ہیں تو بعض وقت اُس کے فقدان پر اُس کے قائم مقام بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی عارضی طمانیت کے واسطے اُن وسائل اور اُن ذرائع سے کام لیتے ہیں جو اُس اصلیت سے بہت دور ہوتے ہیں۔

ایک طالب کا مطلوب کی تصویر رکھنا اور اُسے رات دن دیکھتے رہنا

گیا ہے ایک بہانہ ہی تو ہے کیا تصویر میں وہ بات بھی ہوتی ہے جو اصل میں ہوتی ہے ضرور ایک خاک تو ہوتا ہے مگر وہ بولتی چالتی حقیقت کہاں اور وہ بات کہاں۔ اور باوجود اس کے بھی ایک طالب اُس سے ایک قسم کی طمانیت پاتا اور دلاویزی حاصل کرتا ہے۔

مجنوں مرا بہ سلسلۂ عشق واگذاشت
خود از میانہ پائے کشیدو مرا گذاشت

جب ہم خدا شناسی اور خدا پرستی کے فطرتاً عادی ہیں اور خداہی سب مذاہب کی جڑ یا سب مذاہب کا عنصر اولیں ہے تو پھر ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ

دنیا میں صرف ایک مذہب ہی صداقت لے کر آیا تھا یا خدا نے صرف ایک ہی قوم اور ایک ہی مسلک کی فطرت میں یہ جوہر خدا شناسی ودیعت کیا تھا اور ایک ہی قوم اس کی سزاوار رہی تھی یہ تو خدا کی ناشکر گذاری یا خدا پر الزام دینا ہے۔ خدا نے ہر فطرت میں یہ جوہر رکھدیا ہے اور ہر فطرت اس کی سزاوار ہے اگر ہم راست بازی سے یہ مان لیں تو پھر ہمیں اس کے ساتھ ہی یہ اقرار بھی کرنا پڑے گا کہ

ہر مذہب میں باوجود رطب و یابس روایات اور عقائد کے بھی ایک صداقت ہے۔ ایسی صداقت جو ہمیں اُس حشیمۂ صداقت کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری فطرت بننے میں رکھا گیا ہے۔ اور جس سے کوئی فطرت بھی خالی نہیں

ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است

دیکھو اس خیال کے ذہن نشین کرنے سے کہ ہر مذہب میں ایک صداقت موجود ہے اور کوئی مذہب شرع کی صداقت سے خالی نہیں ہم اس نفرت

اور اُس بیزاری سے کس قدر دور جا رہتے ہیں جو ہیں مناظرہ اور بحث یا مطالعہ مذاہب کے وقت پیش آتی ہے یہ وہ طریقہ ہے جو ہمیں تطبیق مذاہب میں بہت کچھ مدد دیتا ہے اور ہمارا دل خواہ مخواہ کے تعصبات سے خالی ہو جاتا ہے جو ہر وقت ہمارے ستاراہ رہتے ہیں اور ہم اس مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں کہ الہامی فیضان کنجوسی سے نہیں ہوتا سب قومیں اسکی باری باری حصہ دار ہیں کسی قوم کی خصوصیت نہیں اور کوئی قوم اس خوان الہام سے محروم نہیں رہ سکتی۔

جس طرح خدا رازق ہے اور سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح یہ معادی فرق بھی ہر قوم کے حصہ میں دیا گیا ہے تاکہ سب قومیں معادی رنگ میں ایک ہی میں نہ رہیں۔

ہر رنگ جلوہ دارد با چشم آشنا ئے
آن حسن خود نما را من خوب می شناسم

بایں حالات ہم ایک طرف اگر ایک مایوسی کی معترضانہ نگاہوں سے بعض مذاہب کی روایات میں ایک کمزوری ایک اُلجھن اور ایک نقص اور ایک بے ترتیبی پاتے ہیں تو دوسری طرف اُس میں ایک شروع کی صداقت بھی پاتے ہیں اُس میں وہ دھندلا نور بھی دیکھتے ہیں جو شروع شروع میں اُس پر نازل اور روشن ہوا تھا اور جس کی کرنوں میں اُس نے بہت سی روحوں کی رہنمائی کی تھی اور جو اب تک اُسی روشنی کی دھندلی سی کرنوں میں اُس صداقت کے پانے میں غلطاں و پیچاں رہتی ہیں۔

ایک ظلمت اکثر اپنے ساتھ نور رکھتی ہے ایک کذب میں صدق بھی ہوتا ہے صداقت کو غالب اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ باوجود

غلبۂ ظلمت سے کبھی نہ کبھی سطح پر آجاتی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کبھی نہ کبھی خود کو دہراتی ہے ایسے ہی یہ بھی کہا جائے گا کہ صداقت بھی کبھی نہ کبھی تہِ ظلمت میں سے جلوہ کناں ہوتی ہے۔

ہر مذہب بخصوص وہ مذہب جو بعد میں آتا ہے یہ چاہتا ہے کہ پہلے مذاہب اُس سے تطبیق کی ٹھہرائیں اور یہ دیکھیں کہ وہ پہلوں سے کیا کچھ نسبت رکھتا ہے جیسے کہ سب سے پیچھے آنے والے مذہب اسلام نے کُھلے کُھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے۔

تعالوا الیٰ حکمۃٍ واحدۃٍ

اس فقرۂ قرآن سے بھی یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ منشاء اس کا یہی ہے کہ اُس صداقت کی تلاش میں ہو کر اُس کا خیر مقدم کرو جو شروع میں ہی انسان کے حصّے میں رکھی گئی ہے اور جس پر تمام مذاہب کا مدار ہے اور جو گویا مذاہب کا لب لباب اور عنصر اعظم ہے۔

بوئے تو ز بوئے گُل شناسد
آن را کہ دماغ بو شناس است

سلطان احمد

مزار غالب

فنڈ کی امداد کے لیے ہم اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالہ "تمدّن" کی نو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۴۰ فیصدی ہم اس فنڈ میں دیدینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۴/ اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۴/ ہے۔

المشتہر منیجر رسالہ تمدّن نیل جھاؤ لال لکھنؤ

بحرِ خیال کی لہریں

۱۔ صناع عالم نے اس جہان کو بھی ایک عجیب مجموعہ عجائبات بنایا ہے۔ اور اسمیں اپنی صناعی کے عجیب عجیب حیرت انگیز کرشمہ دکھائے ہیں۔ لیکن ہر ایک دل ایسا نہیں جو ان عجائبات کو دیکھکر ضرور متحیر ہی ہو۔ اور وہ کرشمے ایسی چیز ہی نہیں جنھیں وہ خواہ مخواہ نگاہ تعجب ہی سے دیکھے۔ ایک بہت بڑی تعداد بندگان خدا کی اس حیرت زا عالم میں پیدا ہوتی ہے اور اپنی قید زندگی کے دن کاٹ کر عدم کو روانہ ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ ان تمام اشیار کو کسی نگاہ تعمق سے دیکھے۔ اور ان سے کسی قسم کا سبق حاصل کرے۔

۲۔ کون ایسا شخص ہوگا جس نے کبھی دریا اور اُس کی روانگی کو نہ دیکھا ہوگا لیکن وہی دریا ہے جو حقیقتہً ایک ہی چیز ہے مگر ہر دیکھنے والا اس سے ایک مختلف طریقہ سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسکے قریب سے گذرتا ہے اور اس پہ ایک چھچلتی نگاہ بھی ڈال دیتا ہے۔ اس کے دماغ میں فوراً کسی نہ کسی طرح کے خیالات کا دریا ضرور موج زن ہونے لگتا ہے۔ اگر کوئی پیاسا آنکلتا ہے تو اپنے پیاس ہی بجھانے کی سبیل سوچنے لگتا ہے۔ اگر کوئی تھکا ماندہ مسافر آجاتا ہے تو دریا کا منظر دیکھتے ہی اس کے پژمردہ دل میں ٹھنڈک سی پڑجاتی ہے۔ اگر کوئی راہ رو اُدھر سے گذرتا ہے تو کم سے کم اس کو یہ سوچ کر بڑی راحت ہوتی ہے کہ منزل مقصود یہاں سے اب اتنے فاصلہ پر ہے۔ اور یہ خیال بہت سے ان شکوک کو جو فاصلہ کے غیر معین ہونے سے اس کے دل میں ہیجان

برپا کیے ہوئے تھے رفع کر دیتا ہے لیکن بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنکے دلوں پر اس کا اثر کسی ناصح کی نصیحتوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور اس کی بے زبانی سے وہ سبق حاصل ہوتا ہے جو ہزار ہا زبان والے برسوں میں نہیں دیسکتے۔

دریا یہ نہیں کہتا کہ تم متلون مزاج ہو۔ استقلال اور صبر سیکھو۔ بلکہ وہ اپنے صبر اور استقلال کی ایسی بین مثال پیش کرتا ہے کہ انسان بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ دریا منبر پر بیٹھ کر وعظ نہیں سُناتا کہ مشکلات سے ڈرانا سخت کمزوری ہے۔ بلکہ وہ اپنی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھو میں اگر پہاڑوں کو پہاڑ سمجھتا اور پتھریلی زمین کی سختیوں سے ڈرتا تو آج کاہے کو اس سبزہ زار میں بہ کر اپنی برق شمائل لہروں سے نیلے آسمان کے زیور کہکشاں کو شرمندہ کرتا۔ دریا دن میں دس مرتبہ وقت کی قدر کرنا سکھا کر وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ نہایت آہستگی سے گوش عقل میں یہ کہہ دیتا ہے کہ وقت کی رفتار بالکل میری ایسی ہے۔ اور جس طرح میں ہر وقت سمندر میں گر کر اپنی ہستی کو مٹا رہا ہوں۔ اسی طرح یہ عزیز وقت جو تمھارے لیے مجھ سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے بحر عدم میں داخل ہو کر تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہے۔ دریا زندگی کے مصائب بیان کر کے انسان کے رولا دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی زندگی کا نقشہ دکھا کر کہتا ہے کہ دیکھو مجھے ہمیشہ باد مخالف کے تند جھونکوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر ہر قدم پر ہزار ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ میری رفتار پر کوئی بڑا اثر پیدا نہیں کرتیں۔ بجاے اس کے جس قدر رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اسی قدر مجھ میں تیزی آتی جاتی ہے۔ دریا آئینۂ خاطر کے صاف رکھنے کا سبق کچھ دقیق الفاظ اور بے معنی نصیحتوں سے نہیں دیتا۔ وہ اپنا پاک سینہ

آپ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کو ایک لمحہ بھی کسی قسم کے خس و خاشاک سے مکدر کرنا اسے گوارا نہیں۔ اور ہر وقت ان کے دفع کر دینے کی کوشش میں سرگرم رہتا ہے۔

وہ مخلوق خدا کی دل سے قدر کرنے والا بندہ جس کے لیے ہر خوبصورت شے اور ہر حسین صورت ایک عجیب دلکش اثر رکھتی ہے۔ اور جو خدا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھ کے کفران نعمت کرنا نہیں چاہتا۔ جب حضرت ناصح کی باتوں سے گھبرا اُٹھتا ہے تو کنارہ دریا میں ہمدردی اور تسکین کی اُمیدیں دل میں لیے ہوئے آکر دم لیتا ہے۔ اور کنارے پر پہنچتے ہی حسب اُمید دریا اس کے استقبال کو بڑھتا ہے اور آہستہ آہستہ ہوا کے ٹھنڈے جھوکوں سے اس کے چہرہ سے رنج و پریشانی کے آثار۔ اور دل سے گرد ملال اور تپش غم کی گرمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب وہ غریب ان اٹکھیلیوں سے گھبرا اُٹھتا ہے اور صحرانوردی کی دُھن اس کے منتشر دماغ میں سماتی ہے۔ اس وقت دریا اس کے سامنے اپنے تمام راز دل کا دفتر کھول دیتا ہے۔ اور راہِ محبت کے چھالے، قلب کی ناقابلِ سکون بیتابی اور ہزار ہا جگر کے ناسور، دکھا کر اپنے صبر کی داد خواہی کرتا ہے۔ اور جادۂ محبت کے طے کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ یہ منظر دیکھکر اس کا دل بھر آتا ہے اور عرصہ تک اپنا خونِ دل آنسوؤں کی شکل میں بہا کر دریا کا ساتھ دیتا ہے۔ اور بالآخر اپنے اس ہمدرد سے رخصت ہو کر ایک نہایت مضبوط دل کے ساتھ دُنیا کے مصائب برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

سید علی ظہیر۔ بی۔ اے۔

تذکرۃ الاولیا مصنفہ عطار پر ایک نظر

خواجہ فرید الدین عطار اکابر صوفیہ سے ہیں ۵۱۳ھ میں بمقام کدگن پیدا ہوئے اور ۶۲۷ھ میں بمقام نیشاپور کسی نامعلوم تاتاری کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ عطار کی دوکان کرتے تھے اور شاید اسی مناسبت سے عطار تخلص کیا تھا۔ آپ طبیب بھی تھے اور آپ کا مطب مرجع مریضان تھا۔ آپ کے مذہب فقر و تصوف اختیار کرنے کا ایک عجیب قصہ بیان کیا جاتا ہے ایک دفعہ آپ دوکان میں بیٹھے تھے کہ ایک فقیر آیا اور دوکان کی آرائش و سجاوٹ کو غور سے دیکھنے لگا آپ نے کہا کیوں وقت ضائع کر رہے ہو اپنا رستہ لو۔ اُس نے کہا مجھے جاتے کیا دیر لگتی ہے تم اپنی فکر کرو۔ یہ کہہ کر وہ زمین پر لیٹ گیا۔ آپ نے نزدیک جاکر دیکھا تو تمام ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ نے کھڑے کھڑے دوکان لٹا دی۔ اور دنیا سے کنارہ کیا۔

آپ کی جلالت شان و رفعت مدارج ذیل کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پس سنائی و عطار آمدیم
نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار شد مست

آپ نے مولانا روم کو بچپن میں دعا دی تھی اور کہا جاتا ہے کہ مثنوی شریف جناب عطار کی منطق الطیر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔ آپ کے عین حیات میں فتنۂ تاتار کی ابتدا ہو گئی تھی اور آپ بھی اسی مسلمان کُش فتنہ کے

شہید ہیں۔

تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ میں اس کا سبب تالیف یہ بتایا گیا ہے کہ بزرگوں کے کلام کو جمع کیا جائے اور بزرگوں کے کلام کے پڑھنے اور سُننے کے فائدے تحریر کیے ہیں۔ یہاں کلام سے مراد اقوال ہیں۔ اس کتاب میں ۹۶ بزرگوں کا کلام جمع کیا ہے اور ضمناً کہیں کہیں مختصر حالات بھی لکھدیے ہیں۔ مگر اکثر بزرگوں کے سنین ولادت و وفات بھی درج ہیں۔ بعض حکایات سے ان بزرگوں کے سوانحات عمری پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور ان بزرگوں کی زندگی کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے۔ کلام صوفیانہ ہے مشتمل بر مذمت دنیا و مدح ترک دنیا۔

کُل ۹۶ بزرگوں کے اقوال جمع کیے ہیں ان ۹۶ بزرگوں کی بہ حیثیت قوم و وطن حسب ذیل تقسیم ہو سکتی ہے

عرب =	۸
عراق عرب =	۳۱
ایران =	۴۷
شام =	۵
مغرب و مصر =	۵
	۹۶

حضرت امام جعفر صادقؒ خالص عرب
" ابو حازم مکی رح حسب ذیل بزرگ
" اویس قرنی رح ہیں

حضرت امام شافعیؒ
" خواجہ محمدؒ
" عمر بن عثمان مکیؒ
" ابوبکر کستانیؒ

عراقی بزرگوں میں بھی عربی الاصل بہت کم ہیں۔
ان بزرگوں کا حصۂ کثیر غیر عرب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانے کے عربوں میں مذہب فقر نے اچھی طرح رواج نہ پایا تھا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ عرب چونکہ اس زمانہ میں حکمراں قوم تھی بالطبع مذہب فقر کو پسند نہ کرسکتی تھی مذہب فقر کی اول شرط ہے ترک تعلقات دنیاوی حتی الامکان اور حکومت حاوی ہے کل تعلقات دُنیا پر۔ یا یہ ہوسکتی ہے کہ عربوں نے مذہب فقر کو اسلام سے مانوس نہ پایا۔ عرب اول مسلمان ہیں اور اول داعی اسلام۔ سچے اسلام کو کوئی دوسری قوم ان سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔

ان ۹۶ بزرگوں میں بعض ایسے ہیں جن کا کسی سے بیعت ہونا ثابت نہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد حنبلؒ۔ عبد اللہ بن مبارکؒ سفیان ثوریؒ ابراہیم ادہمؒ رابعہ بصریؒ وغیرہ۔ جناب عطار نے ان حضرات کی بڑی تعریف کی ہے اور تصوف میں کامل اکمل بتلایا ہے۔
اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جناب عطار مذہب فقر و تصوف کے لیے باقاعدہ ارادت ضروری نہیں جانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کو لکھا ہے کہ بلخ کے بادشاہ تھے اور بادشاہت ترک کرکے فقیری اختیار کی۔ یہ واقعہ مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ ہمعصر تھے امام ابوحنیفہؒ اور خلیفہ معتصم کے۔

	ولادت	وفات
امام ابوحنیفہؒ	۸۰	۱۵۰
خلیفہ معتصمؒ	۱۸۰	۲۲۷

جلوس ۲۱۸

عہد خلافت بنی عباس میں اول اول تین خاندان صوبجات میں خودمختار ہوئے۔

پہلا خاندان آل طاہر ۲۰۵ سے ۵۹ ۲تک ان کا مورث اعلےٰ طاہر ذوالیمینین مامون کے وقت میں خراسان کا عامل مقرر ہوا

دوسرا خاندان۔ صفاریہ ۲۵۹ سے ۲۹۰ تک۔ بانی یعقوب بن لیث صفاری۔

تیسرا خاندان آل سامان ۲۷۹ سے ۳۹۵ تک۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا کسی ایک خاندان سے ہونا ثابت نہیں پھر معلوم نہیں بلخ میں کون سا سلطان خاندان حکمراں رہا جس کے آپ رکن تھے

جناب عطار کے زمانہ تک صوفیوں میں فرقہ بندی نہ شروع ہوئی تھی یعنے صوفی خود کو کسی سے منسوب نہ کرتے تھے جیسے آجکل کہ کوئی چشتی ہے کوئی قادری وغیرہ وغیرہ۔

صدر اول میں تو اس کا خیال تک نہ تھا۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ

اس زمانہ میں شخصی عظمت کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور انسانی روح کی بزرگی برقرار تھی۔

بزرگوں کی قبروں کی نگہداشت کا خیال نہ پیدا ہوا تھا اور نہ عرسوں کی بنیاد پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کا اب پتہ بھی نہیں ہے

صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانہ میں گانا بجانا مذموم سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مندرجۂ ذیل حکایات سے ظاہر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک شب گورستان سے آتے تھے ایک نوجوان جو بسطام کے بزرگ زادوں سے تھا طنبورہ بجاتا آرہا تھا جب آپ کے قریب ہوا تو آپ نے لاحول پڑھی نوجوان نے طنبورہ اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کو بطور نصیحت کے فرمایا کہ ہرگز راگ گانا مت سنیو اگرچہ تو مردوں میں مردانگی کا درجہ رکھتا ہو اس لیے کہ آفت سے خالی نہیں اور آخر کار اپنا اثر پیدا کرتا ہے

حضرت رابعہ بصری پہلے گاتی بجاتی تھیں اور پھر توبہ کی۔

ان ۹۶ بزرگوں کا ایک معتدبہ حصہ سماع نہیں سنا کرتا تھا مثلاً

حضرت حسن بصریؒ	حضرت بایزید بسطامیؒ
حضرت رابعہ بصریؒ	حضرت سہل تستریؒ
حضرت فضیل عیاضؒ	حضرت معروف کرخیؒ
حضرت ابراہیم ادہمؒ	حضرت سری سقطیؒ
حضرت ذوالنون مصریؒ	حضرت شجاع کرمانیؒ

حضرت جُنید رح	حضرت حسین بن منصور حلاّج رح
حضرت محمد علی حکم الترمذی	حضرت شبلی رح

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا رواج بہت پیچھے چل کر ہوا ہے۔ اس کی تاریخ بڑی دلچسپ ہوگی کہ سماع کس طرح صوفیوں کے نزدیک داخل عبادت ہوگیا۔

بہت سے بزرگ مجرد رہے مثلاً ذوالنون مصری رح۔ بایزید رح۔ سہل رح۔ معروف رح سری رح۔ شبلی رح وغیرہ

گویا خیر القرون سے ملے ہوئے زمانہ ہی میں رہبانیت کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور سُنت کے خلاف عمل شروع ہوگیا تھا۔

ہر کس و ناکس کو مرید نہیں کیا جاتا تھا بلکہ بیعت لینے کے آگے ایک عرصۂ دراز تک آزمائش کی جاتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تصوف کا صلائے عام ہر کس و ناکس کے لیے نہ تھا۔

جناب عطار نے اپنی کتاب کے ماخذ نہیں بتلائے اور نہ انتخاب کلام کا طریقہ بتلایا۔ ائمۂ مجتہدین اربعہ میں سے امام مالک رح کا ذکر نہ کیا اور کیوں نہ کیا وجہ نہ بتلائی۔ اور ائمۂ محدثین میں سے امام بخاری امام مسلم و بقیہ صاحبان صحاح ستہ کا ذکر نہیں کیا شاید جناب عطار کو ان کا صوفیانہ کلام ملا نہیں۔ مگر سخت تعجب ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رح کا بھی ذکر نہیں حالانکہ جناب عطار نے یہ کتاب شیخ کی وفات کے بعد ہی لکھی ہے۔

شیخ کی ولادت ۴۷۱ھ اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ شیخ کی وفات کے وقت جناب عطار کی عمر ۸۴ سال کی تھی۔ کتاب تذکرۃ الاولیا غالباً جناب عطار کی اخیر عمر کی تصنیف ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رح بقول ان کے تذکرہ نویسوں کے اپنی حین حیات ہی میں محی الدین مشہور ہو گئے تھے اور آنجناب کوئی غیر معروف شہر میں بھی نہ تھے بلکہ بغداد میں تھے جو اُس زمانہ میں اسلام کا مذہبی علمی تمدنی اور سیاسی مرکز تھا۔ اور شیخ کی کتابیں فتوح الغیب وغیرہ متداول و ساری ہو چکی تھیں۔ اس لیے بہت تعجب ہے کہ جناب عطار نے شیخ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

عزیز نظامی

غزل ظرافت

قبر کی محمل میں بی لیلا جو پنہاں ہوگئیں ۔۔۔ آرزوئیں قیس کی غول بیاباں ہوگئیں

باعث آبادیِ گور غریباں ہوگئیں ۔۔۔ بستیوں میں جب پلیگ آیا تو ویراں ہوگئیں

آہ کی ضربیں مری رحمت کا ساماں ہوگئیں ۔۔۔ مشکلیں اتنی پڑیں آخر کہ آساں ہوگئیں

عشق کا جادو بنا دیتا ہے ماداؤں کو نر ۔۔۔ دل میں جتنی آرزوئیں تھیں سب ارماں ہوگئیں

جوشِ وحشت میں بہت تنبیہ کرتی ہیں اُسے ۔۔۔ اتنو لیلا کی ادائیں قیس کی ماں ہوگئیں

اب وہ ہرگز کھا نہیں سکتا زمانے کی ہوا ۔۔۔ ہچکیاں حلقِ مریضِ غم کی درباں ہوگئیں

اسقدر پھیلی پریشانی کہ دامن بن گئی ۔۔۔ سختیوں نے یوں گلا گھوٹا گریباں ہوگئیں

قحط کا مارا اخر معشوق ہی کے سر گیا ۔۔۔ کال کی ماری ہوی زلفیں پریشاں ہوگئیں

اسقدر پھیلا دہن تیرا کہ گھونگا بن گیا ۔۔۔ اسقدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ٹیاں ہوگئیں

یاد ایا ہے کہ اُن زلفوں میں اُلجھے تھے ظریف
اتنو تارِ عنکبوت طاقِ نسیاں ہوگئیں

اسیر قفس کا نالۂ غم

نظر سے دیکھا ہے جلتے جو آشیاں صیاد
مثال درد جگر سے اُٹھا دھواں صیاد

نظر میں پھرتا ہے ابتک وہی سماں صیاد
کیا تھا جب مرا برباد آشیاں صیاد

اسیر تازہ ہوں کیونکر قفس میں چین آئے
مری رگوں میں جنوں ہے ابھی نہاں صیاد

فریب حسن خدا جانے کیا غضب ڈھائے
ہوا ہے پھر مری حالت پہ مہرباں صیاد

میں ایک جان حزیں اور سینکڑوں دشمن
نسیم۔ درد جگر۔ برق۔ آسماں۔ صیاد

مرے قفس کو چمن ہی میں رکھ خدا کے لیے
کہ چند روز کا ہوں اور میہماں صیاد

چھٹا ہے جب سے نشیمن ہوں خانماں برباد
کبھی رہا نہ گھڑی بھر بھی شادماں صیاد

وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی
جہاں گیا وہیں اک دام تھا نہاں صیاد

چمن تو چھوٹ گیا کیوں قفس چھڑاتا ہے
خدا کے واسطے رہنے دے اب یہاں صیاد

اسیر ہی مجھے جب کر لیا تو پھر کیا ہے
قفس ہو صحن چمن ہو کہ آشیاں صیاد

جگر میں۔ سینے میں۔ پہلو میں۔ دل میں اور ظالم
نہ پوچھ درد رہا ہے کہاں کہاں صیاد

جو ذبح کرتا ہے بازو ہی کھول دے میرے
کہ وقت نزع تڑپ لوں میں نیمجاں صیاد

دعائیں دوں گا کہ مظلوم ہوں خدا کے لیے
دکھا دے ایک نظر اور آشیاں صیاد

نہ صفدر چین قفس میں نہ آشیاں میں ملا
وہاں تھی دشمن جاں برق اور یہاں صیاد

سید صفدر رضوی

رباعی

برسوں کے سفر کیے زمانا دیکھا
ہر ملک کی سرزمیں کا نقشا دیکھا

جب میں نے کہا دل میں کہ دنیا دیکھی
ذروں سے صدا آئی ابھی کیا دیکھا

مجنوں سہوانی

شباب

گرچہ پیرم تو شبے تنگ درآغوشم گیر
کہ سحر گہ ز کنار تو جواں برخیزم

"ناظرین فلسفۂ اجتماع و فلسفۂ جذبات کی اذیت آفرینی اور پیرانہ اثری سے تنگ آکر اک جدید فلسفہ حسن و شباب کے متمنی ہوں گی - جو ایک طرف تو لطافت و رنگینی کا معلم اور دوسری طرف تقشف و افسردگی کا دشمن ہو ہم کو مصنف فلسفۂ جذبات سے صرف یہ شکایت ہے کہ انھوں نے جذبات جیسے زندہ - لطیف اور غیر محدود خیال کو ضبط تحریر اور معرض انضباط میں لانے کی کوشش کی ہے اور شمشیر منطق سے گلا گھونٹ کر نظام فلسفہ میں دفن کرنا چاہا ہے - یہ نہ سمجھے کہ یہ نخل شیریں فضائے عقلیات میں کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی نشو و نما کے لیے سرزمین جمالیات کے آب و ہوا کی ضرورت تھی - اب جبکہ مصنف موصوف کی شادی ہو چکی ہے - ہم کو امید ہے کہ جدید فلسفۂ شباب کی روشنی میں موضوع جذبات پر وہ دوبارہ قلم اٹھائیں گے اور ناظرین کے دماغ سے وہ اثر پژمردگی دور کر دیں گے جو فلسفیت کا لازمی نتیجہ ہے"

ایک مصور اپنے تصویر خانہ میں بیٹھا ہوا ایک دلکش تصویر کے نظارہ میں مصروف ہے - کمرہ قالین ایرانی سے مزین اور گلہائے رنگا رنگ کی خوشبو سے معطر ہے - ہنگام بہار ساحل بحر عرب - اور عالم تنہائی تحریک تخیل کے بہترین معاون ہیں - مرکز نظام شمسی وسط فلک پر ضیا پاش ہے - اک سکوت گراں

طاری ہے - اور صرف ایک یکہ و تنہا آواز یعنی خروش عصا فیراس خموشی مطلق کو توڑ رہی ہے - کمرہ کے آگے ایک چمن ہے - درختان گلاب کی شاخہائے لرزاں کو دیکھکر یہ حیرت ہوتی ہے کہ حسن شعلہ آسا کے بار کی حامل وہ کیونکر ہوتی ہیں کھڑکیوں کے پردہ ہائے ریشمیں پر تیتری کے پرواز کا عکس ان مصوران جاپان کی یاد کو تازہ کرتا ہے جو اپنے فن غیر محرک کے توسط سے سرعت و حرکت کا اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں مصور کی چشم خنداں کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر اسکے لیے اک وحی ہے جو افلاک سے ابھی اتری ہے - یہی تصویر اس کے ہر تصور کو صورت عمل سے آراستہ اور اسکے ہر خواب کو جامۂ حقیقت سے مزین کرتی ہے - تصویر کیسی ہے - محویت افزا صبر ربا - عناصر محبت کی ترکیب - حیرت انگیز دلاویزی کا نمونہ - اور بہترین تناسب جسمانی کا پیکر ہے -

ادہم آتا ہے اور مصور کو یوں مخاطب کرتا ہے -

ہارون - یہ کس کی تصویر ہے "

ہارون " میں اس کا نام ہرگز نہ بتاؤں گی - کیونکہ میرا اصول ہے کہ میں جس چیز کو پسند کرتا ہوں اسکو کسی پر ظاہر نہیں کرتا - میں جب کبھی دیہاتی زندگی کا لطف اٹھانے کے لیے شہر سے باہر جاتا ہوں تو گھر میں کسی سے کہکر نہیں جاتا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں نے ظاہر کیا کہ میرا لطف سفر کم ہو گیا

ادھم - اخفا پسندی راز شادمانی ہے - زندگی جدید کی دلاویزی اسی پر مبنی ہے "

ادہم " شاید تم بھول گئے کہ میری شادی ہو چکی ورنہ اس موضوع پر میری سمع خراشی نہ کرتے - کیا شادی سے بہتر تمہارے دعوے کے ثبوت کی کوئی اور مثال مل سکتی ہے - بیوی اسی لیے تو دلچسپ ہوتی ہے کہ راز آشنا اور

اخفا پسند طبیعت رکھتی ہے۔ اچھا بتاؤ تو اس تصویر کا نام کیا ہے"

ہارون "میں نشاط کا نام ہرگز نہ بتاؤں گا"

ادہم "اچھا اس کا نام نشاط ہے"

دوران گفتگو میں نشاط آ جاتا ہے۔ مصور متحیر ہو کر اپنے دوست سے نشاط کا تعارف کراتا ہے۔

"آپ میرے دوست مسٹر ادہم اور آپ مسٹر نشاط"

ادہم اپنے تئیں ایک جدید فلسفۂ مسرت کا بانی سمجھتا ہے اور ایک ایسی عجوبہ اور نادر شخصیت کی تلاش میں ہے جس پر اپنے فلسفۂ خیالی کا عملی تجربہ کر سکے۔ نشاط سے ملاقات ہونی تھی کہ دفعتاً اسکے دل میں لذت حُسن اور شباب پر لکچر دینے کا خیال موجزن ہوا۔

نشاط ایک ہیژدہ سالہ جوان معصوم ہے۔ لذائذ دنیوی سے مطلقاً بے بہرہ اور مکروہات عالم سے بالکل ناآشنا۔ مصور کی صحبت کا اثر اس کی اخلاقی زندگی پر نہایت اچھا پڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہارون در پردہ نشاط کی پرستش کرتا ہے۔ لیکن یہ پرستش خواہش نفس کی آسودگی کے واسطے نہ تھی بلکہ فن مصوری کی تکمیل کے لیے۔ کیونکہ وہ نشاط کو وحی مجسم اور اپنے فن کی قوت عامل سمجھتا تھا۔

ادہم "مسٹر نشاط کل مسز جانا آپ کا ذکر کرتی تھیں اور آپ کے خصائل حمیدہ کی از حد تعریف کرتی تھیں"

نشاط "مسز جانا درست ہے میں نہایت شرمندہ ہوں میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہم دونوں ساتھ یتیم خانہ چلیں گے لیکن افسوس ہے کہ اب وقت گذر گیا"

ادہم "یہ نقص اگر نہ ہوتو دنیا سے لطف انفعال جاتا رہے قطع نظر اس کے

آپ تو اسقدر دلکش ہیں کہ صعوبات زندگی سے آپ کو ہمدردی ناممکن ہے" تبسم عاشقانہ
خیال کیونکر پیدا ہوا"

ہارون- نشاط میں تم کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ادہم کی باتوں کا اثر میرے سوا اسکے سامعین پر نہایت بُرا پڑتا ہے"

نشاط کو ادہم ایک غیر معمولی شخصیت کا انسان نظر آتا ہے اسکی باتوں میں عجیب دلکشی ہے -

نشاط" مسٹر ادہم کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کی گفتگو کا اثر سامعین پر بُرا پڑتا ہے"

ادہم" اس دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جسکو اثر نیک کہتے ہوں سائنس کے نقطۂ خیال سے دیکھا جاے تو ہر اثر بد ہے"

نشاط" میں سمجھا نہیں اپنے دعوے کو ذرا اور واضح کیجیے"

ادہم- کسی پر اثر ڈالنے کے معنے یہ ہیں کہ اپنے نفس کو دوسرے کے نفس پر غالب اور اس کی قوت ارادی کو مسخر کیا جاے - وہ شخص جس میں اثر پذیری بہت ہے - جذبات فطری نہیں رکھتا - اسکے خیالات ذاتی خیالات نہیں ہوتے - اس کے محاسن حقیقی محاسن نہیں - اس کے معاصی (اگر دنیا میں ایسی بھی کوئی چیز ہے جس کو معاصی کہتے ہیں) یہ بھی مستعار ہوتے ہیں - وہ شخص دوسروں کے نغمکی آواز بازگشت اور دوسروں کے پارٹ کا ایکٹر ہے مقصد زندگی ترقی نفس ہے - حصول حیات ماحصل آفرینش ہے لیکن حیرت یہ ہے کہ لوگ آجکل خود اپنے سے خائف ہیں - فرض اولیں یعنی فرض نفس کو بھولے بیٹھے ہیں - اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ صاحب بذل و سخا ہیں - بھوکوں کو کھانا اور فقیروں کو کپڑے دیتے ہیں - لیکن حیف ہے ایسی سخاوت پر جبکہ خود اپنے نفس کی عریانی اور فاقہ مستی کا خیال نہیں - ہمت و مردی ہماری قوم سے

جاتی رہی۔ شاید ہم میں کبھی تھی ہی نہیں۔ خوف سوسائٹی جو بنیاد اخلاق ہے
خوف خدا جو بنیاد مذہب ہے۔ یہی دو چیزیں ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں۔ اور پھر بھی
میرا تو ایمان ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی کو بہ تمام و کمال بسر کرنا چاہیں۔ ہر جذبہ کو
شکل۔ ہر خیال کو اظہار اور ہر خواب کو حقیقت سے مبدل کر دیں تو اس دنیا کہن کو
وہ تازہ اور جدید لطف شادمانی حاصل ہو کہ قرون وسطے کی تکالیف فراموش
ہو جائیں۔ ہمارا مطمح نظر نصب العین یونانی سے بھی زیادہ بلند اور لطیف تر
ہو جائے اور ہم حافظ شیراز کے ہمزبان ہو کر اک نئے عالم عشرت کے متلاشی ہوں

(شعر) بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہم میں سے شجاع ترین انسان بھی خود اپنے ہی نفس سے
خائف اور اسی کو توڑنے اور زیر کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ نفس کشی اور
مجاہدہ جس نے ہماری زندگی کو تباہ کر رکھا ہے۔ وحشیان قدیم کی آزار پسندی کا
ایک مہذب بقیہ ماندہ ہے۔ ہم کو ہمارے منفیانہ طریق عمل کی سزا ملتی ہے۔ ہر خواہش
جو پوری نہیں ہونے پاتی دماغ میں جاگزین ہو کر سمیت پیدا کرتی ہے۔ گناہ
کرتے ہی جسم پاک صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فعل خود اک عمل تزکیہ ہے۔ پھر
ایک لذت یا افسوس کی یاد کے سوا اور کچھ نہیں باقی رہتا خواہشات پر غالب
آنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان سے مغلوب ہو جاؤ۔ مدافعت کی کہ تمہارا دل
اشیاء ممنوعہ کے حصول اور امور ناجائز کے جواز کی تمنا میں مریض ہوا۔ مسٹر لشہ
تم نے اپنے شباب گلگوں کے زمانہ میں بہت سی امنگیں محسوس کی ہونگی جن سے
تم ڈر گئے ہوگے۔ تمہارے دل میں بہت سے خیالات آئے ہوں گے۔
جنھوں نے خوف پیدا کر دیا ہوگا۔ حالت بیداری و غیر بیداری میں تم نے

بہت سے خواب دیکھے ہوں گے جن کی محض یاد تمھارے عارض پر عرق انفعال لانے کے لیے کافی ہوگی۔

نشاط "بس مستراد ہم۔ بس۔ تم مجھکو حیرت زدہ کیے دیتے ہو۔ میں کچھ کہنے پر قادر نہیں ہوں۔ تمھاری باتوں کا کچھ جواب ضرور ہے لیکن مجھکو ملتا نہیں ہے اب کچھ نہ کہو مجھکو سوچنے دو بلکہ بہتر یہ ہے کہ میں کچھ نہ سوچوں۔"

نشاط طلسم الفاظ سے مسحور ہوکر بے اختیار ہو جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے "موسیقی نے البتہ مجھکو اس طور پر بیقرار کیا تھا۔ موسیقی نے اف مجھکو کئی بار ستایا تھا۔ لیکن موسیقی میں زبان نہ تھی۔ الفاظ محض الفاظ۔ کیا قیامت خیز کتنے صاف۔ پر شوکت اور ستم انگیز تھے۔ ان الفاظ میں اک لطیف جادو بھی تھا ان کا ترنم ترنم نے سے زیادہ شیریں تھا۔ کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی حقیقی چیز ہے جیسی الفاظ"

ہاں عالم طفلی میں اسکو بہت سے واقعات پیش آئے تھے جن کو وہ سمجھ نہ سکا تھا اب ان کو پوری طور پر سمجھتا ہے۔ زندگی اسکے لیے شعلہ رنگ ہوگئی ہے۔

ادہم اک سکوت آمیز تبسم کے ساتھ نشاط کو دیکھ رہا ہے اور دل ہی دل میں کہتا ہے "میں نے تو ایک تیر ہوا میں پھینکا تھا کیا وہ نشانہ پر پڑ گیا" اسکو اپنے الفاظ کے اثر نا گہانی پر ایک تحیر ہے

دوران تقریر میں مصور برابر نشاط کی تصویر کھینچنے میں مصروف رہا۔ وہ اس خموشی سے بالکل بیخبر تھا۔ تصویر کھنچکر تیار ہو گئی ہے اور مصور نشاط سے مخاطب ہوتا ہے۔

ہارون۔ نشاط تم نے اس سے اچھی تصویر آج تک نہیں کھنچوائی۔ تم بالکل بے حس و حرکت تھے۔ جو اثر میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا یعنی چشم مدہوش اور لب

نسیم وا۔ معلوم نہیں کہ ادہم تم سے کیا باتیں کرتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمھارے چہرہ پر اک حیرت انگیز کیفیت پیدا کر دی۔

نشاط۔ اب میں باہر جاتا ہوں مجھے گرمی معلوم ہوتی ہے

ادہم۔ دیکھنا تمھارے عارض شعاع آفتاب سے متاثر نہ ہو جائیں۔

نشاط۔ مجھ کو اس کی کیا پروا۔

ادہم۔ تم ہی کو تو اس کی پروا ہونی چاہیئے۔

نشاط۔ کیوں۔

ادہم۔ کیونکہ تمھارے پاس اک نادر اور حیرت انگیز شباب ہے اور شباب ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے۔ شباب ایک قسم کی شراب ہے جسکو ابر نیساں نے موسم بہار میں آغوش عنب میں پالا ہے۔ شعر۔

تاک را سیراب دار اے ابر نیساں در بہار   قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

نشاط۔ مسٹر ادہم میں تو یہ نہیں خیال کرتا۔

ادہم۔ نہیں، آج تم کو اسکا خیال نہ ہوگا لیکن ایک دن وہ آئے گا جب کہ تم ضعیف اور بدمنظر ہو جاؤ گے جب کہ فکر تمھارے عارض انور پر گرہ ڈال دے گی۔ البتہ اس وقت تم اسکو محسوس کروگے اور نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ محسوس کروگے اسوقت تم جہاں کہیں جاتے ہو دنیا کو مسخر کر لیتے ہو۔ کیا یہ ہمیشہ رہے گا۔ مسٹر نشاط تم کو خدا نے اک حیرت آفریں حسن عطا کیا ہے حسن ایک قسم کی قوت اجتہادی بلکہ اس سے بھی بلند تر ہے حسن دنیا کے واقعات عظیمہ میں سے ہے۔ جیسے موسم بہار ضیاء آفتاب۔ یا بحر سیاہ میں ماہ سیمیں کا عکس سفید حسن تنقید سے مستغنی ہے۔ اسکو ازلی حق جہانبانی حاصل ہے صاحبان حسن شہزادگان عالم ہیں۔ تم ہنستے ہو۔ حسن کے ضائع ہونے کے بعد تم کو ہنسی نہ آئے گی۔ لوگ بعض اوقات کہتے ہیں کہ حسن محض اک سطحی چیز ہے ممکن ہے

یہ صحیح ہو۔ لیکن حسن اتنا سطحی تو ہرگز نہیں جتنی عقل ہے۔ میرے نزدیک حسن
عجائب العجائب ہے۔ وہ کم نظر ہیں جو صورت ظاہری سے اندازہ نہیں کرتے۔
دنیا کا حقیقی راز عالم نمایاں ہے نہ کہ عالم پنہان۔ ہاں مسٹر نشاط تمھارے ساتھ
خدا نے خاص مہربانیاں کی ہیں۔ تمھارے پاس صرف چند سال ہیں جس میں
تم کو تمامی حقیقی اور کامل زندگی بسر کرنا ہے۔ شباب کے ساتھ ہی تمھارا حسن
زائل ہو جائے گا اس وقت تم کو یکایک معلوم ہوگا کہ تمھاری فتوحات کا زمانہ
ختم ہوگیا۔ یا ان بے مایہ اور ذلیل خوشیوں پر قناعت کرنی پڑے گی جس کی
یاد ناکامیوں اور ہزیمتوں سے زیادہ تلخ ہوگی زمانہ تم پر رشک کرتا ہے اور
تمھارے لالہ و گلاب سے برسرپیکار ہے۔ تم زرد ہو جاؤ گے گالوں میں گڑھے
آنکھوں میں حلقے پڑ جائیں گے۔ تم کو سخت تکلیف ہوگی۔ مسٹر نشاط ساغر جوانی
کی شراب سے لطف اٹھاؤ۔ دولت عمر کو نہ ضائع ہونے دو۔ جمیع لطائف زندگی
سے لذت یاب ہو۔ صحبت ناجنس سے اجتناب۔ جہل۔ عامیانہ روی اور
پیش پا افتادگی سے احتراز کرو۔ کسی حظ کو غیر محسوس نہ چھوڑو۔ ہمیشہ نئی
احساسات کے متلاشی رہو۔ کسی چیز سے خوف زدہ مت ہو۔ اک جدید فلسفۂ
مسرت پرستی۔ ہماری صدی کو بس اسی کی ضرورت ہے تم اسکے پیکر نمایاں ہو جاؤ۔
مسٹر نشاط تم اپنی شخصیت کے سمیت دنیا میں کیا نہیں کر سکتے۔ دنیا ایک
موسم کے لیے تمھاری ہے میں جس وقت تم سے ملا۔ میں نے دیکھا کہ تم اپنی صلاحیتوں
سے بالکل بیخبر اور اپنے امکانات سے بالکل ناآشنا ہو۔ تم میں اسقدر دلاویزی تھی
کہ دفعۃً میرے دل میں یہ خیال ہو آیا کہ میں تم سے تمھارے متعلق کچھ نہ کچھ بتادوں
۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری خموشی مجھ کو ایک فرض کی انجام دہی سے قاصر رکھے گی
اور یہ کتنا المناک ہوگا اگر تم کہیں ضائع ہو گئے۔ کیونکہ وہ تازہ بہار شادمانی

جس کو شباب کہتے ہیں محض عارضی اور وقتی چیز ہے۔ معمولی صحرائی پھول مرجھا جاتے ہیں لیکن پھر کھلتے ہیں۔ لیبرنم ایک انگریزی پھول ہے آئندہ جون میں ایسی ہی شاداب پھر ہوگی جیسی کہ اسوقت ہے۔ لیکن افسوس شباب جاکر واپس نہیں آتا وہ نبض مسرت وشادمانی جو عنفوان شباب میں تیز رفتار تھی سُست پڑجاتی ہے۔ ہمارے اعضا کمزور۔ ہمارے حواس مختل اور ہماری صورتیں ہیبت ناک ہوجاتی ہیں۔ ہمارا دماغ ان خیالات گذشتہ کی یاد بیہم کا آماجگاہ اور ان ترغیبات لطیف اور ہوا وہوس شیریں کا نشانہ بن جاتا ہے جن سے عالم شباب میں ہم بیحد ڈرتے تھے اور جن کی اطاعت پذیری کی ہم میں ہمت نہ تھی۔ شباب۔ شباب۔ کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی چیز ہے جیسی شباب۔

بگرد میکدہ ہا گردم دمی یابم ازاں شراب کہ در ساغر جوانی بود

(آرٹسٹ)

طلوع فجر

بساطِ چرخ پہ چھٹکے ہیں جسقدر تارے جھپک رہے ہیں یہ سب چشم خواب کی صورت
نکلنے والا ہے خورشید صبح مشرق سے چھپا ئیگا وہ نہیں اب نقاب کی صورت

زمیں کے فرش پہ جو چاندنی ہے نور افشاں
یہ تھوڑی دیر میں ہوجائے گی نظر سے نہاں

قریب آہی گیا وقت رخصت شب کا ضیائے ماہِ منور بھی پڑگئی دھندلی
تمام شب جو کواکب رہے تھے بزم افروز اب آسمان پہ اُن کی چمک دمک نہ رہی

عروس لیل بدلنے کو ہے نیا جوڑا
وہ زرنگار۔ مرصع۔ وہ نور کا جوڑا

نمودِ خسروِ خاور کا وقت آ پہنچا — یہ کس ادا سے سرِ بامِ چرخ آتا ہے
اسی سے کسبِ ضیا شب کو کرتے ہیں انجم — اسی سے حسنِ قمر بھی فروغ پاتا ہے

فضائے دہر پہ ضوگستری اسی کی ہے
زمیں طلائی ہے یہ زرگری اسی کی ہے

گئی وہ رات جو بیمارِ غم پہ بھاری تھی — نسیم لائی یہ مژدہ کہ دن نکل آیا
مٹی سیاہی قسمت کی طرح ظلمتِ شب — نصیب جاگ اٹھے منہ سحر نے دکھلایا

جہاں میں روشنیِ آفتاب پھیل گئی
ہر ایک چیز پہ رونق سی آ گئی ہے نئی

شفق فلک پہ ہے یا خُم میں ہے شرابِ رحیق — یہ پوپھٹی کہ درِ میکدہ ہوا ہے باز
لیے ہے ہاتھ میں گردوں پیالۂ رنگیں — کہ رند رکھے ہے ساقی کے در پہ فرقِ نیاز

شعاعِ مہر سے نکلی کہ مے چھلکتی ہے
نگاہِ مست کی ہے نشہ میں بہکتی ہے

عروسِ مہر نے پہنی ہے لعل گوں پشواز — ٹکا ہے گھیر پہ لچکا شعاعِ زریں کا
چلی ہے صبح سے کیا بن سنور کے جانبِ غرب — اڑا لیا اس سے حسینوں نے رنگ تزئیں کا

خدا نے حسن کے سانچے میں اسکو ڈھالا ہے
مگر یہ حسن سرِ شام ڈھلنے والا ہے

نسیم چلتی ہے محوی جو سمتِ مغرب سے — چمن میں کرتی ہے اٹکھیلیاں بوقتِ سحر
شگوفے محوِ تبسم تو خندہ زن گل ہیں — لچک رہی ہیں جو شاخیں تو ہل رہے ہیں شجر

طیورِ باغ نکل آئے آشیانوں سے
تمام صحنِ چمن گونج اٹھا ترانوں سے

محوی لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ستمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

ہمیں افسوس ہے کہ خواجہ الیاس صاحب کا مضمون پچھلے پرچہ میں اس وجہ سے شائع نہ ہوسکا کہ وہ پرچہ مرتب ہو جانے کے بعد ہمیں ملا اور یہ تاخیر خواجہ صاحب کے سفر حیدرآباد کی وجہ سے ہوئی ایڈیٹر

ناظرین آپ واقف ہیں کہ میرے عزیز دوست مولانا آشفتہ اس مشاعرہ کے پانچ دور لکھ چکے ہیں جن کا تتمہ میں گذشتہ نمبر میں پیش کر چکا ہوں اب صرف دو دور باقی ہیں جس کے لیے چار نمبر کافی ہوں گے ہاں اگر تفکرات زمانہ نے مہلت دی تو شاید میں اسکو اور وسیع کرسکوں۔ آج میں چھٹے ہیرو کے حالات مع ایک تمہیدی مضمون کے پیش کرتا ہوں آیندہ نمبر میں اسکے کلام پر تنقیدی نظر ڈالوں گا۔ الیاس

میرا عقیدہ ہے کہ جملہ فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز فطرت کے تابع ہے اور اُس کا کمال نیچر کی موافقت میں مضمر ہے لیکن اس نیچرل توافق کے مراتب ہیں جو اشیا کی استعدادات کے مطابق قائم کیے جاتے ہیں جس چیز میں جتنی نیچرل استعداد موجود ہوتی ہے اُسیقدر افاضہ فطرت کا اسپر ہوتا رہتا ہے چنانچہ یہی باہمی تفاوت انکے حدود کمال کو یکے بعد دیگرے قائم کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جذبات انسانیہ جہاں تک کہ فطرت کے موافق ہوتے چلے جاتے ہیں انسان برابر معراج کمال پر پہنچتا جاتا ہے اور جسقدر دوری کہ انسانی جذبات کو فطرت سے ہوتی جاتی ہے اسیقدر وہ پستی کی طرف میلان کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آخر میں انسان کامل یا حیوان جاہل ہو کر رہ جاتا ہے یہی حال خاندانوں اور قوموں کا بھی ہے

وہی قوم زندہ کہی جاسکتی ہے کہ جو اصول فطرت کے تابع ہے اگر کوئی قوم عالمگیر سلطنت اور ہمہ گیر طاقت حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کو سب سے پہلے نیچر کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہیے جس طرح کوئی قوم سراپا فطرت ہونے کے بعد ایک زندہ اور متمدن قوم کہی جاسکتی ہے اُسی طرح ہر ایک فن فطری جذبات کا ذخیرہ جمع کرکے کامل اور مفید بن سکتا ہے خصوصاً ایسا فن کہ جس کو فطرت اور قدرتی جذبات انسانیہ سے کوئی نسبت قریبی اور گہرا تعلق ہو مثال کے طور پر ہمارے زیر نظر فن شاعری کو لیجیے کہ جو بالکل فطری جذبات کے تابع ہے اور ہر سرزمین میں خودرو طور پر پیدا ہوجایا کرتا ہے نہ اسکے لیے کسی معلم کی ضرورت ہے اور نہ کسی مواد کی حاجت ثبوت کے لیے عرب کے ابتدائی دور اور جاہلیت کے سارے زمانے کی تاریخ اُٹھا کر دیکھیے تو آپ کو آسمان شاعری پر نابغۂ ذبیانی اور امرءالقیس ایسے صدہا ستارے اپنی ہلکی اور تیز روشنی کے ساتھ چمکتے نظر آئیں گے۔ شاعری کو جسقدر ترقی اس سادے دور میں ہوئی کیا اُسکی نظیر ابتک کوئی قوم یا ملک پیش کرسکا ہے خود عرب ہی اُس دور کے بعد اُسکا جواب تو در کنار اُسکے برابر نیچرل شاعری نہ پیش کرسکے یورپ کو اپنی موجودہ نیچرل شاعری پر بہت ناز ہے (جو ایک حد تک بجا ہے) لیکن کیا یورپ کی موجودہ شاعری اُسوقت کی عربی شاعری کا جواب ہوسکتی ہے اس کا جواب منصف مزاج طبیعتیں خود دے سکتی ہیں میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کجا روزانہ پیش آنے والے واقعات کا جلد خوبیوں کے ساتھ قید نظم میں لانا اور کہاں نیچر کے عطا کیے ہوے ہزاروں آبشاروں یا کوہ اور درختوں کے مبالغہ آمیز اوصاف میں حد اعتدال سے بڑھ کر خواہ مخواہ بڑھتی ہوئی شاعری کو پیچھے دھکیل دینا۔ اُس زمانہ کی عربی شاعری کا بڑھتا ہوا سیلاب عربی مردوں ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ صدہا عربیہ عورتیں بھی ایسی گذری ہیں

کہ جنکی فصاحت و بلاغت کا شہرہ آج تک شاعری کی دنیا میں موجود ہے۔ بکثرت مرثیے اور گیت انھوں نے ایسے نظم کیے کہ جو آج تک بطور مثال یا نظیر کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو جب انھوں نے فطری جذبات میں فصاحت و بلاغت کے موتی اور آویزے پرو دئے تو سمجھدار اور پرکھنے والے پر انکی قدر دانی بھی ضروری اور لازمی ہوگئی۔ عربی شاعری کا وہ پہلا دور کہ جبکے مہر د آسمان شاعری پر سبع سیارہ ہو کر چمکے اور دنیاے شاعری کی ہفت اقلیم پر اپنا سکہ جما گئے آج کل پورے عروج پر ہے پانچ مشاعرے ختم ہو چکے اب نئے سال کے لیے چھٹے مشاعرے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سادے زمانہ میں نہ تو دعوتی کارڈ کی ضرورت ہے نہ قوافی و ردیف کی قید بلکہ عربوں کی بڑھتی ہوئی طبیعتیں خود اپنے لیے ردیف تجویز کر لیا کرتی ہیں اُن کا ہر شاعر اس دُھن میں ہے کہ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ میرے ہی قصیدہ کو ملے قصیدہ پر قصیدے نظم ہو رہے ہیں لیکن کوئی میزان شاعری پر پورا نہیں اُترتا۔ کسی کو اپنی تشبیب پر ناز ہے تو کوئی ساقی نامہ پر فخر کر رہا ہے ایک اپنے کلام کی سادگی پر نازاں ہے تو دوسرا استعارات پر داد طلب کرتا ہے غرض کہ اسی دُھن میں پورا سال گذر گیا اور وہ زمانہ بالکل قریب آگیا کہ جس میں کھرے کھوٹے کا تمیز ہونے والا ہے عکاظ کے بازار میں جہاں اور لوگ اپنے دیگر مشاغل میں مصروف ہیں وہاں ایک گروہ مشاعرہ کا اہتمام کر رہا ہے مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے محفل کو زینت دی جا رہی ہے مہربانی کے سامان مہیا ہو رہے ہیں۔ اطراف و جانب سے بڑے بڑے نامی گرامی شعراء آآ کر جمع ہو رہے ہیں اور ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ ابکی مشاعرہ میرے ہی ہاتھ رہے گا۔ مشاعرہ شروع ہوتا ہے اور یکے بعد دیگرے لوگ اپنا اپنا کلام پڑھکر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں اور حسب دستور

داد پاکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں کوئی معشوق کا سراپا اس انوکھے پن سے بیان کرتا ہے کہ شوقین مزاج طبیعتوں کو تڑپا دیتا ہے کوئی ہجر کی مصیبتوں کا خاکہ کھینچ کر ہجران نصیب عشاق کے دلوں کو برما دیتا ہے کہیں بنت العنب کی توصیف پر لوگ جھوم رہے ہیں تو کوئی گروہ اپنے نسب اور اپنی نبرد آزمائیوں پر فخر کر رہا ہے ایک آگ ہے جو مشاعرہ میں لگی ہوئی ہے کہ یکایک مشاعرہ کا رنگ بدلا اور شاعرانہ نازک خیالیاں ایک نجدی نوجوان کے قدموں پر نثار ہونے لگیں اس نے ایسا زبردست قصیدہ پڑھا کہ تمام مشاعرہ پر ایک سناٹا سا چھا گیا بڑے بڑے خوش فکر شعرا نے اپنے قصیدہ چاک کر ڈالے اور انکی بڑھتی ہوئی امیدوں کی دنیا اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار نظر آنے لگی چاروں طرف اس نوجوان کے متعلق سرگوشیاں ہونے لگیں ناواقف دریافت حال میں پڑ گئے اور واقف کار کیف شاعری میں مبہوت و بیخود ہو گئے۔ ہر طرف سے داد شاعری ملنے لگی اور فیصلہ کر دیا گیا کہ اس مشاعرہ کا سہرہ اسی نوجوان کے سر رہا غرض کہ سب کی سالہا سال کی امیدیں خاک میں رل گئیں اور خانۂ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ اسی منچلے شاعر کے قصیدہ نے پائی۔ ناظرین کرام! آپ اس منچلے اور نازک خیال شاعر کے حسب و نسب اور حالات سننے کے لیے بیقرار ہوں گے اب میں آپ کو انتظار کی زائد تکلیف نہیں دیتا اور بتائے دیتا ہوں کہ میرے اس مضمون کا ہیرو عنترہ بن شداد ابن معاویہ ابن قراد العبسی ہے۔ اسکے ابتدائی نسب کے روایات مختلف ہیں بعض اسکو معاویہ اور بعض عمر کا لڑکا لکھتے ہیں لیکن معتبر اور ممتاز روایت وہی ہے جسکا میں نے اوپر تذکرہ کیا اسکے اجداد میں عبس بن بغیض ایک شخص گذرا ہے جسکی طرف یہ منسوب ہے۔

الیاس قریشی۔ از حیدرآباد۔ ترپ بازار

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے اکتوبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

دیکھو اگر میرے جذب میں کچھ اثر ہے تو میں جلاؤں گی اور تمھیں جینا ہوگا اب روٹھ کے قبر کی گود میں سوتے ہو مگر وقت آرہا ہے کہ میں تمھیں ہوشیار کروں گی اُٹھا کر بٹھاؤں گی اور تمھیں میری خاطر سے اُٹھنا ہوگا۔ گھر سے نکلتی ہوں مگر آہ یہ میرے لیے شرم کی بات ہے میں ننگ خاندان ٹھہروں گی۔ لوگ مجھے بیحیا بتائیں گے۔ میں بے شرمی کے لیے مثال کے طور پر پیش کی جاؤنگی خاندان کی عزت پر میری وجہ سے حرف آئے گا مگر کیا کروں والدین تمھارے نام پر ساری عمر گھر میں نہ بٹھائیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی کہ میرا پلہ تمھارے بعد کسی دوسرے سے بندھے۔

ہاں اب مجھے جلدی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کوئی آجائے۔ یہ کہکر سلطان جہاں نے مردانے کپڑے زیب تن کیے سر کے بالوں کو عمامہ کے پیچوں میں چھپا دیا۔ کچھ نقدی لی اور ایک مرتبہ گھر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور روتی ہوئی کسی سمت چل دی۔

کھلبلی اور جستجو

رات کے گیارہ بجے تھے جو اکرام اللہ خاں حاضری کے کھانے سے فارغ ہو کر گھر آئے۔ کپڑے اُتارے ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ دونوں لڑکے مسین اور یامین بھی آگئے۔ اکرام اللہ خاں نے یامین سے کہا کہ جاؤ ڈیوڑھی اور سلطان جہاں کو بلا لاؤ۔ خبر نہیں اُسکا کیا حال ہے

صبح سے اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ یامین یہ سنتے ہی اوپر پہنچا کمرے میں گیا ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ آپا آپا کہکر دو چار مرتبہ آوازدی۔

وہاں کوئی ہوتا تو بولتا۔ آخر اُسی پریشانی کے عالم میں نیچے آیا اور کہنے لگا ابا جان آپا تو اوپر نہیں ہیں۔

اکرام اللہ خان۔ اوپر نہیں ہیں تو کہاں گئیں دیکھ اندر کسی کوٹھری میں ہونگی۔

یامین۔ (سب کوٹھریوں کو دیکھکر) یہاں سب جگہ دیکھ لیا کہیں پتہ نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ (غصہ سے) پھر کیا آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی (معین سے) تم دیکھو۔

معین نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر حقیقت میں سلطان جہاں کا پتہ نہ تھا آخر اُسے بھی وہی کہنا پڑا جو یامین نے کہا تھا۔

اب تو اکرام اللہ خاں کی سٹی گم ہوگئی ہوش جاتے رہے۔ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ یامین کو اصغر مرحوم کے مکان پر بھیجا کہ دیکھو شاید وہاں تو نہیں چلی گئیں۔ پھر خود کہنے لگے ابھی تو میں وہاں سے آرہا ہوں آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ چوری چھپے تلاش شروع کی اس پر بھی کنبہ رشتہ میں کچھ پتہ نہ چلا۔ تو معین کو دوڑایا کہ شہر کے گلی کوچوں میں دیکھ اسٹیشن پر مسافرخانہ میں تلاش کر ایک دیرینہ خادم خدابخش کو اصغر کی قبر پر بھیجا اور سمجھا دیا کہ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یامین نے جاتے ہی اپنی والدہ سے تذکرہ کیا۔ وہ سُنتے ہی ایک چیخ مار کے بیہوش ہوگئیں۔ بس پھر کیا تھا یہ خبر سارے گھر میں پھیل گئی اب ایک آتی ہے دوسری آتی ہے۔ غریب کو گھیر لیا ارے کیا ہوا تھا کیونکر غائب ہوگئیں کس وقت غائب ہوئیں۔ اُسے کچھ خبر ہو تو بتائے۔ گم سُم بیٹھا ہوا ماں کو ہوشیار کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کوئی

آدھ گھنٹے کے بعد یامین کی والدہ نور جہاں کو ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں اور "ہائے میری لڑکی" کہا اور پھر بیہوش ہوگئیں۔ ماتم میں یہ دوسرا ماتم بپا ہوگیا۔ ایک سرے سے سب عورتیں متعجب تھیں سلطان جہاں کے غائب ہونے پر سب کو حیرت تھی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اصغر کی محبت خالی خولی نہ تھی آخر رنگ لائی پر لائی۔ کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو نور جہاں کی حالت پر متاسف تھیں اور اُسکی ہمدردی کرنا چاہتی تھیں اور کثرت سے ایسی تھیں جنکا یہ خیال تھا کہ اب اپنے کیے کا خمیازہ بھرو۔ ممکن ہے نور جہاں برس میں دو برس میں سلطان جہاں کو بھول جائے کیونکہ ماشاءاللہ دوا ولادیں اور سامنے ہیں مگر غریب اصغر کی ماں کیونکر جیئے گی جس کی عمر بھر کی کمائی ایک ہی لعل ہو اور عین شباب میں موت اُسکے ہاتھوں سے چھین لے۔

اسوقت نور جہاں حد سے زیادہ پریشان ہے اُس نے جانے کے لیے ڈولی منگائی ہے مگر اصغر کی ماں اُسے برابر تسلی و دلاسہ دیے جاتی ہے کہ بہن گھبراؤ نہیں اللہ کے کرم پر بھروسہ رکھو وہ جامع المتفرقین ضرور تمھاری لڑکی تم سے ملادے گا۔ آہ! ایک وہ وقت تھا کہ اصغر کی ماں ازحد مایوس ہوکر اپنے لڑکے کے لیے بھیک مانگ رہی تھی اور یہ مغرورانہ لہجہ میں اُسکے سوال کو ٹھکرا رہی تھی آج وہ خود دل خستہ ہے مگر کیا انسانیت کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا جارہا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

نور جہاں اپنے گھر آئیں خاوند کو دیکھا تو عجیب حالت ہے غصہ سے چہرہ سرخ ہے آنکھیں لال ہیں ماتھے کی شکنیں چڑھی ہوئی ہیں واہی تباہی جو کچھ منھ میں آتا ہے کہہ رہے ہیں۔

میری عزت برباد کردی۔ میں تباہ ہوگیا۔ شہر میں کسی کو منھ دکھانے کی

صورت نہ رہی لوگ پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ ہائے خاندان کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ کاش یہ پیدا ہوتے ہی مرجاتی۔ بیوی نے سمجھایا۔ اے عقل کے ناخن لو۔ گھر میں بیٹھکر رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے تلاش کرو ڈھونڈو۔ خدا مل جاتا ہے وہ تو بشر ہے۔ سمجھ میں آ گئی۔ اُٹھے۔ شہر میں جسقدر عزیز رہتے تھے سب جگہ گئے۔ دیکھا بھالا۔ باہر جو اقارب تھے انھیں تار دے دیے۔ ساری رات گذر گئی دن تمام ہوگیا۔ مگر کچھ پتہ نہ ملا۔ معین اور یامین ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے خدا بخش بھی ناکام واپس آیا۔ دوسرے روز رات کو اکرام اللہ خاں نے یامین کو علٰحدہ لے جا کر سمجھایا۔ بیٹا تمھیں ضرور اپنی آپا کا حال معلوم ہوگا سچ بتاؤ وہ کہاں گئی۔

یامین۔ ابا جان سچ عرض کرتا ہوں مجھے بالکل معلوم نہیں کہ آپا کہاں غائب ہوئیں نہ اُنھوں نے مجھ سے کچھ کہا

اکرام اللہ خاں۔ بیٹا میں تمھیں کچھ بھی نہ کہوں گا صرف پتہ دیدو۔

یامین۔ خدا گواہ ہے مجھے پتہ نشان کچھ معلوم نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ تو برابر بات کی پچ کیے جاتا ہے حالانکہ یہ سب تیری کارستانی ہے

یامین۔ آپ مختار ہیں جو چاہیں فرمائیں۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا تم نہیں بتاتے تو جاؤ آج سے گھر میں نہ آنا جہاں اُسے رو دھو کر صبر کر لیا ہے تمھیں بھی کر لوں گا۔

یہ سن کر یامین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اکرام اللہ خاں نے کوئی جواب نہ دیا اور یامین چلدیا در اصل اکرام اللہ خاں اسوقت گہرے سوچ میں پڑ گئے تھے وہ اپنے طرز عمل پر لعنت بھیج رہے تھے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ بھتیجے کی ایسی دلشکنی کی کہ وہ خودکشی کر بیٹھا بیٹی کے حسیات اور جذبات کا مطلق

پاس نہ کیا۔ آخر وہ دل رکھتی تھی اُسے محبت کرنے کا حق تھا اُسکے تعلقات ناجائز نہ تھے بیشک وہ میرے قابو میں تھی مگر اُسکا دل نہ اُسکے قابو میں تھا نہ میں اسپر قابو پاسکتا تھا میں نے اسکے ارمانوں کا خون کیا بیشک قیامت کے روز مجھسے بازپرس ہوگی۔ افسوس بیوی جان کی اندھی تقلید نے مجھے گنہگار بنایا اور دونوں کو میرے ہاتھ سے کھویا یامین کا اس میں کیا قصور ہے میں ناحق اُسپر شبہ کر رہا ہوں۔

اس اُدھیڑبن میں اکرام اللہ خاں ایسے مستغرق تھے کہ انھیں یامین کے جانے کی بالکل خبر نہ ہوئی مگر جب ان کے دوست مولوی برکت اللہ تشریف لائے تو اُن کے سلام کی گرج نے انھیں ہوشیار کیا۔

مولوی صاحب۔ کہیے خاں صاحب لڑکی کا کچھ پتہ ملا۔

اکرام اللہ خاں۔ کچھ نہیں اور میری حالت بگڑتی جاتی ہے۔

مولوی صاحب۔ صبر کیجیے اسکا پھل ضرور ملے گا۔ ان اللہ مع الصابرین

اکرام اللہ خاں۔ ہاں صبر نہ کریں تو کیا کریں ہمارا کچھ زور تھوڑا ہی ہے نہیں در اصل مجبوری کا نام ہماری اصطلاح میں صبر ہے اور اسکا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں۔

مولوی صاحب۔ نہیں اس مجبوری کا ثواب ملے گا بشرطیکہ گریہ وزاری نہ کی اور یہ سمجھا کہ رضاء الٰہی یوں ہی تھی۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا جناب مولانا صاحب آپ ایک کام تو میرا کیجیے۔

مولوی صاحب۔ فرمائیے۔

اکرام اللہ خاں۔ فال دیکھیے۔ استخارہ لیجیے یا اپنے کشف سے معلوم کیجیے کہ لڑکی کہاں ہے زندہ ہے یا مردہ، مجھے کبھی ملے گی یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ بھلا یہ کام کوئی میرے بس کا ہے۔

اکرام اللہ خاں۔ جی ہاں آپ کے بس کا ہے۔

مولوی صاحب۔ کوئی درویش صاحب حال بزرگ کرسکتا ہے میں گنہگار ہوں
او خود گم است کرا رہبری کند

اکرام اللہ خاں۔ نہیں مولانا آپ کسرنفسی کا اظہار نہ فرمائیے اچھا اس بات کے لیے استخارہ تو آپ لے سکتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ فعل احسن ہے کوئی مضایقہ کی بات نہیں میں آج ہی استخارہ لوں گا۔

اکرام اللہ خاں۔ ذرّہ نوازی ہوگی۔

اسکے بعد کچھ دیر تک مولوی صاحب بیٹھے رہے وعظ و نصیحت فرماتے رہے پھر کل آنے کے وعدے پر رخصت ہوئے۔ (باقی آیندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

زیرِ مزار جا کر ڈرتا فلک سے کیا میں
یوں مٹ کے رہ گیا ہوں جیسے کبھی نہ تھا میں

اُن کی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دلِ حزیں سے پھر کیوں ہوا خفا میں

صیاد نے چھڑایا مجھ سے وہ آشیانہ
اک عمر جس کی خاطر تنکے چُنا کیا میں

کھُل جائے گی حقیقت اس عاریت سرا کی
جس دن اُتار دوں گا یہ جامۂ فنا میں

اظہارِ حسرت و غم اب کیوں مری لحد پر
گو آج میں نہیں ہوں لیکن کبھی تو تھا میں

کچھ بولتا تو کھُلتے کا ہے کو رازِ عالم
شمعِ خموش بن کر سب کی سُنا کیا میں

ناز و ادا کی چوٹیں سہنا تو اور شے ہے
زخموں کو دیکھ لیتا کوئی تو دیکھتا میں

دنیا کے اہلِ عبرت پڑھ لیں گے یہ کتابت
مٹی پہ چھوڑتا ہوں اک نقشِ بوریا میں

میرے لہو کا ڈر کیا محشر میں جب ہو پرسش
تم کو حجاب کیوں ہے کر لوں گا سامنا میں

جو ہمسفر تھے انکو اتنی خبر نہیں ہے
آگے نکل گیا ہوں یا پیچھے رہ گیا میں

برقِ جمالِ وحدت تو ہی مجھے بتا دے
شعلہ تو دور بھڑکا پھر کس لیے جلا میں

دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کر کے
بزمِ جہاں میں دیکھوں کس کو ترے سوا میں

ہجراں نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تھا
کہتا ہے مجھ سے کوئی تجھ سے قریب تھا میں

محشر نما تھا عالم اس تنگنا ئے دل کا
وہ بھیڑ حسرتوں کی دیکھی کہ کھو گیا میں

ثاقبؔ غزل نہیں تھی یہ ماجرائے دل تھا
جو کچھ تھا رازِ الفت باتوں میں کہہ گیا میں

حضرت حسرت موہانی

پردہ سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے — مشتاق دید اور بھی للچا کے رہ گئے

گم کردہ راہ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا — احساں جو اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

جب عاشقوں سے صدمۂ ہجراں نہ اٹھ سکا — آخر کو ایک روز وہ سم کھا کے رہ گئے

جب وہ چھٹا تو کچھ نہ رہا دل میں اک مگر — داغ فراق اس گل رعنا کے رہ گئے

ملنے کی ان سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی — سارے مسودے دل دانا کے رہ گئے

ٹوکا جو بزم غیر سے آتے ہوئے انھیں — کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے

بیباک تھا زبسکہ مرا اضطراب شوق — شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے

دل کی لگی بجھا بھی وہ سکتے تو بات تھی — یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے

آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثال برق — دل ہی میں حوصلے دل شیدا کے رہ گئے

کیا دل میں آ گئی تھی جو براہ کمال رحم — دعوے وہ میرے قتل کا فرما کے رہ گئے

پہلے تو میرا خون بہایا خوشی خوشی — پھر کیا وہ خود ہی سوچ کے پچھتا کے رہ گئے

دعوائے عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حضرت ناطق لکھنوی

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح — میں نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

دل کے سوا کوئی نہ تھا سرمایہ اشک کا — حیراں ہوں کام آنکھوں کا جاری ہے کس طرح

اس طرح خوف مرگ نہ ہوگا عدو کو بھی — جان اپنی مجھ کو وصل میں پیاری ہے جس طرح

عشاق دہر پوچھتے ہیں مجھ سے نزع میں — فرقت میں تم نے عمر گزاری ہے کس طرح

راحت طلب نہ تھا کبھی ناطق تو اس قدر
عشق اس پہ آج دیکھیے طاری ہے کس طرح

حضرت دل شاہجہانپوری

شام غم جدائی جو تھا قلق فزا تھا — تسکین دینے والا اک درد لا دوا تھا

ہمدرد بن کے ناصح افشا کیا وہ تو نے — جو راز عشق دل میں اب تک چھپا ہوا تھا

ہنگام خوشخرامی کہتے ہیں وہ مسل کر — کیوں جی یہی وہ دل ہے جس دل میں مدعا تھا

ہیں آج تک نظر میں آداب دشت وحشت — عہد جنوں کے اندر جو تھا برہنہ پا تھا

وہ بن سنور رہے تھے کیا جانے کس غرض سے — آئینہ وقت زینت منھ انکا تک رہا تھا

دریائے غم میں اسکی ہنگامہ خیز موجیں — موجوں کے جزر و مد میں اک درد آشنا تھا

دل سے ہے عشق قائم ہیں حسن و عشق ہمدم — اے اہل دل بتانا جب دل نہ تھا تو کیا تھا

مقتل میں رنگ لائی آخر مری خموشی — ہر قطرہ خون دل کا اک شرح مدعا تھا

کوئے بتاں سے آخر برباد ہو کے اٹھے — وہ ہم جو اہل دل تھے وہ دل جو باوفا تھا

زخموں کے چھیڑنے کو نشتر وہ بن گیا ہے — اے چارہ گر جو ناخن اب تک گرہ کشا تھا

لطف وصال کیا تھا حسن خیال عاشق — در اصل جائے دلبر اک درد لا دوا تھا

محمل نشیں کے دل میں چبھتے تھے خار صحرا — پیش نگاہ جب تک قیس برہنہ پا تھا

پہنچی جو پیش دلبر صورت بیان غم تھی — اپنا سکوت بیحد اظہار مدعا تھا

قطعہ

اے اہل درد ہم سے وہ ماجرا نہ پوچھو — کمبخت دل کا آنا ہم کیا کہیں کہ کیا تھا

وہ بیخودی کا عالم وہ بیکسی کا منظر — افسوس کوئی ہمدم مونس نہ آشنا تھا

ذوق نظر نے ہم کو صورت عجب دکھائی — دل جس کی ہر ادا پر قربان ہو رہا تھا

وہ منظر قیامت وہ سرزمین کلیہ — مست مے جوانی اک شوخ دلربا تھا

وہ طرز خوش خرامی وہ دل کی پائمالی — ہر وقت ہم کو گویا محشر کا سامنا تھا

امید وصل کیسی دم بھر میں فتنہ گر نے — اس دل کو پیس ڈالا جس دل میں مدعا تھا

چونکے تو یہ حقیقت ہم پر ہوئی ہویدا — دل دے کے رنج پانا قسمت ہی میں لکھا تھا

اے دل یہ چند روزہ ترکیب جسم و جاں تھی
ترکِ لباسِ ہستی دراصل مدعا تھا

حضرت باسط بسوانی

عشق کا کام ہے قربانِ وفا ہو جانا
شیوۂ حسن ہے سرگرمِ جفا ہو جانا

آستانے پہ ترے ناصیہ سا ہو جانا
فرض الفت میں سمجھتا ہوں ادا ہو جانا

موت سے کم نہیں بیمار محبت کے لیے
آخری وقت مسیحا کا خفا ہو جانا

نارسائی کا شبِ ہجر میں رونا کب تک
زلف سے سیکھ لے اے آہ رسا ہو جانا

دمِ آخر بُت کافر نے یہ بالیں پہ کہا
اب تو بہتر ہے توکل بخدا ہو جانا

نہ کرم کی ہو تمنا نہ ستم کا شکوہ
شیوۂ عشق ہے راضی بہ رضا ہو جانا

موت سے مجھکو ہم آغوش کرے گا اک دن
عید کے روز مسیحا کا خفا ہو جانا

جمع ہیں سیکڑوں مشتاق شہادت در پر
آج تم ضد سے نہ مصروف حنا ہو جانا

شمع رویوں سے اگر لو ہے لگانا باسط
سیکھ پروانۂ محفل سے فنا ہو جانا

ریویو

ٹنڈن صاحب کا انگلش ٹیچر

اس نام کی ایک کتاب ہمارے پاس ریویو کے لیے آئی ہے یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو انگریزی سیکھنا چاہتے ہیں اگر کوئی شخص غور سے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھے تو وہ حقیقتاً اس قابل ہو جائے گا کہ اُسے انگریزی کا کچھ نہ کچھ علم ہو جائے۔ سبق نہایت اچھی طرح مرتب کیے گئے ہیں۔ ٹائپ میں صاف چھاپی گئی ہے۔ قیمت عمر

پتہ ٹنڈن برادرز لاہور

قرابادین حسینی - مولفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر
اصل قیمت عہ/ رعایتی عہ

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار - مشہور ڈاکٹر لوئی کوہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب) رعایتی قیمت آٹھ آنے (۸/)

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام - (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلےٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت ۱ رعایتی ۸/

گودڑ کا لال - (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے - جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی - اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ عہ

عالم خیال مع (با تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے مضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اور ندتو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلےٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی وغیرہ نہایت عمدہ قیمت فی جلد ۲/

آئینہ جنگ یورپ - موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف ۴/

السنہ مشرقیہ - عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۶/

برکات سلطانی - علیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶/

شکوہ - ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱/

جذبات مسلم - ۸۲ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت عہ رعایتی عہ

مسدس حالی - مولانا حالی کی زندۂ جاوید تصنیف جو جزو اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ لکھائی چھپائی اعلےٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ آنے بے جلد ۸/

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - یہ اسم بامسمیٰ کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴/

شباب لکھنؤ - اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے - ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیے ہیں مترجمہ منشی محمد علی صاحب بی - اے - قیمت ۱۲ مجلد عہ

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں - مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما رنے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا - نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے - مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد ۱۲؍ مجلد ۲؍ عہ

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمیں چاند سورج، ستاروں سیاروں دُمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، انکی وسعت، جسامت باہمی تعلقات گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں - زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف ۸؍ مجلد ۱۲؍

تاریخ مذہب - اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر او چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے - قیمت ۸؍ مجلد ۱۰؍

داستان مریخ - سیارہ مریخ کی جسقدر اسوقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے، قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰؍

جان ہیلفکس جنٹلمین - اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہو گیا - نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے - قیمت ہر دو جلد عہ - مجلد ۱۲؍عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا - ۳۱۵ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے - قیمت ۸؍عہ

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات - حجم ۵۴ ا صفحہ - کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸؍

بنت الرسول - سیدۃ النسا حضرت فاطمہ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب (اکبر آبادی) نے لڑکیوں اور مستورات کے لیے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحات - قیمت ۵؍

کفایت شعاری - سموائل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب - قیمت ۸؍

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونیم سیکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے - قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲؍

قاسم و زہرہ - منشی احمد علیصاحب شوق قدوائی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں - شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے - فقرے چست لطیفے برجستہ باینہمہ لکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں - معاشرت کے عین مطابق فطرت دکھائے ہیں - نیچرل کیفیات و جذبات میں سرتاپا پیوند اماڈوبا ہوا ہے - قیمت ۸؍

رباعیات انیس و دبیر - اس کتاب میں ہندوستان کے ان مشہور قادر الکلام و معجز بیان سخنوروں کی عزائیہ اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۴؍

رباعیات دبیر - حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ جسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں - دیکھنے کی چیز ہے قیمت ۸؍

رباعیات حالی۔ مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں قیمت ۳ر

وصال۔ منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

ہاکی۔ ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہیں جابجا ہاف ٹون تصاویر چسپاں کی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے کھلاڑیوں کے لیے عمدہ کتاب ہے قیمت ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور اُنکی قیمت میں خاص رعایت کردی گئی ہے اگر درخواستوں میں دیر ہوگی تو اُنمیں سے اکثر کتابیں نہ مل سکیں گی۔

کلیات نظیر اکبرآبادی | جسمیں دیوان نظیر و بُستان نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں اور جسکو پروفیسر محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے قیمت رعایتی ۸؎

حق بحقدار۔ | (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش اور عجیب فسانہ مصنفہ منشی محمد عبد الغفور صاحب مصنف تماشاگاہ عالم وغیرہ صفحات ۲۷۵ قیمت رعایتی عہ

حیات حافظ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور اُنکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے قیمت رعایتی عہ

یادگار دربار اسلام یعنی اسلامی تاریخی مخزن (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) دو جلد میں قیمت فی جلد عہ

اُردوئے معلّیٰ ۔ حصہ اول و دوم یعنی کارنامہ فصاحت وسرمایۂ بلاغت رقعات اردو نجم الدولہ دبیر الملک مرزا نوشہ اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب قیمت رعایتی عہ

الہارون سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ و منظر دار الخلافت بغداد قیمت رعایتی ۱۱؎

صلاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری رعایتی قیمت ۸ر

تصانیف سر سید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ۔ (مجلد) قیمت .... ۸؎
اسباب بغاوت ہند۔ قیمت ۶ر

تصانیف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مرأت العروس۔ ۴ر
بنات النعش۔ ۴ر
منتخب الحکایات۔ ۴ر
توبۃ النصوح۔ ۴ر
سلسلہ آصفیہ۔ ۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق ۔ ہر سہ جلد ۱۲؎
مکمل محاربات روس جاپان } دو حصہ قیمت فی حصہ ۱۲ر

زہرا۔ ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد رشید صاحب بی۔ اے۔ قیمت ۸ر

چمنستان عرب ۱۰ر

پروفیسر ویمبری کا سفرنامہ۔ خیوہ۔ بخارا ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر
گنج شائیگاں ۸ر
حیات نور الدین ۸ر
یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

ملنے کا پتہ دفتر تمدن نیل بھاؤ لال لکھنؤ

تینوں کتابوں کے یکجائی خریدار کو محصولڈاک و فیس ویلو معاف	**پانچ پانچ روپے کے سو خریدار فوراً مطلوب ہیں**	یعنی تینوں کتابوں کا ویلو مع جملہ اخراجات صرف ۵ر میں بھیجا جائے گا۔

(۱) **انتخاب اردوے معلےٰ** یعنی مرحوم رسالہ اردوے معلےٰ علی گڈھ کی گذشتہ دس جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید انتخاب مجلد قیمت عہ

(۲) **مکتوبات امیر مینائی** یعنی منشی امیر احمد مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ مع تصویر و سوانح عمری امیر و موازنہ داغ و امیر حجم ۳۵۲ صفحے مجلد۔ ۸ عہ

(۳) **تذکرۃ الشعرا حصہ اول مکمل** حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے۔ مرتبہ حسرت موہانی جس میں تذکرۂ شعرا و دیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان امیر۔ شہیدی تنہا۔ عیشی۔ مخمور۔ آتش۔ غافل۔ مائل۔ ہوس۔ مومن۔ نسیم۔ تسلیم۔ رنگی۔ حالی۔ بینظیر۔ مست۔ مضطر خیرآبادی و حسرت موہانی کے دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے۔ ان میں سے اکثر دیوان ایسے ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ قیمت ۸ عہ

نوٹ:۔ طبع ثانی تک حسرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرۃ الشعرا مل سکتا ہے علٰحدہ نہیں ملسکتا

المشتہر:۔ بیگم حسرت موہانی۔ دفتر اردوے معلی۔ علی گڈھ۔ سٹی

کروڑوں روپے کی ایک دوا

معجون علوی

"تمدن" کے معزز ناظرین جب اس دوا کا اشتہار دیکھیں تو براہ کرم حق و صداقت کو دل میں جگہ دے لیں۔ جریان کے لیے اگر کوئی بہتر دوا ہو سکتی ہے تو وہ معجون علوی ہے تجربے شدہ اور آزمودہ ہے دس خوراکیں کھانے کے بعد شرطیہ آرام۔ جناب حکیم حاذق خلیق الملک دہلوی مرحوم کے مجربات سے ہے ضعف باہ اور عدم شہوت دور کرتی ہے۔ جریان خواہ کتنی ہی مدت سے ہو ہمارا دعوی ہے کہ اسکے استعمال سے قطعی جاتا رہے گا۔

قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ

پرچۂ ترکیب ہمراہ ہوگا

منیجر دواخانہ قاسمی بازار سیتارام شہر دہلی

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لا سکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا (جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں) تماشا دیکھیں۔

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین ۳ روپے بھیجئے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔ نمونہ پانچ ۵ آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

تمدن لکھنؤ

مذہبی خیال

(۱)

ابتداء آفرینش سے لیکر زمانہ حال تک مذہبی خیال کی تاریخ لکھنے کے لیے ایک مستقل کتاب کیا متعدد مستقل کتابیں درکار ہیں اور کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ایک ایسا خاکہ کھینچنے کی نیت ہے جس سے بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ مذہبی خیالات اور عقائد کی ابتدا کس طرح پڑی اُن میں ترقی اور تنزل کس کس طرح ہوا اور انسانی زندگی پر اچھا یا بُرا کیا کیا اثر پڑا۔ تفصیلی اور طولانی بحثوں میں پڑنے کے بجائے ہم پہلے مذہبی خیال کی حدود قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مختصراً اور مجملاً حسب ذیل ہیں۔

(ا) ایک ہستی واحد و حی و قیوم کا تسلیم کرنا۔

(ب) اُسے کائنات کا منبع و مرجع ماننا۔

(ج) یہ یقین کرنا کہ اُسکا منشاء یہ ہے کہ انسان بیشمار مراحل ترقی طے کرے اور پاکیزگی اور میل جول کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

(د) اسی سے یہ لازمی نتیجہ نکالنا کہ کسی نہ کسی عنوان سے انسان کو اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور یہ چند روزہ دنیا دی زندگی اس سارے ڈرامہ کا انجام نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی کچھ اور باقی ہے۔

(ہ) نیز یہ کہ ان سب کا مقصود نجات ہے اور نجات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے انسانی فرائض کی انجام دہی میں پاس ہو جائے یا پاس کر دیا جائے۔

(و) فرائض انسانی کا کماحقہ علم حاصل کرنے اور اُنپر بخوبی عمل کرنے کی قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف انسانی عقل اور انسانی مشاہدہ یا تجربہ کافی نہیں ہے بلکہ ایک طرف تو اُس فوق الفطرت ذات کی طرف سے جسکے منشاء کے موافق زندگی ڈھالنی مقصود ہے بیّن اور روشن ہدایات موجود ہوں اور دوسری طرف کچھ مکمل اور معتمد انسان ایسے دکھائی دیں جن کی ذات میں وہ ہدایات عملی طور سے جلوہ گر ہوں اور وہ انسان اوروں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہدایت ہو سکیں۔

۲ - اب ہم مذہبی خیال کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ اور اسکی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

اولاً - فلسفۂ قدیم نے اس پر کیا روشنی ڈالی۔

ثانیاً - اُن مذاہب نے اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالی جنکا ظہور اسلام سے قبل ہوا

ثالثاً - اسلام نے اسے کہاں تک پہنچایا۔

رابعاً - سائنس اور فلسفۂ جدید کی روشنی میں [illegible] کیا ہے

۳ - فلسفۂ قدیم میں یونانی فلسفہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسمیں مذہبی خیال

کی بنیاد اس سوال سے قائم ہوئی کہ آخر اس کائنات کی جڑ یا اصل کیا ہے۔
جد فلاسفہ یونان Thales نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ترک و تجرید اور فکر و
تفکر میں گذارا اور خیال کیا کہ جو کچھ اس کائنات کی اصل ہوگی وہی خدا ہوگا۔
بہت غور و فکر کے بعد وہ مرد میدان اس نتیجے پر پہنچا کہ کائنات کی اصل نمی یا پانی
ہے۔ اس فلاسفر کے بعد دوسرا فلاسفر Anaximenes آیا اور اس نے
یہ رائے قائم کی کہ ہمارے اندر جو قوت متحرکہ یا روح ہے وہ ہوا ہے اور چونکہ
ہوا یا ہر یعنی فضائے عالم میں بھی موجود ہے اور ہر وقت متحرک ہے اور کل اجزائے
کائنات میں ساری اور طاری ہے اور جو ہوا انسان میں ہے وہ ہوا فضائے عالم
کی ہوا کا جزو ہے پس ہوا ہی کائنات کی جڑ بنیاد ہے۔

دیوجانس نے اس نظریہ پر یہ اضافہ کیا کہ روحی ہوا یا ہوائے روحی صرف
قوت متحرکہ ہی نہیں ہے بلکہ فہم اور ادراک بھی ہے کیونکہ وہ صرف تحریک ہی
نہیں پیدا کرتی بلکہ وہ ہدایت بھی بخشتی ہے۔

Anaximander ساکن Miletus نے یہ اعتقاد قائم کیا
کہ جو کچھ بھی اصل اول ہے وہ ازلی اور ابدی ہے۔

فیثاغورث نے کائنات کلیہ میں ہمہ ہمیں اوست کا اقرار کیا۔ اور بتایا کہ وحدت
سے کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ توحید میں دوئی نہیں سما سکتی۔ سوائے واحد
کے باقی اعداد نسبتی ہیں۔ کہتے ہیں خدا احد کی شان مطلق ہے۔

Xenophanes نے کمال ہستی واحد کا سراغ لگایا اور اس عقیدہ کی
بنیاد ڈالی کہ خدا سب سے بڑا ہے کہ اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اس نے یہ
بھی بتایا کہ خدا قائم بالذات اور ازلی اور ابدی ہے۔

Heraclitus نے خدا کو آگ سے تعبیر کیا۔ اس خیال سے کہ آگ حیات

اور ادراک کا مظہر ہے۔

Heraclitus کے بعد Anaxagoras تشریف لائے
اور انھوں نے ارشاد فرمایا کہ خدا وہ قوت ہے جو عالم میں نظم و نسخ کرتی ہے۔
سقراط نے خدائے واحد کو سرچشمہ اخلاقِ حسنہ مان کر مذہب اور اخلاق
کی بنیاد ڈالی اور افلاطونِ الٰہی نے اسمیں محبت کی چاشنی ملائی بنابراں
اس مشترک تعلیم سے یہ عقیدہ جاری ہوا کہ خدا نہ تنہا اپنی ذات میں نیکی مطلق ہے
بلکہ وہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور اسکے شایاں ہے کہ بندے بھی اُس سے محبت کریں
یہ لُب لباب ہے اُس حیرت انگیز عقلی کوشش کا جسکی بدولت فلاسفہ یونان
پانی ہوا۔ آگ وغیرہ سے گذر کر خدائے واحد و حی و قیوم تک پہنچے۔

۴۔ اب ہم تعلیم حکماے ہند پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں عقلا انسان کی سب سے
قدیم محفوظ اسناد وید مقدس ہیں۔ وید مشتق ہے وِد سے جس کے معنے علم
یا دانستن ہے۔ وید کا مفہوم وہ مجموعہ علم و دانش ہے جسمیں اُس کی حقانیت کی
شہادتیں خود اُسکے اندر موجود ہیں۔ ویدوں کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے
کہ وہ ہستیِ کائنات کے دوش بدوش ہستی رکھتے ہیں اور خود ہستیِ کائنات کا
ظہور کسی ماسبق وید کے اصول و قواعد کے مطابق ہوا۔ وید منتشر تھے اور عرصہ
دراز کے بعد ایک رشی نے اُن کو جمع کر کے اُنکی موجودہ حیثیت قائم کی۔
بنابراں جس بزرگ نے انکو جمع کیا اُسکو ویاس یعنی ترتیب دینے والے کا
مقدس لقب دیا گیا۔

وید مقدس نے خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نہایت
عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ قدیم رشی لوگ قدرت کی طاقتوں مثل پانی
ہوا۔ آگ وغیرہ کو پوجتے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکو علیحدہ علیحدہ

خدا مانتے تھے مگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان صفات کو مظہرِ ذات مانتے تھے۔ انسان کے ابتدائی عقائد میں بظاہر ایسے خدا وحدہٗ لاشریک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی جو صفاتِ انسانی سے منزہ ہو۔ بلکہ وید کی عام تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عناصر پرستی سے شروع کرکے خدائے بزرگ و برتر کی پرستش تک پہنچ جانا مقصد اعلےٰ تھا۔ سورج۔ مینھ۔ آگ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی مگر اسکے ادنےٰ درجہ کے لوگ اسی میں سے خدا کا عنصر غالب پالیتے تھے عرصۂ مدید کے بعد وید کی سادہ تعلیم پر فلسفیانہ نظر پڑنی شروع ہوئی جسکے صلہ میں آج ہم وہ قیمتی خزانہ فلسفہ الٰہیات کا پاتے ہیں جنکو اوپانشد کہتے ہیں اُپنشد کی تعلیم کو جدّ فلاسفہ ہند یعنے شنکراچارج نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے

"جو لوگ نجاتِ اُخروی کے طالب ہیں اور جنھوں نے لذّاتِ فانیہ اور دنیا اور مافیہا سے مُنھ موڑ لیا ہے اور اس سائنس کو حاصل کیا ہے جسے اونپشد کہتے ہیں اُن کو جہل اور اُن بُرائیوں سے نجات ملے گی جو آواگون (تناسخ) کا باعث ہیں۔ کیونکہ اس وقت اُن بُرائیوں کا قلع قمع ہوجائے گا۔"

اصول تعلیم اونپشد عرفان ذات باری تعالیٰ ہے۔ منازل عرفان بذریعۂ اعمال حسنہ۔ مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ طے کرائی جاتی ہیں۔ وید اونپشد اور دیگر کتب کی بنا پر فلاسفہ ہنود کے مشہور معروف چھ درشن یا شاستر وجود میں آئے جنھیں باعتبار علوِ روحانی سب سے نمایاں ویدانت شاستر ہے جو اپنے لغوی معنوں کی حیثیت سے منتہائے وید ہے۔

یہاں بھی آپ ایک مستقل اور کامیاب کوشش پاتے ہیں جسکے ذریعہ سے انسان کو درخت پتھر۔ سورج ہوا پانی آگ وغیرہ سے شروع کرکے نہ صرف اقرار ہستی وحدہٗ لاشریک تک پہنچایا گیا ہے بلکہ جسکے ذریعہ سے عرفانِ ذاتِ باری

تعالی حاصل کرنا مقصود اصلی معلوم ہوتا ہے سری کرشن جی مہاراج جنکا مذہب ہنود کے اوتاروں میں نہایت ممتاز پایہ ہے اُن کی مقدس تعلیم کا لب لباب اُس نادر الوجود کتاب میں موجود ہے جو ساری دنیا میں گیتا کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب نہایت خصوصیت کے ساتھ عرفان ذات کی ہدایت کرتی ہے لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہوگا کہ اصولاً ہنود کی روحانی تعلیم کا منشا خداشناسی تھا اور اس مذہب کے اوتاروں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی تعلیم کا رواج دیا۔ بالواسطہ تعلیم دینے والوں میں اُن بزرگ اوتاروں کا شمار ہے جنہوں نے خدا کا ذکر کرکے خدا تک پہونچنے کے عقیدے اور اعمال بتائے بلاواسطہ تعلیم دینے والا مشہور اوتار ہوا ہے جسکا نام نامی ساکھی سنگھ گوتم بدھ ہے۔ اسکی تعلیم کو بلاواسطہ تعلیم اسلیئے کہا گیا ہے کہ اُس نے خدا کا نام تو نہیں لیا مگر ایک جدید قاعدے اور ضابطہ کے ساتھ ذاتی جسمانی اور خواہش نفسانی حتیٰ کہ عقل کی بھول بھلیوں اور قلب کی لغزشوں اور بندشوں غرض سب کا قلع وقمع بتایا ہے اور الف سے لیکر ی تک فنا ہی فنا بتا کر نروان یعنی فنائے ابدی کا سبق پڑھایا۔

بدھ مذہب کی تعلیم کے موافق نروان یعنی فنائے ابدی اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے خواہشات جسمانی اور لذات کو بالکل خیرباد کردیا ہو اور جسکے دل میں رحم اور محبت کے سوا کسی کی برائی کی گنجایش نہو اور جسکی عقل صاف اور پاک ہوگئی ہو۔ نروان نامحدود ہے۔ اور محدود عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ جس دل میں لوث ہو وہ اسے حاصل نہیں کرسکتا۔ نروان سے غیر محدود علم حیات ابدی کا حاصل ہوتا ہے اور یہ علم قیود جسمانی کے ٹوٹنے یعنی موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔

ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ گو الفاظ میں نہ کہا جائے مگر ماسوا کی فنا سے

بقائے الٰہی کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ بدھ جی مہاراج کا
منشا یہی ہو۔

۵۔ زردشت اور کنفیوشس کی تعلیموں میں جہانتک ہمارا محدود اور ناقص علم
رہبری کرتا ہے کوئی ایسا فلسفہ شامل نہیں جسکا موازنہ یا مقابلہ اصولاً فلسفہ
یونان یا فلسفہ ہندوستان سے کیا جائے۔ ہم نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر ناظرین
المذہب میں سے کوئی باخبر بزرگ ان تعلیموں پر روشنی ڈالیں گے کنفیوشس
تو شل منو جی مہاراج کے ایک زبردست اور مقدس مقنن تھے مگر زردشت کی
تعلیمات کا امتیازی پہلو قلب انسان کی اُس دائمی کشمکش سے وابستہ معلوم ہوتا
ہے جو نیکی و بدی میں امتیاز کرنے اور ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنے میں
پیش آتی ہے۔ غالباً زردشت نے ان دونوں قوتوں کو قائم بالذات مانا ہے مگر
مگر اُسکی روحانی تعلیم کا انتہا نور معلوم ہوتا ہے اور یہ نور جملہ رذائل نفس وغیرہ کو
جلانے اور مثل نار کے ہر وقت روشن اور شعلہ زن رہنے سے حاصل ہوتا ہے یا
یوں کہیے کہ جس طرح آگ جملہ خس و خاشاک کو جلا کر آپ الگ تھلگ منور رہتی ہے
اسی طرح شعلہ صدق و صفا جملہ رذائل کو جلا کر نور حقیقی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔
یہ شعلہ صدق و صفا جسے ہماری اصطلاح میں عشق کہتے ہیں جملہ متعلقات فانیہ
کو جلا دیتا ہے۔ بقول۔ العشق نار یحرق ماسوا اللہ (عشق ایک آگ ہے جو
سوا اللہ کے باقی سب کو جلا دیتی ہے)

۶۔ جو کچھ اب تک بیان ہوا اُس سے یہ اخذ کرنا غالباً بیجا نہ ہوگا کہ سالہا سال کی
کوششوں اور نفس کشیوں کے بعد دنیا نے خواہ عقل خواہ جذبہ روحانی سے خدا کا
پتہ لگایا۔ اُسے ہمہ داں [illegible] قادر مطلق، خالق حقیقی ازلی و ابدی مانا۔
اُسکی ذات کو مبدء علوم مانا۔ اُسے ہمہ تن نیک صفت والا اور محبت کے قابل سمجھکر دنیا

میں نیکی اور محبت سے رہنے کے اصول کو تسلیم کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی
بنیاد ڈال کر فرائض انسانی کی تقسیم بوجود احسن کی جن بزرگوں سے یہ علوم پہنچے اور
جنھوں نے یہ دشوار گذار راستے انسانوں کو طے کرائے اُنکی عزت کی گئی کہیں اُنکو
فلاسفر مانا کہیں - اوتار - کہیں مقنن - کہیں کچھ کہیں کچھ مگر اپنی محدود ہدایت نفس
کو ناکافی سمجھ کر خودی کی جکڑ بندشوں کو توڑنا اور خدا اور بندہ اور اون کو ماننا انسان
نے کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیا - اب ہم یہاں سے اُس سلسلۂ تعلیم کی طرف سرسری طور پر رجوع
کرتے ہیں جسکی بنیاد فلسفۂ عقلی پر نہیں قائم ہوئی بلکہ جسکے بانیوں کو سب سے قطع نظر کر
وہبی طور پر بذریعہ وحی و الہام براہ راست خداوند واحد سے ہدایت حاصل ہوئی بعض
اُنسے خود دودھوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک　　اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا
ان تعلیموں کے بانی رسول اور پیغمبر یعنی خدا کے بھیجے ہوئے مانے جاتے ہیں جن کتابوں میں
اُنکی تعلیمیں درج ہیں وہ کتب سماوی کہلاتی ہیں اور ان تعلیموں یا مذہبوں کے پیرو روحانی
طور پر خدا کو مانتے ہیں اور اُسکے فضل و کرم کے اُمیدوار اور اُسکی رضا کے خواہاں ہوتے ہیں
ان جملہ مذاہب کا متحد عقیدہ یہ ہے کہ ایک ذات واحد بزرگ و برتر ہے - اُسی نے دنیا
و مافیہا کو پیدا کیا اور اُسی کے حکم سے ایک دن یہ سب کچھ نیست و نابود ہو جائیگا - نیکی
خدا کو پسند ہے اور بدی ناپسند - پیغمبروں کا اتباع نیکی کو پہنچاتا ہے اور بدی سے بچاتا
ہے نیز انسان کو اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور
اُس حساب کتاب کے بعد اُسی کی نظر فضل و کرم کا نام نجات ہے -

ان مذہبوں کی تقسیم از آدم تا ایں دم اس طرح پر ہے -

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰ ؑ -

(۲) عیسویت -

(۳) اسلام -

(باقی آئندہ)

سرفراز حسین - قاری

احتیاج

منعم ہو یا مفلس احتیاج سب کو ہے پھر کیا بات ہے کہ مفلس ہی محتاج کہلاتے ہیں۔ کیا منعم کو حاجتیں نہیں ہوتیں؟ اُن کو تو مفلس سے زیادہ ہوتی ہیں مگر زر کی وجہ سے منعم کی حاجتیں بہ آسانی بر آتی ہیں اور بے زری سے مفلس کے حاجات مشکل سے بھی نہیں نکلتے۔ اُس پر مفلسوں کی کثرت ہے اور اہل زر کی قلت۔ مفلسوں کے یہاں زر کی قلت ہوتی ہے اور اہل زر کے یہاں کثرت۔ مفلسوں کو رفع ضروریات کے لیے بھی زر نہیں ملتا اور منعموں کو رفع ضروریات کے علاوہ رفع خواہشات کے لیے بھی زر کی کمی نہیں۔ منعموں کی حاجتیں زرداری کی وجہ سے نکلتی رہتی ہیں اور مفلسوں کی حاجتیں بے زری اور اہل زر کی بے توجہی سے نہیں نکلتیں۔ منعم مفلسوں کی حاجت روائی پر اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک منعم دوسرے منعم کی توجہ سے مستغنی ہوتا ہے اور ایک مفلس دوسرے مفلس کی اعانت سے مجبور۔ مفلسوں میں اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے۔ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند   کس کی حاجت روا کرے کوئی

تاریخی ورق گردانی کیجیے یا صورت حال کو مشاہدہ کر لیجیے تو غرض مند زیادہ اور بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اہل زر کی خود غرضی اُن کے لیے اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی نو دولتوں کی خود غرضی مفلسوں کے حق میں نقصان بخش ہوتی ہے کیونکہ ایک نو دولت (جو افلاس کی تلخیوں سے واقف ہے) دوسرے مفلس کی دامے، درمے، سخنے، قدمے جیسی اور جتنی اعانت ہو سکے نہ کرے

اور اپنی ہی مطلب براری میں منہمک رہے تو افلاس کی افزونی مفلسوں کو ہمیشہ کے لیے محتاج ہی بنائے رکھے گی۔ دنیا کے کام چلتے ہیں تو کسی کی دولت اور کسی کی محنت سے اور سچ پوچھو تو محنت ہی سے دولت ہے مگر حالت زمانہ یہ ہے کہ منعم مفلسوں سے لاپروا رہتے ہیں اور جو مفلس محنت کر کے دولت کماتا ہے وہ اپنے کو اہل دولت میں شامل کر لیتا ہے اور مفلسوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اگر مفلس مالدار بننے پر بھی مفلسوں کو نہ پوچھے تو اہل زر کو حقیقی راحت نہیں مل سکتی جس کے وہ متمنی اور متوقع ہیں کیونکہ روپیہ سے اگر خزانہ بھرا پڑا ہے تو وہ روپیہ انسان کو کوئی آرام نہیں پہنچا سکتا جب تک اُس کا مصرف انسانی محنتوں مشقتوں اور انسانی ریاضتوں کی شکل میں نہ حاصل کیا جائے۔

منعم تو زرداری کے نشہ میں اپنے ہی عیش و صلاح حال میں منہمک ہیں لیکن اگر مفلسوں پر نظر ڈالیے تو وہ بھی اپنے ہی صلاح و فلاح کی فکر میں مصروف ہیں۔ اسی نا اتفاقی و خود غرضی کی بدولت افلاس و فلاکت ایک بڑی جماعت کی جماعت کو احاطۂ تنزل سے آگے قدم بڑھانے نہیں دیتی۔

منفردہ کوشش فلاح نہ ایک فرد ہی کو آرام پہنچاتی ہے نہ اور افراد کے ہی کچھ کام آتی ہے غرض خود غرضی و نا اتفاقی کی وجہ سے محتاجی ایک عالمگیر مرض متعدی ہے تو اب اس مرض کے دفعیہ کی کیا تدبیر ہے؟ کیا اسکو معاملۂ تقدیری سمجھ کر خاموشی اختیار کی جائے؟ نہیں یہ تقدیری معاملہ نہیں ہے۔ اس میں خاموشی اختیار کرنی گناہ ہے! تدبیر کے ہاتھ میں بہت سے کام ہیں۔ تدبیر کرنی چاہیے اس میں خاص لوگوں کی توجہ اور عام لوگوں کی کوشش چاہیے۔ پھر اس کا فائدہ خاص و عام سب کو پہنچے گا۔ اتفاق میں

عوام کے ساتھ خواص شامل نہ ہوں تو کچھ زیادہ نفع کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ایک دوسرے کی ممکنہ اعانت کی جائے تو محتاجی کی یہ حالت نہ رہے۔ خودغرضی کی جگہ ہمدردی کی حاجت ہے!! دوسروں کی حاجت روائی کے ضمن میں اپنی حاجت براری عمدہ بات ہے اور اس طرح کی حاجتیں اچھی طرح پوری بھی ہوا کرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان اپنے حق میں احسان ہے مگر لوگ اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ہی فکر میں لگے رہتے ہیں اس لیے اُن کو اپنی حاجت براری میں بھی دقت ہوتی ہے اور دوسروں کی احتیاج بھی باقی رہتی ہے۔ کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی کام نکلے؟ جس طرح لوگ دوسروں کے کام پر اپنے کام کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسروں کا کام جبراً رکوا کر کام نکالتے ہیں اس طرح دوسرے اس فکر و تردد میں رہیں گے کہ نکلا ہوا کام دوسرے ہی پر منتقل ہوجائے اور رنا اتفاقی سے ہوتا بھی یہی ہے اور نتیجۃً محتاجی بدستور قائم رہتی ہے۔

احتیاج باقی نہ رہنے کے لیے اتفاق کا ہونا لازمی ہے اور اتفاق کے لیے ہمدردی۔ جو لوگ آسایش و آرام میں ہیں وہ مصیبت زدہ اور غرضمندوں کے حالات پر مطلق غور نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ جو لوگ مصیبت کے بعد راحت پاتے ہیں وہ بھی اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو بھول جاتے ہیں اور ان سے غافل رہتے ہیں اس کا نام بیدردی ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں شادی و غم توام ہیں رنج کے ساتھ مسرت ہے، تکلیف کے ساتھ راحت ہے، عُسرت کے ساتھ یُسر ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ایک کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے کا دورہ ہو۔ ہم نے

دیکھا ہے کہ اگر خوشی کا دورہ ہے تو وہ ایک عرصہ تک رہا ہے اور اگر کوئی مصیبت کا شکار ہوا ہے تو اسکا بھی تا تمنا ہی سلسلہ برسوں تک چلا ہے بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صورت ثانیہ سے نجات ہی نہیں ملی - اور دم واپسین تک انسان اسی مصیبت میں مبتلا رہا لہذا اگر مرفہ الحال لوگ ضرورتمندوں کی تکلیف و رنج کا احساس کریں اور وقت پر اعانت کو دریغ نہ کریں تو اگر غم سے بالکلیہ نجات نہ ہو تو کم از کم تھوڑا بہت دُکھ تو کم ہو جائے -

احتیاج سب کو ہے اور دنیا کے کل کام ایک دوسرے ہی کی مدد سے چلتے ہیں - اگر کوئی اپنے کام ہی سے کام رکھے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے کہ اس کو آرام پہنچائے خودغرضی کی وجہ سے ذرسے کام تو نکل جاتا ہے مگر خاطرخواہ آرام خودغرض کو میسر نہیں ہوتا ایک دوسرے کو آرام نصیب ہونے کے لیے ہمدردی کی قطعی ضرورت ہے - ایک حاکم ہمدرد ہوگا تو محکوم بھی اطاعت و ہمدردی سے اس کی خدمت کریں گے جس سے دونوں کو آرام حاصل ہوگا -

خودغرضی ایک طرح کا ظلم بلکہ دوسروں کے حقوق کا خون ہے اور یہ ایسا عام مظلمہ ہے کہ بیشمار اشخاص رات دن لوگوں کے حقوق کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے جاتے ہیں اور پھر اپنے فعل کو ظلم نہیں سمجھتے اور یہ مسلم ہے کہ ظلم نہایت ہی بُرا فعل ہے منطق صغریٰ و کبریٰ سے اس مسئلہ پر اس طرح سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے :-

صغریٰ - خود غرضی ایک طرح کا ظلم اور اتلاف حقوق ہے -

کبریٰ - ظلم اور اتلاف حقوق نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے -

نتیجہ - خودغرضی نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے -

لہذا جب یہ امر مسلم ہوگیا کہ خودغرضی ایسی بُری چیز ہے جس سے حقوق العباد تلف ہوتے ہیں تو پھر خودغرض انسان اس گناہ سے کیونکر بری الذمہ ہوسکتا ہے

خود غرضی کے ظلم سے لوگ کام نکال کے کس طرح خوش وخرم رہ سکیں گے۔ اسی ظلم کی وجہ سے کثیر التعداد بندگان خدا کی محتاجی کا سلسلہ جاری رہتا ہے چونکہ خود غرضی میں بیدردی ہوتی ہے اس لیے خود غرضوں سے کام نکالنے میں محتاج کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے کو نہ صرف محتاج ہی سمجھتا ہے بلکہ محتاجی کی بدولت تمام عیوب سے متصف بھی ہوجاتا ہے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

فی الحقیقت محتاجی بڑی ذلت ہے۔ احتیاج کے وقت انسان کے کمال پر تاریکی کے پردے پڑجاتے ہیں۔ وہ آفتاب ہو تو ذرہ ہوجاتا ہے یہ احتیاج اُن کے لیے مخصوص ہے جو محتاج کہلاتے ہیں ورنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے احتیاج اسکے خلاف بھی اثر کرتی ہے غرض محتاجی کے عجب کرشمے ہیں ہاں احتیاج کے اثرات سے وہ حضرات متاثر نہیں ہوتے جو راضی برضا شاکر وصابر اور اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محتاج ہوتے ہیں خدا ان کی حاجتوں کو برلاتا ہے اور غور کرکے دیکھو مفلس ہوں یا منعم سب فقیر و محتاج ہیں۔ دنیا میں جس طرح مُنعم کم ہیں اور مفلس زیادہ۔ اسی طرح اچھے لوگ بہت کم ہیں اور بُرے زیادہ اور پھر اچھوں میں اہل اللہ بہت کم گویا شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی عبادت اور اس کے واجب الاحترام احکام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اپنی ضروریات سے مستغنی ہوتے ہیں اور وہ لوگ خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ ؎

کارساز ما۔ بہ فکر کار ما فکر ما در کار ما۔ آزار ما

بحث تو اُن لوگوں سے ہے جو معاملات دنیوی میں اپنا زیادہ وقت

صرف کرتے ہیں جن کو دین سے زیادہ دنیا ہی کی فکر ہوتی ہے۔ اگر خود غرضی دنیا سے اُٹھ جائے یا کم از کم اُس میں ایک نمایاں تخفیف ہو جائے اور ہمدردی بے دردی پر غالب آ جائے تو دنیا میں احتیاج کے معاملات میں اتنی مصیبتیں نہ اُٹھانی پڑیں جتنی محتاجوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں ہمدردی دلوں میں پیدا ہونے کے لیے درستیِ اخلاق کی ضرورت ہے جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اچھی باتیں ضرور فائدہ بخش ہوتی ہیں تو فائدہ بخش امور سے اعراض کر کے مضر امور کی طرف رغبت و رجحان عالم و عقلمند آدمی کا کام نہیں ہے۔ عالم و عاقل وہ ہے جو خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچائے ورنہ جاہل و ناداں تو نہ خود آفت سے بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے۔ اگر جاہل زردار ہو اور ایک عالم بے زر ہے تو عالم جاہل کے پاس ضرورت و احتیاج لے کر جائے گا' اس وجہ سے کہ وہ زر کی قدر و منزلت سے خوب واقف ہے کیونکہ اس سے تمام دنیوی کام انجام پاتے ہیں۔ مگر جاہل عالم کے یہاں علم کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ وہ اپنے جہل کے باعث علم کی فضیلت سے ناواقف ہوتا ہے۔ پس محتاجی نوعیت اور ضرورت کے لحاظ سے تکلیف و راحت کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اگر محتاج صابر و قانع اور خوددار ہو تو اپنی حاجت براری میں ہرگز ذلیل و خوار نہ ہوگا افسوس ہے کہ بہت سے لوگ احتیاج کے وقت خودداری سے کام نہیں لیتے مفلس ہو تو منعم کی خوشامد کرتے کرتے زبان خشک کر لیتا ہے۔ عالم ہو تو جاہل کی منت کرتے کرتے اپنے آپ کو ذلیل و خوار بنا لیتا ہے' علاوہ اُستاد ہو تو شاگرد کے سامنے زانوے ادب تہ کر کے بیٹھتا ہے مرد ہو تو احتیاج سے عورت کے آگے نامردی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر بھی نہ تو حاجت ہی

پوری ہوتی ہے اور نہ عزت ہی باقی رہتی ہے۔ ع

بات بھی کھوئی التجا کر کے

محتاجو! تم اپنے کو دیکھو کہ تم میں جوہر کمال کیا ہے اور احتیاج کس بات کی ہے اگر کمال اعلےٰ ہے اور احتیاج ادنیٰ۔ تو ادنیٰ احتیاج کے لیے اپنے جوہر کمال کو معرضِ مذلت میں نہ ڈالو۔ اپنے گوہر کمال کو کوڑیوں کے مول نہ بیچو کامل ہو کر ناقص کے آگے ذلیل و خوار نہ ہو۔ اپنے کمال کی کساد بازاری نہ کرو اس وجہ سے کہ یہ جوہر بہت گراں بہا ہے اور عقیل وفہیم لوگ اسکو ہمیشہ مہنگے داموں خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ کمال کی بدولت تم اس قابل ہو کہ عقل سلیم تمھاری عزت کرتی ہے اس لیے جاہلوں کی نظروں میں اپنے آپ کو ذلیل اور اپنی وقعت کو کم نہ کرو۔ تمھاری خواہشیں پوری ہوں نہ بھی مگر اپنی علم وکمال کی عزت کے پورے طور سے محافظ رہو۔ تمھاری ضروریات وہی پوری کرنے والا ہے جس نے تمھیں اس مرتبہ پر پہنچایا ہے۔ عزت کا بے بہا موتی دے کر ذلت کا ٹھیکرا نہ لو۔ تم اہل جوہر و اہل کمال ہو اس لیے تمھارے لیے بھیک باعث ذلت و تہتک ہے۔

منعمو! تم دولتمند ہو۔ خدا نے تم کو ایک بڑی نعمت دی ہے جو تمھیں مبارک رہے۔ مگر خدا کی دی ہوئی نعمت کے شکریہ میں تم کو چاہیے کہ خدا کے بندوں کو اپنی طرح آسایش و آرام سے محروم نہ رکھو اور خدا کے احکام پر عمل کرو۔ اگر تمھارا یہ اعتقاد ہے کہ اس طرح کے سلوک میں ہم بھی محتاج ہو جائیں گے تو خدا کے احکام پر عمل کرنے کے لیے یہ تمھارا ایک حیلہ ہوگا جسکے جواب دہ تم خود ہو گے۔

کس نشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم

ہوش بلگرامی

عشق حقیقی

ایک ہے اے غافلو وہ پاک یزداں ایک ہے
خالق ارض و سما و جن و انساں ایک ہے

بالیقیں بے مثل و یکتا واحد اُسکی ذات ہے
بزم کثرت میں بھی وحدت ہے عیاں کیا بات ہے

ہاں وہی قابل عبادت کے ہے وہ معبود ہے
آستاں پر اسکے سر خم ہو وہی مسجود ہے

جسم ہیں کون و مکاں وہ جان عالم جان ہے
ان بتوں میں بھی اسی کا قرار کی شان ہے

برگزیدہ بندگانِ حق کا دامن تھام لے
وہ تو ساقی ہیں مے وحدت کا اُن سے جام لے

رہبر کامل ہیں وہ اُنکے موافق کام کر
چھوڑنا ہرگز نہ غافل اُنکا دامن تھام کر

چھوڑ دے لذات نفسانی نہ تو گمراہ ہو
چاشنی بادۂ وحدت کی دلمیں چاہ ہو

سامنا رحمت سے اسکی بعد مرگ اے یار ہے
دوزخ و جنت کی ہستی سے عبث انکار ہے

اسقدر وابستگی نقش و نگار دہر سے
ہائے غافل تو نہیں ڈرتا خدا کے قہر سے

دیکھکر صنعت کو صانع کیوں نہ یاد آیا تجھے
حسن دنیائے دو روزہ کس طرح بھایا تجھے

ہیچ ہے عشق حسیناں جہاں سب ہیچ ہے
زلف پیچاں کی گرہ قسمت کا تیری پیچ ہے

دور کر دل کی سیاہی جلد غافل دور کر
شمع وحدت سے تو اپنے قلب کو مسرور کر

نور عرفاں ڈھونڈھ اب چاہ ضلالت سے نکل
خواہش پاکیزگی ہے تو کثافت سے نکل

عشق مولا چاہیے یا وصل مولا چاہیے
جب خدا ہی مل گیا باسط تو پھر کیا چاہیے

ماسٹر باسط بسوانی

مغنّیہ

ہم ذیل میں حضرت رُجالی" کا مضمون اور اُن کے خط کا ایک حصہ مع "یلدرم" اور "نسائی" کے مضامین کے جن سے حضرت رُجالی" کے مضمون کا بہت کچھ تعلق ہے ناظرین "تمدن" کی ضیافت طبع کے لیے درج کرتے ہیں اور حضرت رجالی" کی اس سبک قلمی کی داد دیتے ہیں جس نے اُنھیں چھ برس میں اس مضمون کو ختم کرنے میں مدد دی۔ ایڈیٹر

"آپ کا تقاضا کہ مضمون بھیجو اور میں مضمون لکھنے کے ناقابل تاہم تعمیل ارشاد میں ایک مضمون جسے میں نے مخزن میں دو مضمون دیکھنے کے بعد تقریباً چھ برس ہوئے شروع کیا تھا ختم کر کے بھیجتا ہوں چونکہ میرا مضمون بغیر اُن ہر دو مضامین کے بالکل نامکمل ہوگا اس لیے پہلے اُنھیں نقل کرتا ہوں۔ "رجائی"

آہ یہ نظریں

(ایک ہندوستانی مغنّیہ کو)

تھکی ہوئی' تمام شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں' تیری آنکھوں سے جو سرمست وشید اور پرلطف دقیقے دینے کے وعدے کرتی ہیں' ان آنکھوں سے نکلنے والی ہلکی نظریں!

ان سیاہ آنکھوں کی سوزاں ظلمتوں میں' ایک ایسا مبہم اشارۂ دعوت پاتا ہوں کہ میری روح ان نیوتوں کو دیکھ کے حرص سے لرزنے لگتی ہے۔

جب تک کہ تیرا لطف خریدا جاتا ہے تو چاہے جتنی اونچی ہو جتنی چاہے اونچی بن' عسیر الحصول نظر آئیں بھی اک پوری رات، اک لمبی رات' تیرے یاسمینی سینے میں گذارنا چاہتا تھا' مگر میرے شوق' میری آتش اشتیاق کو جو تیرا کل وجود و روح چاہتی ہے' تیری بے ہیجانی' تیری بے حرارتی' تیری بے محبتی زائل کر دیتی ہے' بجھا دیتی ہے۔

تیرے چاہنے والے جو تیرے دل تک ذرا نہیں پہنچ سکتے' جو پیسہ دے کر تجھ تک پہنچتے ہیں' انکے لیے تیرے نغمے کس قدر بارد' تیرا اظہار شوق کس قدر جھوٹا' اور تیرا گلے ملنا کس قدر پر استکراہ' تیرے بوسے کس قدر پھیکے اور سست ہیں۔

یہ جانتا ہوں مگر پھر وہی! یہ آنکھیں' یہ سیاہ آتش سے بھڑکنے والی سیاہ آنکھیں'

اور اُن کی متلاشی ظلمتیں جو متجسس معلوم ہوتی ہیں یہ خانماں سوز ستانت ہیں۔ ان کی تپش میں جب میں اپنے تئیں پاتا ہوں تو میں بھی یہ چاہنے لگتا ہوں کہ چاہے کچھ ہو میں بھی ان آنکھوں کی ظلمتوں میں ڈوب جاؤں، میں بھی اس آتش سے اپنے تئیں جلاؤں، ایک رات تو ان آنکھوں سے سرمست آلام ہوں۔

اور اگر تو کہیں اصلی محبت کرے، اُف! کہیں تو اک ذرا چاہے۔ اُس وقت دیکھتی ہو! اُس وقت کو سوچ کے اور اپنے پر نظر ڈال کے، اپنی روح کو دیکھ کے، میں اس طرح ڈرنے لگتا ہوں جس طرح اک پُرطوفان رات کی پُرشورہ تاریکی سے کوئی ڈرے۔

نہیں، نہیں، جا، جا، میں نہیں چاہتا۔ اور اپنے ساتھ اپنی اُس آواز کو بھی لیجا جو میری روح کو زیرو زبر کر رہی ہے، اور اُس تھکے ہوے نشے کو بھی ساتھ لے جا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محترص بغلگیری سے حاصل ہوا ہے۔

اتنی دور جا کہ تیری آواز کو، تیرے گانے کو نہ سُن سکوں، تجھے نہ دیکھ سکوں۔ اور تو بھی لے موسیقی، آہ! اے موسیقی، تو بھی چپ ہو جا۔ وہ غزل نہ گا، وہ راگ نہ گا، جو مجھے زندگی کی سب سے بہتر اک رات کی یاد دلاتا ہے۔ اُن حرارتوں کو، اُن شعروں کو جو میری روح میں مستور ہیں، بحران و ہیجان نہ دے۔

کیونکہ میں خود اپنے سے، اپنی طاقت تحمل سے شبہ کرنے لگا ہوں، کیونکہ میں ڈرنے لگا ہوں کہ میں اس عورت کے لیے سب کچھ کر گذروں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں اپنی متانت کھو بیٹھوں گا، اپنی سلامتی، اپنی انسانیت جسے میں اب تک قائم رکھ سکا ہوں، ہاتھ سے دے بیٹھوں گا

چپ رہ، دیکھ میں کانپ رہا ہوں، دیکھ میں مرا جا رہا ہوں۔

یلدرم

مجھے دیکھا کیوں

(ایک ہندوستانی مغنیہ کی طرف سے)

آہ! یہ نظریں! بس لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے۔ اس سے تو میں اندھی ہوتی کہ نہ کوئی صاحب میری نگاہوں پر فریفتہ ہوتے اور نہ یوں بھگو بھگو کر لگاتے۔ شکوہ شکایت تو آگے چل کر ہوگی جناب پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو آپ نے اس طرف رُخ ہی کیوں کیا

پھر پوچھتی ہوں منت سے پوچھتی ہوں۔ کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں کاش مجھے یہ اختیار حاصل
ہوتا کہ پوچھتی آپ نے ۔ مجھے ۔ دیکھا ۔ کیوں۔ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ
نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی۔ مگر صدمہ تو اس بات کا ہے کہ آپ نے میرا دل نہ دیکھا۔
اُس کے زخم نہ دیکھے اُس کا جنازہ نہ دیکھا۔ اُس کی بے نشان قبر نہ دیکھی۔ اور تو اور اُسکے دوامی عرس کا
جو زندہ اشتہار ان کالی کلوٹی آنکھوں میں تھا۔ اُسے بھی نہ دیکھا۔ حیف!

جی ہاں "شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں" سبحان اللہ۔ کس قدر اچھا کہا
ہے! پھر فرمایئے گا؟ "مسرت مخمور" اس خوشی کا نشہ کہ جنا۔ بیدرد نکتہ چین۔ آوارہ مزاج ۔
خدائی خوار۔ "زرہ مخمورم"۔ کی ضرورت سے "آیئے" "بیٹھیے" "خوب" "بہت خوب" "سبحان اللہ"
"واہ واہ"۔ کہیں؟ مجھ بدنصیب کی خوشی اور وہ بھی مخمور کر دینے والی خوشی کا اندازہ کس قدر صحیح کیا گیا ہے
بس مجھے کچھ اور کہنا نہیں بھر پائے۔

"میری سیاہ آنکھوں کی سوزان ظلمتوں میں اک مبہم اشارہ دعوت پایا" ٹھیک پایا۔ میں
بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے۔ میرے زخم جگر پر
مرہم لگائے مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سا سہارا
ہی دیدے۔

مگر میری تقدیر دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلے "حرص سے لرزنے لگی"
اور طرہ یہ کہ یہ بھی میرا ہی قصور رہے سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ میں بھی لڑتی۔ مگر چپ ہوں
اور دل کو مار لیتی ہوں۔ کہ جی ہاں میرا لطف خریدا جا سکتا ہے"۔ اور اسی سبب سے دیکھنے والے کا
سارا شوق بجھ جاتا ہے۔ میری "بے ہیجانی" "بے حرارتی" "بے محبتی" اسے زائل کر دیتی ہے ۔
"بجھا دیتی ہے"۔

اسے بھی جانے دیجیے۔ غضب تو یہ ہے مجھے بالکل مردہ سمجھ لیا۔ میرا "اظہار شوق جھوٹا"
میرا "گلے ملنا پر اکراہ" "میرے بوسے تھکے ہوئے اور سست"۔ پیارے دیکھنے والے برائے خدا
دو چار گالیاں اور دیدو۔ کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ فرمایئے۔ تیرا مرنا شعبدہ روحانی۔ تیرا
جنازہ ایک خالی چاند۔ تیری قبر باقی کیسے؟ گڑھا۔ تیرا حشر نشر میرے پیٹ کا سانگ۔

افسوس!! افسوس!! ۔ مدت بعد ایک شخص ملا۔ مگر راز دل سے نا آشنا!

والٹ ویلڈرم بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر مایوسی کہتی ہے۔ صبر کر خاموش ہو جا۔ کیونکہ

آپ اس قدر بیزار ہوئے کہ ذرا سی دیر میں دور دور کرنے لگے۔ میں بھی مردود۔ میری آواز بھی مردود۔ میرا گھایا نشہ بھی مردود۔ اور میرے ساتھ موسیقی اور شاعری سب مردود۔ بڑے سنگدل ہو! شاید بیلدرم کے معنی ہی سنگدل کے ہوں۔

اچھا اے گل بیلدرمو۔ (آج سے میں ہر سنگدل مرد کو بیلدرم کہا کروں گی) سنو۔ گوش ہوش سے سنو۔ کہ میں کون ہوں۔ میری حالت کیا ہے اور کس کس کی گردن پر میرا خون ہے۔ پہلا گناہ میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر دنیا میں آئی۔ بدظنی کا آماجگاہ بنی۔ رقابتوں کا مرکز ٹھہرائی گئی یہ سب میرا قصور ہے۔ مرد کا اس میں قصور نہیں ہے! بدصورت ہوتی تو بھی نیک سیرت مرد زندہ درگور کر دیتے۔

اب جو خیر ذرا اچھا آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں تو میری کیا کیا ہجو کی جاتی ہے۔ نظریں تو نظریں گلے ملنے اور بوس وکنار تک کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ میں گانا نہ سیکھتی کہ نہ مغنیہ ہوتی اور نہ مردوں میں بلائی جاتی۔! مگر کیا میں نے اپنے شوق سے ایسا کیا؟ کیا مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حس پیدا نہیں کی؟ اے اہل دل مردو کیا اسے بھی میں اپنا ہی قصور تسلیم کروں؟ او ہو مجھے اب اپنا اصلی قصور معلوم ہو گیا۔ عورت بھی ہوئی۔ خوبصورت بھی ہوئی گانا بھی سیکھتی۔ مردوں سے بھی ملتی۔ مگر اپنا دل نکال کر پھینک دیتی !۔

ورنہ میری "بے حرارتی"۔ "بے محبتی" وغیرہ کی کیوں شکایت ہوتی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ ظلم عورت پر اور اُس کی غنائی ہستی پر تقدس نما لوگوں کی طرف سے ہوا۔ اُنھوں نے خدا کا تو یقین کیا۔ مگر خدا کے بعد جیسا کہ حق تھا۔ عورت کا یقین نہ کیا۔ اکثروں کو بند کر کے اُنکی زندگی بے ثمری کر دی اور اُنکے اور علم موسیقی کے درمیان ایک ایسا دبیز اور موٹا پردہ حائل کر دیا۔ جو نہ اُٹھائے سے اُٹھے نہ پھاڑے سے پھٹے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج میں ہوں اور میرا بدنام فرقہ ہے ہمارے کلیجے ہیں اور بیلدرموں کے تیر۔

ہم بھی انسان تھے۔ ہم بھی دل رکھتے تھے۔ ہمیں یوں "بارہ پتھر باہر" نہ کیا جاتا تو ہم بھی گھروں کی بستی ہوتے۔ مردوں کے غمگسار ہوتے۔ ہم میں بے حرارتی۔ اور بے محبتی نہ ہوتی۔ ہمارا اظہار شوق جھوٹا نہ ہوتا۔ حیف اب ہمیں لوگ دیکھتے ہیں تو کس کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت دیکھتے تو ضرور یوں دیکھتے۔ ؎

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھکر پاؤں ترا مُنھ نہ کسی کا دیکھے

دیکھو مسٹر یلدرم۔ ایک نصیحت میری مانو کہ آج سے کسی مغنّیہ کو نہ دیکھنا اور یہ سزا اس قصور کی ہے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ "بقلم نسائی"

ہاں دیکھا

(ایک ہندوستانی مغنّیہ کو)

(یلدرم کی طرف سے)

ہاں دیکھا۔ تم کو دیکھا۔ تمھاری آنکھوں کو دیکھا۔ آنکھوں کی تعریف کی۔ کوئی گناہ کیا؟ اگر کیا تو اُس کی سزا تم نے تجویز کر دی۔ اُس کا خمیازہ ایک نہیں بہت سی راتوں کو بھگتنا پڑا۔ تم کہتی ہو کہ "لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے" مَیں کہتا ہوں "مجھے دیکھا کیوں" کہنے والے کو خدا انصاف دے تم پوچھتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" مَیں جواب دیتا ہوں تم نے مجھے دیکھنے کو کیوں دیا؟ کیوں تم نے مجھے دیکھنے کے لیے دعوت دی؟ اور مجھ سے کہا کہ دیکھو۔ سنو۔ مسرور ہو اُس پر مَیں نے دیکھا تو چند را کر کہتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں نے دیکھا۔ ہاں دیکھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے جوابی نظروں سے میری نظروں کا استقبال کیوں کیا؟ اگر کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ مَیں تمھیں دیکھوں اور تم اپنی جوابی نظریں ڈال کر مجھے پریشان کرو تو پھر یہ سوال کیسا؟ کون سا انصاف اسکی اجازت دیتا ہے؟ مگر انصاف کی کیا دُہائی دوں انصاف تمھاری سرشت میں نہیں۔ انصاف کی پرچھائیں تمھارے سایہ تک سے بھاگتی ہے۔ اچھا انصاف نہیں رحم۔ واہ رحم۔ کیا کبھی کسی مغنیہ نے رحم کیا ہے؟ بال بچے برباد۔ گھربار تباہ۔ کن لوگوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ خاندانی ثروت۔ دولت عزت کی چادر کو کون لوگ کونا پکڑ کر الٹ دیتے ہیں "تم" "تم"۔ اس لیے رحم کا بھی گذارہ نہیں۔ خیر اب مَیں تمھاری ہی دُہائی دیتا ہوں۔ تمھیں بتاؤ جو کچھ تم نے لکھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟

تم کہتی ہو کہ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی "ماشاءاللہ کیا بھولا پن ہے"۔ جی نہیں تم کو تو شکوہ شکایت کرنی چاہیے تھی اور تم نے کی ہی - یہ میں کیا کہوں کہ تم کو کیا چاہیے تھا اور کیا کیا - مگر تم کہتی ہو کہ "آنکھیں دیکھیں میرا دل نہ دیکھا" جی ہاں آنکھیں دیکھیں دل کیا دیکھیں وہ دل جس میں سیکڑوں ہزاروں کی خود مطلب اور خود غرض محبت کے تابوت رکھے ہیں جن میں سے گو ہر ایک جداگانہ رنگ کا ہے مگر جن سب کی کشش ایک مقصد کی طرف ہے جب ضرورت ہوتی ہے تو جس تابوت کو آپ کے حضرت دل ٹھوکر لگا دیتے ہیں اُس میں سے آہ و بکا کی سُریلی آواز نکل کر حشمت آلود دیویوں کو حکم دیدیتی ہے اور آپ کا خود غرضانہ کام بن جاتا ہے - جب آپ کے حضرت دل چاہتے ہیں تو کسی تابوت کو چھیڑ دیتے ہیں اور اُس تابوت والے سے سب کچھ اُٹ کرا لیتے ہیں اور اُسکی نعش کے لیے تابوت تک نہیں چھوڑتے اور اُن شان و شوکت والوں کی نعش جو ہاتھیوں پر بیٹھ کر بازاروں میں نکلتے تھے بے گور و کفن پڑی رہتی ہے مگر اُس تابوت والے کے بے تابوت ہوتے ہی اُسکی جگہ کوئی دوسرا لے لیتا ہے اور آپ کی بیلا سے دل محل مغنیہ میں بدستور دُلہن بنی ہوئی تشریف فرما ہوتی ہیں - آپ کے "دل" کو کوئی کیا دیکھے؟ اُسکے "زخموں" پر کوئی کیا نظر ڈالے؟ اُسکا "جنازہ" دیکھ کر کوئی کیا کرے؟ اُسکی "بے نشان قبر" پر کوئی کیا فاتحہ پڑھے؟ تمھارے دل کے زخم کیا ہوں گے تم لوگ ایسے تیرانداز ہی نہیں جو اپنے تیر لگانے میں اسقدر مستغرق ہو جاے کہ دوسرے کا تیر بھی اثر کر جاے - تمھارے دل میں زخم ہوں گے تو اُن تیروں کے جو دوسروں کے پاک دلوں کو نہ چھید سکے ہوں اور اگر تمھارے ہی دل میں ناکامی کا زخم لگا یا ہو - جنازہ ہوگا تو کس کا اُنھیں تیروں کا - بے نشان قبر ہوگی تو کس کی اُنھیں تیروں کی -

اپنے دل کا جنازہ مجھے دکھاتی ہو حق تو یہ تھا کہ خود دیکھتیں اور سبق لیتیں۔

تم کہتی ہو کہ میری خوشی کا اندازہ کسقدر صحیح کیا گیا ہے مجھے "کچھ کہنا نہیں بھر پایا" جی نہیں تمھاری خوشی کا اندازہ بالکل غلط کیا گیا۔ مجھے بھی افسوس ہے تمھاری خوشی کا صحیح اندازہ تو یہ ہوتا کہ تم جس سے ملتی ہو دل سے ملتی ہو۔ خوشی سے ملتی ہو۔ زرطلبی کی خواہش سے نہیں دل طلبی اور محبت طلبی کی خواہش سے ملتی ہو اگر کوئی تمھاری خوشی کے اندازہ میں بھی دھوکا کھاتا تو تم کہتیں واہ واہ جزاک اللہ کیا ذہن رسا پایا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مغنّیہ ہونا ممکن ہے مگر دل سے محبت کا جوش عشق کی اُمنگ کا مفقود ہونا ناممکن۔ اگر وہ اندازہ صحیح نہیں تھا اُس پر چوٹ کرتی ہو نام دھرتی ہو تو میں تمھاری خاطر سے کہے دیتا ہوں کہ تمھاری خوشی کا یہ اندازہ جائز اور ٹھیک صحیح۔ اَب تو خوش ہو اب تو سچ مچ بھر پایا یا اب بھی کوئی کسر باقی ہے؟

تمھارے نزدیک تمھاری آنکھوں میں اشارۂ دعوت نہیں تھا اچھا میں بھی کہتا ہوں کہ اشارۂ دعوت نہیں تھا مگر اشارہ عداوت تھا جس کو بعض زر دیدن و فولاد نرم کے عامل اشارۂ دعوت کہہ دیتے ہیں۔ میں نے اشارہ دعوت اس لیے کہا کہ تمھاری آنکھوں سے وہ قاصد نظر دعوت کا پیغام ہی لے کے چلا تھا مگر اسکی "سوزاں ظلمتوں" میں عداوت کا زہر اس طرح بنا سنوار کے چھپا دیا گیا تھا جس طرح تم اپنا دل اور اسکا بھید چھپائے رکھتی ہو۔

تم کہتی ہو کہ "میں بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے" میرے زخم جگر پر مرہم لگائے" مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سہارا ہی دیدے"۔ واللہ بہت خوب بُلانے کا کیا اچھا مقصد تجویز کیا ہے۔ کسی ہادی کی تلاش تھی۔ کسی پیر مرد کی جستجو تھی۔ بہت اچھا

خدا نیک ہدایت دے۔ اسی لیے مجھے بلاتی تھیں۔ افسوس ہے میں نہ سمجھا۔ میری سمجھ کا قصور ہے تمھاری نیت اچھی تھی۔ کیوں صاحب یہ جو آپ کے ہاں لوگ آتے ہیں ان میں سے کتنی ہادی کتنے مرشد اور کتنے ولی ہوتے ہیں۔ انھیں بھی تو تم پہلی دفع اس غرض سے بلاتی تھیں کہ تم معصومؑ فرشتہؑ کو قعر بدنامی سے نکالدیں مگر تم میں وہ اوصاف قدرت نے نہیں بلکہ تمھاری بے حیا بے حمیت بے شرم بے حجاب زندگی نے پیدا کر دیے تھے۔ کہ ان سے تمھاری ہدایت نہ ہو سکی اور تم ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں۔ انھوں نے ممکن ہے تم کو کچھ سہارا دیا ہو مگر تم اسس کا توڑ جانتی تھیں تم نے اُلٹا ان کو زمین پر دے ٹپکا۔ تم کو قعر بدنامی سے نکالنے کے لیے آئے تھے اور بقول تمھارے تم نے اُسی لیے بلایا تھا مگر اُلٹے قعر بدنامی و بربادی میں گر پڑے۔

تمھاری "تقدیر" تمھاری نیت اور تمھارے پوشیدہ ارادے کو "دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلہ حرص سے لرزنے لگی"۔ جی ہاں حرص سے نہ لرزتی تو کیا ہوتا۔ ہمدردی کرتے تو کیفر کردار کو پہنچتے بھلائی کا بدلہ بُرائی ہوتا۔ اگر سچ مچ تم یہ چاہتیں کہ کوئی آئے تم کو قعر بدنامی سے نکالے تو یہ کیوں کہتیں "اگر یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو ادھر کا رخ ہی کیوں کیا" تم کہتی ہو کہ "سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے میں بھی لڑتی مگر چپ ہوں دل کو مارتی ہوں" گو تم اپنے دل سے سچی محبت سچی ہمدردی کو دور دور پرے پرے کرتی ہو مگر سچائی کا وہ جوہر جو قدرت نے ہر ایک میں ودیعت کیا ہے اتنی احتیاط کے پردوں میں بھی جھلک دکھا دیتا ہے اور راز کو فاش کر دیتا ہے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ خود تم ہی نے تمھارے دعوے کو باطل ثابت کر دیا۔ بتاؤ کہ تمھارا اصلی مقصد کیا تھا۔ خود قعر بدنامی سے نکلنا یا دوسرے کو

تعزیر بدنامی میں دھکا دینا۔ تمہارے نزدیک تمہارا "لطف خریدا" نہیں جا سکتا۔
جی ہاں سچ ہے۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر دکھانا تمہارا ہی کام تھا۔ دیکھنے والا
بھی لطف خریدنا چاہتا تھا مگر اس کا شوق "محبت آلود" "حمیت آمیز" لطف کو
محبت سے خریدنا چاہتا تھا مگر اسکو معلوم ہو گیا۔ جو دل آنکھوں پر رکھنے کی چیز
ہے وہاں ایک سیاہ پتھر رکھا ہوا ہے وہ تہ کو پہنچ گیا اور جس طرح بھاری پتھر
کو چوم کر چھوڑ دیتے ہیں اس نے دیکھا سوچا اور ٹھکرا دیا۔ اب بتاؤ کہ اگر اس کا
"شوق بجھا" تو ٹھیک بجھا یا غلط۔

تم شاکی ہو کہ تمہیں بالکل مردہ سمجھ لیا گیا تمہارے "اظہار شوق کو جھوٹا" کہا گیا
تمہارا "گلے ملنا پُر استکراہ خیال کیا گیا" تمہارے بوسے تھکے ہوئے اور سست
بتائے گئے۔ جی نہیں تم زندہ اور ایسی زندہ کہ ہزاروں زندوں کو زندہ درگور کر دو
تمہارا "اظہار شوق" سچا۔ تمہارا "گلے ملنا" محبت کی شان۔ تمہارے بوسے باد صبا
کی طرح دلفریب اور شیریں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم محبت میں سچی ہر ایک کو سچے دل
سے پیار کرنے والی۔ ہر ایک کے لطف کو دوبالا کرنے والی۔ مگر للہ یہ تو بتاؤ کہ
ہر۔ ایک۔ کو سکا کیا جو اب تمہارے پاس ہے۔ کیا قدرت نے تمہارے دل میں
وہ گنجائش دی ہے کہ وہ ہر ایک کا ہو کر ایک۔ ایک کا ہو سکتا ہے۔ یا تم کو
کوئی سو دو سو دل دیئے گئے ہیں جو الگ الگ خانہ میں ہر ایک کے ایک ایک
اور الگ الگ ہو کر رہتے ہیں۔ اگر اس کا جواب مل گیا تو میں قائل۔ میں جھوٹا
تم سچی تمہارے دعوے قابل تسلیم، تمہاری محبت قابل ستائش اور تم قابل
پرستش۔ تم نہایت پیارے لہجہ میں "گالیاں دیئے" کی فرمائش کرتی ہو کہ میرا کوئی
ارمان باقی نہ رہ جائے، میرا ارمان تو یہ تھا کہ کاش تمہارے پاس ایک دل اور
صاف دل ہوتا اور صرف ایک کے لیے ہوتا جب ہم دیکھتے کہ کون سا یلدرم

تمھارے لیے "تیغ بکف" نظر آتا۔

تم مجھے کیا خوب فرمائش کرتی ہو کہ میں کہوں تیرا مرنا "شعبدۂ روحانی" تیرا جنازہ ایک "خالی مچان" تیری "قبر ہاتھی پکڑنے کا گڑھا" تیرا "حشر نشر" بہروپیے کا سانگ۔ جی نہیں تمھارا مرنا دنیا کے لیے عبرت کا تھیٹر۔ تمھارا جنازہ اخلاقی سبق حاصل کرنے کی مجلد کتاب۔ تمھاری قبر عذاب الٰہی کا عجائب خانہ۔ تمھارا حشر نشر۔ دوزخ میں جانے والوں کے لیے تسکین کا سامان۔ "افسوس افسوس" تم کو مرنے کے بعد ایک شخص ملا اور وہ ایسا سنگدل کہ تم نے اسکے ہم ناموں کو بھی سنگدل ٹھہرایا۔ تم کو شکر کرنا چاہیے تھا کہ ایک شخص ایسا ملا جس نے تمھارے وجاہت پرست دل کو ایک ٹھیس لگائی اور تم کو یہ خیال تو آگیا کہ میری زندگی نیکی میں بسر ہوتی تو وہ کیسی ہوتی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمھارے ساتھ ذرا سی دیر میں دنیا کی اور لطیف چیزوں حتیٰ کہ موسیقی اور شاعری کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگا او بدنصیب عورت دیکھ اور غور کر صرف تیری وجہ سے دنیا کی لطیف چیزیں بھی ٹھکرائی جانے لگیں کیونکہ وہ تیرے قبضہ میں ہیں۔ کاش کہ تو۔ تو نہ ہوتی تو موسیقی۔ شاعری۔ آنکھوں پر بٹھانے کی چیز ہوتی اور رہے گی۔ جہاں تو اور وہ ساتھ نہیں ہیں وہاں یہ چیزیں کس قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ افسوس تو انسان ہو کر وہ چیز ہے کہ تیرے قبضہ میں آجانے سے دنیا کی نعمتوں کو بھی مردود کیا جاتا ہے۔ تو نے دنیا کو جو کچھ بگاڑا سو بگاڑا دنیا کی لطیف چیزوں کی بے عزتی اور ہتک کی جو حشر کے دن تیرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر خدا سے فریاد کریں گی۔ تو دنیا کے مردوں کی گردن پیر رکھنا چاہتی ہے مگر یہ جب سچ ہوتا جب اپنی گردن کو اس سے آزاد کر پاتا لقیہ حصہ۔ اُن بدنصیب مردوں کی گردن پیر ڈالتی جو مرد کہلاتے ہیں وہ نامرد ہیں۔ جو انسان کہلا کر انسانیت اور شرافت کے

جوہر سے کوسوں دور ہیں۔ جو تیرے دل کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ جو تیرے دھوکے اور فریب میں آجاتے ہیں۔ تو کہتی ہے کہ "سب سے بڑا قصور میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر پیدا ہوئی" یہ قصور نہیں وصف ہے، رحمت ہے اگر تو عورت ہوتی اور۔ تو نہ ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اگر میں عورت نہ ہوتی تو مرد زندہ درگور کر دیتے اگر تو عفت اور عصمت کی بعض پابندیوں کو جو ایک گھر کی عورت کو مغنیہ کے مقابلہ میں کرنی پڑتی ہیں "زندہ درگور" ہونا خیال کرتی ہے تو جہاں ہے وہیں رہ اور جو کچھ جس کسی کے جی میں آئے کہے تو سن اور مسکرا۔ ورنہ نیچے اتر اور دیکھ کہ تو کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ تو اپنے آپ کو عالم بالا پر پہنچا ہوا سمجھتی ہے مگر تجھکو معلوم ہوگا کہ جہاں تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے کتنی گہرائی میں واقع ہے۔

تو کہتی ہے کہ "مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حسن پیدا کر دیا۔ واہ واہ ماشاءاللہ کیا خوب۔ اب آئندہ کبھی کہنے کی ضرورت پڑے تو یوں کہنا۔ نا اہل مردوں کی طلب کاذب اور ہوسناکی نے ہم میں یہ حس پیدا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک حصہ تم کو اس قعر تباہی میں ڈالنے میں ان کا بھی ہے اور ضرور ہے۔

"تقدس نما" لوگوں کو مجرم قرار دینا تیرا ہی کام تھا باقی دبی زبان سے اس کا اعتراف مجھے بھی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا اور سخت ظلم کیا۔ عورت اور موسیقی دونوں کو الگ کر کے دنیا میں ایک گہرے نفرت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو خرابی کے جال میں پھانسا۔ اب بھی اگر تو عورت اور موسیقی ایک ساتھ مل کر عورت کے دلدادہ اور موسیقی کے شیدا تیری طرف رجوع کریں تو تم لوگ بہت کچھ اچھے ہو سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ موسیقی اور تم کی معجون مرکب میں کوئی دوسرا عنصر شامل نہ ہو۔ پھر تم ضرور ایک آدھ پاٹ سے بعد اس قعر ذلت

نکل جاؤ گی جس کو تم اپنی جنس کے لیے موت سے تعبیر کرتی ہو اور ایک زمانہ آئے گا کہ تمھارا دیکھنے والا تمھارا چاہنے والا تم سے محبت کرنے والا کہے گا

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھ کر پاؤں ترا مُنھ نہ کسی کا دیکھے

تم آخر میں یلدرم کو نصیحت کرتی ہو کہ اب کسی مغنیہ کو "نہ دیکھنا"۔ دیکھیں گے ضرور دیکھیں گے مگر دل کو قابو میں رکھیں گے اور تم کو اس قعر ذلت سے نکالیں گے۔ دیکھو اس دیکھنے سے یہ فائدہ تو ہوا کہ تم کو اپنی زندگی پر غور کر کے معلوم ہوا کہ تمھارا صحیح مصرف کیا تھا اور اب تم کیا ہو۔

اگر تم نے یہ سب باتیں چند روز لکھی تھیں تو تم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ یلدرم آئندہ کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اگر دیکھنا تو دل کو قابو میں رکھنا۔

"رجالی"

شہر مصر نو سو برس پہلے

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

غرضکہ اہل مصر بہت اطمینان اور امن و امان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ بزازوں صرافوں، اور جوہریوں کی دوکانوں پر خرید فروخت کی ہر وقت گرما گرمی رہتی تھی۔

ایک دولتمند یہودی جوہری سلطان کا مقرب تھا اُس پر سلطان کو اتنا بھروسا تھا کہ جواہرات خریدنے کی خدمت اُسکے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک دن اس یہودی کو فوجی سپاہیوں نے مار ڈالا۔ پبلک میں یہ واقعہ اہم سمجھا گیا اور مرتکبین بھی اپنی حرکت سے نادم و خائف ہوے۔ عام طور پر حبب اور فوجی سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اس جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی تو بیس ہزار سوار مجرموں کو لیکر شہر سے باہر نکل گئے

اور ایک میدان میں جمع ہوئے - اس مجمع کا باشندگان شہر پر بڑا اثر پڑا لوگ خائف ہونے لگے مقتول یہودی کے بھائی کا بھی بُرا حال ہوا اس نے گھبراہٹ میں آؤ دیکھا نہ تاؤ بارگاہ سلطانی میں عرضی اس مضمون کی پیش کردی کہ۔

"میں اپنی جان و مال کی بچاؤ کے عوض میں شاہی خزانہ کی چالیس ہزار دینار مغربی سے خدمت کر سکتا ہوں"

اس درخواست سے سلطان کا مزاج برہم ہوا حکم دیا کہ درخواست مجمع کے سامنے لے جا کر پھاڑ ڈالی جائے کہ نہ تمھاری جان سے کسی کو دشمنی ہے اور نہ مال کی پروا تم اپنے کو ہر طرح ایمن سمجھو۔ اس کے بعد متمرد سپاہیوں کے متعلق حکم ہوا خادم فوجی مجمع کے سامنے آکر کہنے لگے "تم لوگ اطاعت کروگے یا نہیں" سپاہیوں نے اک زباں ہو کر جواب دیا" ہم سلطان کے مطیع اور فرمانبردار خادم ہیں - یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سے قصور ہوا جس کی تہ دل سے معافی چاہتے ہیں۔ جب دو بارہ خادموں نے آکر معافی قصور کا شاہی فرمان سُنایا تو یہ لوگ مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بصدق دل دوبارہ اطاعت کا حلف اُٹھایا۔ اور اس طرح یہ فتنہ رفع دفع ہوا۔

شہر مصر ہی میں نہیں بلکہ ملک شام سے لے کر قیروان تک سلطانی عملداری کے جن جن شہروں اور قصبوں میں میرا گذر رہوا وہاں کی ہر مسجد کے کُل اخراجات کا بار سلطانی خزانۂ عامرہ پر تھا۔ روشنی کے لیے چراغوں کا تیل فرش کے لیے چٹائی بوریے وغیرہ کا اعلےٰ انتظام اور امام مؤذن فراش کی تنخواہیں اور انعام سب سلطان کی طرف سے تھا۔ ایک سال شام کے گورنر نے رپورٹ کی "زیتوں کی کمی ہے اگر حکم ہو تو روغن ترب و شلجم فراہم کیا جائے" اس پر حکم ہوا "جس چیز کا تعلق خدا کے گھر سے ہے اُس میں کانٹ چھانٹ اور رد و بدل جائز نہیں"

ہر قاضی کی تنخواہ دو ہزار دینار مغربی ماہوار مقرر تھی تاکہ کسی کے مال و دولت پر لالچ کی نگاہ نہ ڈالے اور دولتمندی دیکھکر حرص و ہوس کی آگ مشتعل نہو سکے۔

باغ لگانا اگر کوئی شخص باغ بنانا چاہے تو ہر فصل میں بنا سکتا ہے کیونکہ جن پودوں کی باغ لگانے میں ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہمیشہ آسانی سے مل سکتے ہیں۔ خواہ پھل دار ہوں یا پھول دار یا بغیر پھل پھول کے۔ بہت لوگ پودے بیچنے کا ہی پیشہ کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پودے ان کی معرفت مل سکتے ہیں۔ یہ اپنے بلند مکانوں کی چھتوں پر ہر قسم کے پودے ہر وقت اُگا کے رکھتے ہیں۔ اُن کی چاندنیاں اچھا خاصا باغ ہوتی ہیں جس میں نارنگی شفتالو انار سیب بہی وغیرہ اور ہر قسم کے پھلوار کے درخت ہوتے ہیں جس کو ضرورت ہوتی ہے مناسب قیمت پر خرید کر مزدوروں پر لدوا کے لے آتا ہے۔ محافظت کے لیے جڑوں کو گیلی مٹی سے لپیٹ دیتے ہیں تاکہ ہوا لگ کر اُگنے کے ناقابل نہو جائے۔ جہاں لگانا ہوتا ہے پہلے سے وہاں گڑھا کھود رکھتے ہیں اور پودے کو گاڑکر مٹی برابر کر دیتے ہیں یہ لوگ کئی بار ایک پودے کو ایک جگہ سے دوسرے مقام پر منتقل کرکے لگا سکتے ہیں اور اس آہستگی اور ہوشیاری سے کہ درخت کو بھی خبر نہو انصاف یہ ہے کہ اس قسم کے ماہر فن باغبانی کسی دوسرے شہر میں میں نے نہ کبھی دیکھے نہ سُنے یہ لوگ اپنے ہنر میں بے نظیر مہارت رکھتے ہیں۔

مطالب اہل مصر ان لوگوں کو مطالب کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانے اور دفینے تلاش کریں۔ ممالک شام مصر اور مغرب سے بیشمار اشخاص اس سودے کو سر میں لے کر یہاں آتے ہیں اور بہت کچھ صرف کرکے اکثر بوجہ ناکامی مفلس ہو کر واپس جاتے ہیں کسی خوش قسمت کو کبھی کوئی دفینہ مل بھی جاتا ہے جس سے اُسکے دن پھر جاتے ہیں۔ عام طور پر یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ان اضلاع میں فرعون کی دولت و مال مدفون ہے جس کو دفینہ مل جاتا ہے وہ پانچواں حصہ حسب قاعدہ بحق سلطان

خزانۂ شاہی میں داخل کرتا ہے اور چہارم حصہ اُسکی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

محمد اسمعیل ہاتف

بزم شیخ و شاب

غم سے گو خلوت میں رہتا ہوں میں پیچ و تاب میں　　فرق گو کرتا ہے مشکل مجھ میں اور سیماب میں
دل بہل جاتا ہے لیکن محفلِ احباب میں　　بیٹھ جاتا ہوں میں دم بھر جبکہ شیخ و شاب میں

مجمع احباب میرا اور میں ہوں مغتنم
ایک ہے اپنی نظر میں جلوۂ دیر و حرم

دوستی سے دوستی ہے بیر ہے یاں بیر سے　　کام ہے باغ محبت کی انوکھی سیر سے
ہم ملے یوں اہل حرم ملتے ہیں اہلِ دیر سے　　جس طرح اپنا سمجھکر کوئی لپٹے غیر سے

ہاں تعصب مذہبی نظروں میں اپنی ہیچ ہے
تنگ چشموں کے مقدر کا وہ بیشک پیچ ہے

یاں محبت میں جسے دیکھو سراسر فرد ہے　　سچا ہم مشرب ہے وہ ہمراز ہے ہمدرد ہے
میرا نالہ سُن کے اسکے لب پہ آہِ سرد ہے　　شکل محزوں دیکھکر چہرہ بھی اسکا زرد ہے

ایک سی الفت ہے سب کو سب وفا کوشوں میں ہیں
ایک ہی میخانے کے ہم سب بلانوشوں میں ہیں

بادۂ الفت کا بھی ہوتا ہے کیا سچّا خمار　　مرگ کی تر خشی سے بھی ممکن نہیں جسکا اُتار
ہم نے مانا چار دن کی زیست کا کیا اعتبار　　بعد مرنے کے ملیں گے پھر بھی ہم روز شمار

ہم جدا ہو جائیں لیکن دل جدا ہوتا نہیں
اس محبت کی بدولت ہائے کیا ہوتا نہیں

شرکت شادی میں اک جانب جو وہ تیار ہیں　　دوسری جانب ہمارے غم میں بھی غمخوار ہیں
سچی الفت حبِ صادق کے یہی آثار ہیں　　ایک دوا پیتے ہیں گر تو غیر بھی دو چار ہیں

امتیاز دین و ملت کی ضرورت کون ہے
اس سے بڑھ کر وصل صادق کی وہ صورت کون ہے

چندر[51] موہن کے ہے دل میں داغ الفت کا پڑا — پریم کا اوتار ہے بیشک کرشن[52] باوفا
ہے محبت سے بھری گرجا[53] کی بھی ہر ہر ادا — خلق سے ملتے ہیں جوتی[54] اور پتّو[55] بھی سدا

بامروت دیکھیے ہے ہر طرح احمد[56] حسین
اور ننکو[57] کو بھی فرقت میں نہیں پڑتا ہے چین

ہے فدا عثمان ہر اک پر سدا پروانہ وار — کیا کہوں بانکے بہاری[58] کی محبت کی بہار
بھول کر آتا نہیں دل میں لطافت[59] کے غبار — خوش نصیبی سے ملے ہیں کیسے کیسے غمگسار

سوز الفت دل میں ہے۔ غمخوار ابراہیم[60] ہے
آگ میں جل مرنے کو تیار ابراہیم ہے

جوش الفت سے ہوئے ہیں سب کے سب شیر و شکر — اب جدائی کا نہیں باقی ہے دلمیں کچھ اثر
بزم میں بیٹھے ہیں سب اس طرح حلقہ باندھکر — منسلک ہوں جس طرح سے ایک رشتہ میں گہر

کچھ عجب محفل ہماری بزم شیخ و شاب ہے
مختلف پھولوں کا اک گلدستۂ نایاب ہے

کام باسط وہ کرو، موقع ہو جس سے ناز کا — اپنے دل میں لطف پیدا کر لو سوز و ساز کا
بات کہدوں بھید کی۔ پردہ اُٹھا دوں راز کا — یاد رکھو یہ مقولہ شاعر شیراز کا

"حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

ماسٹر باسط علی باسط بسوانی

[51] بابو چندر موہن لال صاحب عرف راجہ [52] پنڈت رام کرشن صاحب ماسٹر۔ [53] بابو گرجا پرشاد صاحب عرف مسٹر متعلم بی۔ اے کلاس کرسچین کالج لکھنو۔ [54] بابو جوتی سروپ صاحب متعلم بی۔ اس۔ سی کلاس جمنا مشن الہ آباد۔ [55] بابو اودھ بہاری لال صاحب عرف پتّو [56] مسٹر احمد حسین صاحب عرف چُنّی مُنّی [57] بابو نرائن سروپ صاحب عرف ننکو۔ [58] بابو بانکے بہاری لال صاحب عرف منشی [59] مسٹر لطافت علی خاں صاحب عرف ننھون [60] مسٹر محمد ابراہیم صاحب۔

عالی ظرفی کی ایک عجیب مثال

جس زمانے میں اسلام کا آفتاب عالمتاب اسپین کے طول و عرض کو اپنی تنویر سے منور کر رہا تھا اور عربوں کی زبردست حکومت اس سرزمین پر قائم تھی اُسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک اسپینی سے (جو عیسائی تھا) اور ایک نوعمر مسلمان عرب سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی بیچارے عرب کے زخم کاری لگا اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکا اور اُسی وقت جاں بحق تسلیم ہوگیا۔

اس قتل کی خبر بجلی کی طرح محلہ والوں اور شہر کے لوگوں میں پھیل گئی اور سب لوگ اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر قاتل کو قتل کرنے کے لیے بے تحاشا دوڑے قاتل بھاگا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے گھر پہنچ جائے مگر ہر ایک راستہ کی ناکا بندی کرلی گئی۔

قتل کا محل وقوع ایک باغیچہ تھا چاردیواری باغیچہ کی جانب چھوٹی تھی مگر دوسری جانب اونچی تھی اسپینی دوڑتے دوڑتے فصیل کے پاس پہنچا اور دوسری جانب کود پڑا۔ اتفاق کی بات کہ وہاں گھورا تھا اُس نے گھبراہٹ میں اسی کو غنیمت سمجھا اور لیٹ کر اپنے کو کوڑے کرکٹ میں چھپا لیا۔ اسوقت اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا اسکے پیٹ میں سانس نہیں سماتی تھی خوف کے مارے زبان خشک ہوا جاتا تھا حواس باختہ ہو رہے تھے اور اپنے کو اب بھی امن کی جگہ میں نہیں سمجھتا تھا یہ اسی حیص بیص میں تھا کہ ادھر ایک بوڑھے عرب کا گذر ہوا جس کا مکان یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا اور اپنی آن بان سے غیر معمولی جوانمرد معلوم ہوتا تھا، قاتل کو اسوقت جو

دُمن بندھی تو لپک کر اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ عرب نے اس اچانک حرکت پر متحیر ہو کر اُس سے پوچھا۔ کیوں کیا معاملہ ہے۔ کس لیے تم اپنے آپے سے گذر گئے ہو؟ وہ بے اختیار چلانے لگا، امان! امان! اے پیر مرد امان!! اس وقت مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، لوگ مجھے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اگر اُنھوں نے مجھے پا لیا تو ضرور مار ڈالیں گے، اس واسطے آپ سے رحم کا خواستگار ہوں، امان دیجیے عرب نے اُسے غور سے دیکھکر کہا "ہرگز مت ڈرو۔ چونکہ تم اپنے بُرے فعل سے پشیمان ہو کر مجھ سے التجا کر رہے ہو اس لیے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں چھپانے، اور تمھاری جان بچانے میں، کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کروں گا میرے گھر چلے چلو وہاں آرام سے رہو قاتل نے شکریہ ادا کیا اور عرب کے مکان میں آ کر چھپ رہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد عرب کو خبر ہوئی کہ کسی اسپینی کے ہاتھ سے جو شخص مارا گیا ہے وہ میرا ہی بیٹا ہے یہ خبر بجلی کی طرح اُس کے ہوش حواس پر گری اور تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کی جو ناگفتہ بہ حالت ہوئی اُسکا ادا کرنا الفاظ کی مدد سے ممکن نہیں، وہ بخوبی سمجھ گیا کہ میرے بیٹے کا مار ڈالنے والا یہی شخص ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے، اس کا یہی اکلوتا بیٹا تھا جو نورِ نظر لختِ جگر، اور اُس کی دنیاوی زندگی کا نتیجہ ثمر تھا۔ تھوڑی دیر تک سکوت اور حیرت کے عالم میں رہنے کے بعد انتقام کا تیج جذبہ اسکے دل میں پیدا ہوا لیکن اس کی عالی ظرفی، غیرت، حق میزبانی اور رہ اہتیازی نے اجازت نہیں دی آخر کار وہ اپنی سب قوتوں پر غالب آ گیا اور اسی حالت میں قاتل سے ڈانٹ کر کہا "اس ناقابل معافی اور قبیح حرکت سے جو تم نے ابھی میرے ساتھ کی ہے کسی بات کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اسواسطے کہ ایسے

ناگوار موقع پر تمام عہد و پیمان پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے
کہ یہاں سے بہت جلد چلے جاؤ" قاتل نے اس تسکین بخش گفتگو سے خوش ہو کر
عرب کے قدموں پر سر رکھدیا اور ہاتھ چومنے کی کوشش کی عرب نے ہاتھ جھٹک کر
نہایت حقارت سے گھورا اُس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے غصہ کے مارے
کانپنے لگا اور کہا ملعون، مردود، خبیث، اُن ناپاک ہاتھوں سے جن میں میرے
لخت جگر کا گرم خون ابھی ٹھنڈا ابھی نہیں ہوا ہے، کس جسارت سے میرے
ہاتھ چھوتا ہے، جا، ہٹ جا۔ نابکار۔ میری خونفشاں آنکھیں تیری منحوس صورت
دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اسپینی اس غضبناک گفتگو سے سہم گیا خوف کے مارے
اس کے جسم کا خون برف کی طرح جم گیا اور حسرت سے عرب کی صورت
دیکھنے لگا اس کو یقین ہو گیا کہ میں نے اسی عرب کے لڑکے کو قتل کیا ہے۔
اس وقت یہ اپنی زندگی سے بالکل نا امید ہو کر موت کا انتظار کرنے لگا، بدن
میں لرزہ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا وہ سمجھنے لگا کہ مرت نے مجھے انتقام
کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عرب نے پھر کہا" اے عیسائی
اس گناہ کبیرہ نے جو تجھ سے ابھی سرزد ہوا ہے اگرچہ میرے قلب پر صدمہ اس کو جاودانی
عذاب میں مبتلا کر دیا ہے، میری فرحت و انبساط پر پانی پھیر دیا ہے مگر میرا وجدان اور
اور میری ظرف مجھکو بدلا لینے سے باز رکھتا ہے، جو عہد در صدر کر چکا ہوں وہ توڑنا نہیں چاہتا اور
اس مقدمہ کو عدالت الٰہی کے سپرد کرتا ہوں جہاں نیا ملاؤں کی عیب پوشی کے لیے رات کی
تاریکی کا پردہ موجود ہے" یہ کہہ کر گیا۔ اسپینی کو بھاگنے کا موقع ہاتھ آیا۔
بوڑھے عرب نے نہ صرف اپنے جگر پارہ کے خون سے در گذر کی بلکہ صبا رفتار اونٹ بھی
قاتل کی سواری کے واسطے دیا تاکہ وہ آرام سے اپنے گھر پہنچ جائے اللہ ری عالی ظرفی سچ
تو یہ ہے کہ عربوں کے سوا دنیا کی کسی قوم میں اس علو ظرفی کی مثال نہیں مل سکتی فاعتبروا
یا اولی الابصار۔

محمد اسمعیل۔ ہاتف

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی

(نام و نسب) تقی الدین ابو العباس احمد ابن شیخ شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم ابن شیخ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام ابن شیخ ابو محمد عبد اللہ ابن شیخ ابو القاسم خضر ابن محمد ابن الخضر ابن علی ابن عبد اللہ ابن تیمیہ -

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اُنکے جد امجد محمد ابن خضر حج کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو انھوں نے دروازہ تیما[۱] پر ایک لڑکی کو دیکھا جو اُنھیں بہت پیاری معلوم ہوئی[۲] پھر جب وہ گھر لوٹے تو اُنھیں خبر ملی کہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے جس کو انھوں نے اے تیمیہ اے تیمیہ کہکر پکارا -
بعض کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی دادی محمد کی ماں کا نام تیمیہ تھا اور وہ بڑی واعظہ تھی شیخ چونکہ بہت بڑے واعظ اور فصیح اللسان تھے لہذا اس مناسبت سے ابن تیمیہ کے لقب سے مشہور ہوے میرے خیال میں یہی وجہ موجہ تھی اور میں اسی قول کو ترجیح دیتا ہوں -

(ولادت) شیخ پیر کے دن دسویں تاریخ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں شہر حران میں پیدا ہوے یہ وہ زمانہ تھا جب خدا کے غضب کی تلوار مسلمانوں پر کھنچ گئی تھی اور فتنۂ تاتار تمام عالم اسلام میں آسمانی قہر و غضب بن کر چھا گیا تھا تاتاریوں کی خصوصیت سفک و قتل اتنی عام تھی اور اُن کے وحشیانہ مظالم کی خبریں اسقدر دور دور تک پھیل گئی تھیں کہ اُس وقت ایشیا میں کوئی ایسا

---

[۱] تیما (مدینہ شریف سے آٹھ کوس دور) ایک جگہ کا نام ہے - [۲] الکوکب الدریہ -

شہر نہ تھا جہاں کی آبادی خوف زدہ اور زندگی سے بیزار نہو اور تاتاریوں کے
شہر میں آنے سے پیشتر دنیا سے اُٹھ جانے کے لیے تیار نہ ہو گئی ہو۔ حران میں
جب اس فتنۂ قیامت کے قرب کی خبریں پہنچیں تو تمام آبادی میں کھلبلی پڑ گئی۔
حران کی رونق ہوا ہو گئی۔ جلا وطنی و مہاجرت کا مقدس مرحلہ ہر شخص کے
پیش نظر ہو گیا۔ شیخ کو ابھی ساتواں برس تھا کہ ۶۶۷ھ میں انکے والد کو اپنے
اہل و عیال کے ساتھ ان ہی وجوہ سے حران چھوڑنا پڑا اور شیخ اور اُنکے
بھائی اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ یہ مختصر سا قبیلہ جو بڑی
بے سروسامانی میں گھر سے نکلا تھا تاتاریوں کے خوف سے رات کو چلتا تھا اور
دن بھر جنگلوں اور ویرانوں میں سر چھپاتا پھرتا تھا اسقدر جلد سفر کی تیاری
کرنا پڑی تھی کہ کسی سواری کا بھی انتظام نہو سکا تھا صرف شیخ کے خاندان
کا علمی خزانہ یعنی کتابیں بجائے رخت سفر ہمراہ تھیں اگرچہ اس سفر میں
دشمن سے بچنے اور اس علمی خزانہ کے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن احتیاط پر کافی
غور خوض کر لیا گیا تھا اور دشمن سے دور رہنے کے لیے ہر ایک مشہور گذرگاہ
اور عام سڑکیں چھوڑ دی گئی تھیں مگر پھر بھی خدا کی قدرت ایک مقام پر تاتاریوں
سے مڈبھیڑ ہو گئی اور قریب تھا کہ ظالموں کے پنجہ میں اسیر ہو جائیں لیکن خدا کا
فضل شامل حال ہوا کہ ادھر تو انھوں نے رب السموات سے فریاد کرنا اور
گڑگڑا کر دعائیں مانگنا شروع کیا اور ادھر تاتاریوں کو ان کی بے سروسامانی
دیکھکر رحم آگیا اور یہ خاندان اس بلا سے بچ کر ۶۶۷ھ میں دمشق پہنچ گیا
دمشق میں پہنچ کر شیخ کے قوائے ظاہری اور باطنی کی نشو و نما ایسے اعلےٰ پیمانہ پر
ہوئی کہ خدا کی قدرت کو لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا شیخ کا بچپن بھی محیر العقول
عجیب الخصائص تھا وہ ابتدا ہی سے بڑے ذکی اور فہیم تھے۔ اُن کا ابتدائی درس

مطالعہ بھی مجتہدانہ انداز و خصوصیات اپنے اندر رکھتا تھا اُنھوں نے بہت تھوڑے زمانہ میں قرآن کو ختم کرلیا اور حدیث و فقہ و عربیت کے تدبّر و تفقہ اور حفظ و ذکر میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کا پایہ متقدمین کے مرتبہ کو پہنچ گیا وہ اپنے تمام اقران اور اماثل پر سبقت لے گئے وہ اُدھر تو حدیث سُنتے تھے اور ادھر اُسکو یاد کرلیتے تھے اُنھوں نے اکثر کتابیں اپنے شیخ کے سوا مختلف مشائخین سے بھی سُنی تھیں[1] چنانچہ انکے مشائخین کی تعداد دوسو سے زائد تھی سب سے پہلی کتاب جو اُنھوں نے حدیث میں حفظ کی وہ امام حمید مکی کی کتاب الجمع بین الصحیحین تھی شیخ نے حدیث کی بڑی کتابوں میں مسند امام احمد صحیح بخاری و صحیح مسلم ابن ماجہ دارقطنی نسائی کئی دفعہ سُنی بلکہ اُن کے علاوہ معجم طبرانی کبیر بھی اُن کی سُنی ہوئی تھی اُنھوں نے نہ صرف حدیث کو سُنا تھا بلکہ اُسکو لکھا اور پڑھا تھا وہ نحو میں کتاب سیبویہ پر کچھ دنوں غور کرتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے نحو کے تمام مسائل پر عبور حاصل کرلیا اور وہ اس فن کے بھی امام نظر آنے لگے پھر وہ تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے تمام معاصرین سے آگے نکل گئے اسی طرح فقہ اور اصول فقہ میں اُن کا علم و فضل حد درجہ بڑھا ہوا تھا حالانکہ ابھی بیس برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُس زمانہ کے علماء اور فضلا اُن کی حدت وجودت اور کمال ذکاوت دیکھکر حیران تھے اور اُن کی روانی طبیعت اور قوت حفظ اور سرعت ادراک کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔ ابن قدامہ کہتا ہے کہ اُن کے کمال حافظہ کی خبر سُن کر حلب کے ایک شیخ دمشق آئے اور شہر میں پوچھنا شروع کیا کہ کوئی بچہ احمد ابن تیمیہ یہاں رہتا ہے کہ جسکے حافظہ کا شہرہ مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے اور اُسکے ملنے کے قصد سے اتنی منزلیں طے کرکے آیا ہوں کوئی مجھے اُسکا پتہ بتائے تاکہ میں اُسکو دیکھ سکوں

[1] ابن قدامہ ترجمہ شیخ ابن تیمیہ۔

ایک درزی نے اُنکو دیکھا اور اُنکی بات سُن کر اُنھیں بتایا کہ یہی رستہ ابن تیمیہ کے کاتبوں کے مکان کا ہے اور وہ ابھی تک ادھر سے نہیں گذرا ہے آپ ایک آدھ گھنٹہ یہاں بیٹھیے وہ آپ کے سامنے ادھر سے نکلے گا یہیں آپ کی ملاقات ہوجاے گی شیخ درزی کی دوکان پر بیٹھے ابن تیمیہ کی راہ دیکھ رہے تھے کہ درزی نے پکارا وہ دیکھو وہ جو بڑی سی لوح لیے ہوے ہے یہی ابن تیمیہ ہے شیخ نے ابن تیمیہ کو آواز دی اور بڑھکر اُن سے ملے پھر اُنکے ہاتھ سے وہ لوح لے کر گیارہ یا تیرہ حدیثیں لکھدیں اور ابن تیمیہ سے کہا کہ پڑھو ابن تیمیہ نے شیخ کے لکھتے وقت جو ایک نظر اُن حدیثوں پر ڈال لی تھی وہ اُنکے حفظ کرنے کے لیے کافی تھی چنانچہ وہ سب حدیثیں شیخ کو حفظ سُنا دیں پھر شیخ نے متعدد اسانید منتخبہ تحریر کیے اور ابن تیمیہ نے اُنھیں ایک نظر ڈال کر پہلے کی طرح حفظ سُنا دیے شیخ یہ دیکھکر بیساختہ پکار اُٹھا کہ اگر اس لڑکے نے عمر پائی تو ایک بڑی چیز ہوگا میں نے اسکے مثل کوئی نہیں دیکھا اور واقعی یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ میں نے اسکی شہرت سُنی تھی۔ (باقی آیندہ)

راغب جیلانی

ابرِ سفید

اے فلک تجھ سے ہیں اتنی دور ہم
تو سُنے کیونکر ہمارا دردِ غم

آہ میں اب میری یہ طاقت کہاں
سا منے تیرے کرے جاکر فغاں

مدتوں سے مے نہیں ہے ساقیا نہیں
شیشہ و ساغر بھی اب باقی نہیں

تیرے قاصد اے فلک اب ہیں کہاں
برق بار و رعد یہ سب ہیں کہاں

منتیں میکش کی کر ہیں بے اثر
روئے ساقی پر تو کر لے اک نظر

ہاتھ اُٹھاے شیخ ہیں بہرِ دعا
برہمن ناقوس کو ہے پھونکتا

چپ کھڑا دہقاں ہے اپنے کھیت پر
العطش چلاتے ہیں جن و بشر

تیری ہی جانب نگاہ دہر ہے — او ستم پرداز یہ کیا قہر ہے

ہاں وہ دیکھو آگیا ابرِ سفید — شادمانی کی کوئی لے کر نوید

لائے ابر آ ذرا دل میں مرے — آگ دوزخ کی بجھا تسکیں دے

راحت قلب و جگر آرام جاں — قوت نامیۂ پیر و جواں

میکشوں کے سر پہ ہے رحمت تری — دل میں ساقی کے محبت ہے تری

نامیہ کچھ بھی نہیں تیرے بغیر — دست بے باک خزاں کو تجھ سے بیر

روح تو نے پھونک دی گلزار میں — جان سی اک پڑ گئی اشجار میں

اوج پر باد بہاری کا مزاج — واہمہ سے تیز تر چلتی ہے آج

کان میں یہ کیا صبا نے کہہ دیا — غنچۂ گل کھل کھلا کر ہنس پڑا

ہر شجر ہے باغ کا نخل امید — کوہ و صحرا میں بھی اب آئی ہے عید

رنگ میخانہ تو کچھ آج اور ہے — رند مے کش کا نرالا طور ہے

بعد مدت کے ملی میکش کو مے — خم کے خم خالی ہوئے ہیں پے بہ پے

لڑکھڑاتے آرہے ہیں شیخ جی — اے برہمن تھوڑی سی لے تو بھی پی

ہاں بتا دے یہ ذرا ابرِ سفید — بھر دیے ہیں تجھ میں کیا خالق نے بھید

جس نے دیکھا تجھکو وہ بے بس ہوا — آج تو خوش ہر کس و ناکس ہوا

رونق عالم کا تو ہی قوام ہے — ہاں یہ دست فیض تیرا عام ہے

مال سے تو خانۂ دہقاں بھرے — موتیوں سے بحر بے پایاں بھرے

کوہ و دشت و خیار پہ تیرا کرم — باغ کے اشجار پر تیرا کرم

ذرۂ عنصر ہے تجھ سے با مراد — آب ہو آتش ہو یا ہو خاک و باد

مشرق سے تا مغرب ہے رحمت تری — چار سو عالم میں شہرت ہے تری

کس کو دنیا میں نہیں تجھ سے امید — تو ہی بتلا دے ذرا ابرِ سفید

عاشقانِ زار پر بھی اک نگاہ — ہاں ذرا اے ابر کرم بہر الٰہ

جس کا تو ہے حکم اُس کا واسطا
ہاشمی پر بھی رہے تو سایہ سا

چودھری رحم علی الہاشمی

نشاط

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

نشاط اُس مضمون کا ایک سلسلہ ہے جو پچھلے پرچہ میں بعنوان شباب شائع ہوا تھا۔
چونکہ یہ مضمون اک ممتاز انگریزی انشا پرداز اسکر وائلڈ کی مشہور تصنیف "مرقع ڈورین گرے"
سے ماخوذ ہے بلکہ اہم کی تمام تر گفتگو بڑی حد تک ترجمہ ہے اور ڈورین گرے کا
دوسرا نام "نشاط" رکھا گیا ہے اس لیے شباب کے بجائے نشاط زیادہ موزوں ہوگا۔
اس موقع پر ناظرین سے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے - ممکن ہے کہ مضمون
کے بعض فقرے خاص محاورات اُردو کی معیار پر پورے نہ اُتریں۔ لیکن چونکہ
مصنف کے اُن خیالات کو بجنسہ زبان اُردو میں ادا کرنا ہے جو کہ اُس نے
کتاب مذکور کے لکھتے وقت مد نظر رکھے ہیں۔ لہذا وہ حضرات مجھے معذور رکھیں
جو اُردو علم ادب کو ایشیائی طرز ادا تک محدود اور یورپین تخیل سے بے نیاز رکھنا چاہتے ہیں
ناقدین مخالف سے عموماً اور اپنے ایک دوست محترم جن کی تنقید معاندانہ نے مجبوراً
جواب دینے پر آمادہ کیا ان سے خصوصاً یہ التماس ہے کہ

حریف کاوش مژگاں خوں ریزش نہ ناصح
بدست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن

ہم اپنے دوست کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے لیکن ان کی خصوصیات سے ناظرین
کو ناواقف رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارے دوست کا نام مجموعہ متناقضات ہے
یعنی ایک طرف تو منت پذیر عظمت ہے اور دوسری طرف تہمت کش انکسار بھی
جناب قاضی بھی ہیں اور حافظ بھی مولوی بھی ہیں اور وکیل بھی - لیکن ان پر

یہ الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ منت کشِ فن ادب بھی ہیں۔ قاضی اس لیے کہ خاندانِ قضاۃ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ اس لیے کہ جان صاحب اور جرکین کے دیوان حفظ ہیں۔ مولوی اسلیے کہ ڈاڑھی بہت لمبی ہے۔ وکیل اس لیے کہ مختلف اضلاع میں وکالت کر چکے ہیں۔

ادہم - نشاط تم میری ملاقات سے یقیناً خوش ہو گے۔

نشاط - بیشک۔ اسوقت تو ہوں لیکن کیا ہمیشہ رہوں گا

ادہم - ہمیشہ! یہ تو ایک خطرناک لفظ ہے۔ نہ محض خطرناک بلکہ مہمل بھی۔ میں اس لفظ کو سنکر لرز جاتا ہوں۔ عورتیں اسکو استعمال کرنے کی بیحد شائق ہیں۔ ہمیشگی کی تمنا میں ہر لطف کو برباد کر دیتی ہیں۔ جذبۂ دوامی اور تلون میں صرف یہ فرق ہے کہ تلون نسبتہً کچھ زیادہ دیرپا ہے۔

نشاط کی نظر اپنی تصویر پر پڑتی ہے۔ اسکو دیکھکر محو حیرت ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

نشاط - ارے۔ کیا یہ میری ہی تصویر ہے۔

ہارون - ہاں یہ تمھاری ہی تصویر ہے۔ آج تمھاری طرز نشست میں کیا شان عظمت اور حسن آفرینی تھی میں تمھارا بیحد مشکور رہوں۔

ادہم - یہ سب صرف میری وجہ سے۔ نشاط کیا یہ جھوٹ ہے۔

نشاط کوئی جواب نہیں دیتا ہے اور تصویر کے سامنے خاموش کھڑا ہے۔ القا کے مانند اسکو اپنے حسن کا ایک نیا احساس ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے اسکو کبھی محسوس نہیں ہوا تھا ہارون کی تحسین و ستائش اسکی نظر میں محض دلکش و دوستانہ مبالغہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ ان کو سن چکا تھا ان پر مضحکہ کر چکا تھا اور بھول بھی گیا تھا۔ لیکن اسکی طبیعت ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اسکے بعد ادہم کی نوبت آئی جس نے جوانی پر اک حیرت انگیز لکچر اور اسکے ماتم انگیز اختصار سے متنبہ کیا۔ اس لکچر نے البتہ اس پر اک عارضی اثر پیدا کیا تھا۔

لیکن اب وہ خود اپنی رعنائیت کے عکس کے سامنے موجود ہے۔ ادہم کی تقریر اپنی اصلی حقیقت میں اسکے پیش نظر ہے۔ ہاں ایک دن وہ ضرور آئے گا جبکہ اسکے چہرہ پر جھریاں پڑجائیں گی۔ اسکی بصارت میں فرق آجائے گا۔ اسکی دلربائی کو سخت صدمہ پہنچے گا اسکے لبوں کی سُرخی اور بالوں کی سیاہی زائل ہوجائے گی۔ زندگی کے سال و ماہ اسکے جسم کو برباد کردیں گے۔ وہ وحشتناک بدقوارہ اور بھدّا ہوجائے گا"

یہ خیال آنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے اسکے قلب پر برف کی اک قاش رکھدی اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

ہارون۔ نشاط کی خموشی سے بیقرار ہوکر "کیا تم کو یہ تصویر پسند نہیں آئی۔

ادہم۔ پسند نہ آنے کی کیا وجہ۔ یہ تصویر زمانۂ حال کے فنون لطیفہ کی بہترین چیزوں میں سے ہے اسکے لیے جو تم مانگو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

ہارون۔ ادہم یہ میری ملک نہیں ہے۔

ادہم۔ پھر یہ کس کی ملک ہے۔

ہارون۔ نشاط کے سوا اور کس کی ہوسکتی ہے۔

ادہم۔ نشاط کیا ہی خوش قسمت ہے۔

نشاط۔ لیکن یہ کتنا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ میں تو ضعیف۔ بدنما اور ہیبت ناک ہوجاؤنگا مگر یہ تصویر ہمیشہ جوان رہے گی۔ اس کی عمر جون کے اس خاص دن سے زیادہ کبھی نہوگی کاش کہ صورت حال اسکے برعکس ہوتی۔ کاش میں ہمیشہ جوان رہتا اور یہ تصویر ضعیف ہوتی جاتی اسکے واسطے میں ہر چیز دے ڈالوں گا۔ ہاں دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جو میں اس پر قربان نہ کردوں گا۔ میں اسکے لیے اپنی جان تک دے دیدوں گا۔

ادہم۔ ہارون یہ انتظام شاید تم کو پسند نہ آئے کیونکہ اس سے تمھاری تصویر کا حُسن زائل ہوجائے گا۔

ہارون۔ اور ہم میں تمہاری اس طرز تقریر کا سخت مخالف ہوں۔

نشاط پلٹ کر ہارون کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

نشاط۔ مجھکو یقین ہے کہ تم اپنے آرٹ کو اپنے دوستوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ میں تمہاری نظر میں پتھر کی تصویر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بلکہ شاید اس سے بھی کم ہوں۔

ہارون متحیر ہو کر نشاط کا منہ تکنے لگتا ہے۔

نشاط ایسی باتیں تو کبھی نہیں کرتا تھا۔ یہ طرز گفتگو اسکی طبیعت کے بالکل منافی ہے

نشاط۔ واقعہ یہ ہے کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری Hermes اور faun سے کم ہوں تم ان کو ہمیشہ عزیز رکھو گے لیکن مجھکو کب تک پسند کرو گے۔ غالباً اسی وقت تک جبتک میرے چہرہ پر پہلی شکن نہ پڑے گی۔ مجھکو اب معلوم ہوا کہ اچھی صورت کے ضایع کرنے کے بعد انسان دنیا کی ہر چیز کھو بیٹھتا ہے۔ تمہاری تصویر نے یہ مجھکو سکھایا ہے۔ ادہم بالکل سچ کہتا ہے جوانی ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے

ہارون زرد ہو گیا اور نشاط کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "نشاط اس طرح کی باتیں مت کرو تمہارا جیسا دوست نہ آج تک مجھکو ملا ہے اور نہ آیندہ کسی کو ملے گا۔ تم کو مادّی چیزوں پر رشک ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ تم ان سب سے لطیف تر ہو"

نشاط۔ میں ہر اس چیز پر رشک کرتا ہوں جس کا حسن کبھی ضایع نہ ہوگا۔ میں اس تصویر پر رشک کرتا ہوں جو تم نے کھینچی ہے۔ ہر لحظہ جو گذرتا ہے مجھ سے کچھ نہ کچھ لے اور اسکو کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے۔ کاش واقعہ اسکے برعکس ہوتا۔ کاش تصویر متغیر ہوتی رہتی اور میں ہمیشہ ایسا ہی رہتا جیسا کہ اس وقت ہوں۔ تم نے یہ تصویر کیوں کھینچی۔ ایک دن یہ مجھپر مضحکہ کرے گی اور مجھے نظر حقارت سے دیکھے گی۔

اسکی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ ہاتھ کھینچ کر قالین پر اپنے تئیں گرا دیا اور اس طرح پر اپنا منہ تکیہ میں چھپا لیا گویا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے۔

سلسلہ تصنیف۔ سنہ ۔۔۔ مصوری ۔۔۔

ہارون۔ نہایت غضبناکی کے ساتھ۔ ادہم یہ سب تمہاری حرکت ہے۔

ادہم۔ متبسم ہو کر یہی تو اصلی اور حقیقی نشاط ہے

ہارون۔ ہرگز نہیں۔

ادہم۔ نہ ہی سہی۔ تو آخر میں نے کیا کیا۔

ہارون۔ میں اپنے دو دوستوں سے ایک وقت میں لڑ نہیں سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم دونوں نے مل کے میری بہترین صنعت کی طرف سے میرے دل میں نفرت پیدا کردی۔ میں اسکو برباد کردوں گا۔ یہ کیا ہے۔ صرف کا غذ اور رنگ کی آمیزش۔ میں محض اسکی وجہ سے تین زندگیوں کو ناخوشگوار نہ ہونے دوں گا۔

نشاط نے اپنا منہہ تکیہ میں چھپا لیا ہے اور یہ دیکھکر کہ مصور تصویر کو چاقو سے ہلاک کرنا چاہتا ہے چیخ اٹھتا ہے خبردار ہارون۔ خبردار یہ تو ایک قسم کا قتل ہوگا اور چاقو چھین کر کمرہ کے باہر پھینک دیتا ہے۔

ہارون۔ خیر یہ دیکھکر مجھکو خوشی ہوئی کہ آخر کار تم نے اس تصویر کی قدر کی مجھکو ہرگز خیال نہ تھا کہ تم اسکی قدر کرو گے۔

نشاط۔ قدر؟ میں تو اسکے لیے ہمہ تن محبت ہوں یہ تو میری ہستی کا اک جزو ہے میں اسکو پورے طور پر محسوس کرتا ہوں۔

اب چار بجے کا وقت ہے۔ چار آئی ہے۔ نشاط۔ ادہم اور ہارون باہم متکلم اور مصروف چار نوشی ہیں

ادہم۔ آج شام کو تھیٹر کیوں نہ چلیں آج نہایت اچھا تماشا ہونے والا ہے میں نے آج طلعت سے اسکے ہاں کھانے کا وعدہ کیا ہے لیکن یہ وعدہ ایک قدیم دوست سے ہے میں اسکو ٹال دے سکتا ہوں کہ میں بیمار ہوگیا اس وجہ سے نہیں آسکتا۔ یا یہ کہ تم سے وعدہ کرنے کے بعد میں دوسرے صاحب سے زبان ہار گیا۔ میرے نزدیک یہ نہایت معقول اور شوخ عذر ہوگا۔ اسمیں تمام تر تحریر صاف گوئی مضمر ہے

نشاط۔ میں آپکے ساتھ تھیٹر چلنے کو تیار ہوں۔

ادہم۔ ہارون پھر تم کو بھی چلنا پڑے گا۔

ہارون۔ میں نہیں جا سکتا۔ مجھکو اور بہت سے ضروری کام ہیں۔

ادہم۔ اچھا۔ پھر نشاط ہم تم تنہا چلیں گے۔

ہارون لب دبا کر افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوا ہٹ گیا "میں اپنے حقیقی نشاط کے ساتھ رہوں گا جو مجھ سے کبھی خفا نہ ہو گا اور ہمیشہ وفادار رہے گا۔

ادہم۔ وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا شور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جذبات کا اک مسئلہ ہے۔ اسکا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے اک نوجوان چاہتا ہے کہ وہ وفادار رہے لیکن نہیں ہوسکتا۔ اک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بیوفائی کرے لیکن نہیں کرسکتا بس یہ ہے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہا جاسکتا ہے۔

نشاط۔ بہت دیر ہوگئی۔ اب میں جاتا ہوں۔ سلام علیک ہارون و ادہم۔

ادہم۔ میں بھی چلتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چل سکتے ہو میری گاڑی باہر کھڑی ہے میں تم کو مکان پر اتار دوں گا۔ نشاط یہ سہ پہر بھی کیا دلچسپ سہ پہر تھا۔

نشاط اور ادہم کے چلے جانے کے بعد ہارون سوفہ پر لیٹ گیا۔ اسکے چہرہ پر آثار ملال نمایاں تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے رات کا وقت ہے۔ مسز حامد کے یہاں دعوت ہے۔ نشاط ادہم، مسز انور اور مولوی حجت اللہ زمرۂ مہماناں میں نمایاں نظر آتے ہیں کھانا ختم ہوچکا ہے۔ مسز حامد ادہم کو یوں مخاطب کرتی ہے۔

مسز حامد۔ ادہم تم نے میرے یتیم خانہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

ادہم۔ میں ہر چیز سے ہمدردی کرسکتا ہوں بجز تکلیف کے۔ میں تکلیف سے ہرگز ہمدردی نہیں کرسکتا۔ وہ بہت ہی بدنما ہیبت ناک اور ہکلف ہے زمانۂ حال کی ہمدردی آلام میں عنصر صحت کی آمیزش نہیں۔ یہ ایک مریضانہ کیفیت دماغی ہے۔ اک شخص رنگ حسن اور مسرت زندگی سے ہمدردی کرسکتا ہے۔ مصائب حیات کا ذکر جتنا کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

مسز انور۔ مسز حامد جب مجھ سے یتیم خانہ کے متعلق باتیں کرتی تھی تو مجھکو شرمندہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ مجھکو اسکے یتیم خانہ سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن آج سے میں بغیر کسی انفعال کے باتیں کرسکتی ہوں۔

ادہم۔ مسز انور جلسِ لطیف میں انفعال ہی تو اک موزون و دلاویز چیز ہے۔

مسز انور۔ ایام جوانی میں نہ کہ عالم ضعیفی میں۔ ادہم کیا تم مجھکو بتا سکتے ہو کہ دوبارہ

جوان ہونے کا راز کیا ہے۔
ادہم کچھ دیر تک سوچتا رہا اسکے بعد متبسم ہو کر پوچھا۔
"مسز انور تم کو کچھ یاد ہے کہ تم نے اپنی عمر میں کبھی کوئی بہت بڑی غلطی کی ہو۔
مسز انور۔ بہت سی۔
ادہم۔ پھر اُنکا ارتکاب کرو۔ شباب کو دوبارہ حاصل کرنا محض اپنی حماقتوں کا اعادہ کرنا ہے۔
مسز انور۔ کیا مزے کی ہسٹری ہے میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔
مولوی حکمت اللہ۔ یہ ایک نہایت خطرناک نظریہ ہے۔
ادہم۔ مولوی صاحب واقعہ یہ ہے کہ یہ ہسٹری زندگی کے اسرار عظیمہ میں سے ہے۔ آجکل لوگ ہوشیاری اور دانائی کے پیچھے جان دیے دیتے ہیں لیکن یہ عقل کہ جس چیز کا انسان کبھی افسوس نہیں کرتا وہ صرف اسکی گذشتہ حماقتیں ہیں اُن کو اُس وقت آتی ہے جب کہ ان میں خود قابلیت ارتکاب باقی نہیں رہتی۔
میز کے گرد ایک قہقہہ کی آواز گونج گئی۔
ادہم اس خیال کے ساتھ کھیلتا ہے اور اس پر تکرار کرتا ہے۔ اسکو ہوا میں اُچھالتا ہے اور اور پھر ہاتھ میں لے کر اسکی برزخ کو بدل دیتا ہے۔ اسکو چھوڑ دیتا ہے اور پھر گرفتار کر لیتا ہے ذخائر تخیل سے کام لیکر اس طائر خیال کے بازو میں شوخیوں کے پر لگا دیتا ہے۔ تحسین حماقت رفعت فلسفہ پر پہنچ جاتی ہے پھر فلسفہ خود ایکبار جوان ہو جاتا ہے اور طرب کے نغمۂ دلربا سے مسرور اور جامۂ رندی و خراباتی سے مبرہن ہو کر لباس تقشف کو نذر گل افشان کر دیتا ہے۔ کبھی بیکس[1] کے مانند البرزحیات پر رقصان۔ کبھی فیثا غورث اور فلاطوں کے زبد یابس پر طعنہ زن اور کبھی دیوی نغمہ سے حالت مستی میں یوں سرگرم خطاب ہوتا ہے کہ
چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش ÷ کہ دست افشان غزل خوانیم و پا کوباں سر اندازیم
واقعیت اسکے سامنے سے بھاگ جاتی ہے کبھی دانائے خیام کی کرسی عظمت کا طواف کرتا اور اس کے پایۂ رنگین کو چومتا ہے اور کبھی قلزم عنب میں وفور مسرت سے غوطہ لگاتا ہے یہانتک کہ اُس کا چہرہ فروغ مے سے گلفشاں ہو جاتا ہے۔
یہ اک غیر معمولی بدیہہ آفرینی اور برجستہ خیالی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ نشاط کی آنکھیں برابر اسی کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں اور یہ ادراک کہ سامعین میں ایک شخص ایسا ہے

[1] شراب کی دیوی۔

جس کی طبیعت کو وہ مسخر کرنا چاہتا ہے اسکی ظرافت میں شوخی اور اسکے تخیل میں رنگ پیدا کرتا تھا۔ وہ غیر ذمہ دار۔ شوخ۔ اور فضائے تخیل میں طیراں تھا۔ وہ اپنے سامعین کو اپنی دلاویزی اور رنگیں بیانی سے خود فراموش کر دیتا تھا سب اس کے نغمہ کو ہمہ تن گوش سنتے تھے نشاط نے اپنی نگاہ اسکی طرف سے مطلق نہ ہٹائی بلکہ اک شخص مسحور کے مانند بیٹھا رہا اسکی آنکھوں میں تحیر پیدا اور لبوں پر تبسم پنہاں کے آثار آشکارا تھے۔

آخر کار وا قعیت لباس عمر پہنے ہوئے ملازم کی شکل میں کمرہ کے اندر نمودار ہوئی اور مسز انور کو معلوم ہوا کہ اسکی گاڑی آ گئی ہے۔

مسز انور دست افسوس مل کر اپنے شوہر کی ناوقت تکلیف دہی پر خشمگین ہوتی ہوئی رخصت ہوئی۔

مسٹر ادہم آپ تو نہایت مزہ دار آدمی ہیں کسی نہ کسی دن شام کو میرے یہاں دعوت کیوں نہ قبول کیجیے۔ اچھا منگل کی شب۔ منگل کو آپ کو فرصت ہے۔

ادہم۔ تمہارے لیے میں ہر شخص کو چھوڑ سکتا ہوں۔

مسز انور۔ خیال تو خوب ہے لیکن غلطی پر مبنی ہے اچھا تو ہمکا خیال ضرور رکھیے گا۔ وعدہ فراموشی نہونے پائے

مولوی حجت اللہ۔ جناب ادہم۔ آپ تو غضب کے آدمی ہیں کتاب کی کتاب بول جاتے ہیں اک کتاب لکھتے کیوں نہیں۔

ادہم۔ مجھکو کتابوں کے پڑھنے کا اسقدر شوق ہے کہ لکھنے کی پروا نہیں لیکن میں اک ناول ضرور لکھونگا ایسا خوشنما جیسے قالین ایرانی اور ایسا ہی غیر حقیقی لیکن مجھکو کوئی ادبی پبلشر نہیں ملتی۔

حجت اللہ۔ جناب ادہم آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں مجھکو بھی ادبی تمنائیں تھیں بلکہ یوں کہیے کہ اقیانوس ادب میں شناوری اور غواصی کے ارادے تھے لیکن اسی خیال سے میں نے عرصہ ہوا ان کو ترک کر دیا۔

ادہم ہنستا ہوا اُٹھتا ہے اور پارک جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ دروازہ سے باہر نکل رہا ہے کہ اتنے میں نشاط کا ہاتھ اس کے شانہ پر پڑتا ہے۔ میں بھی آپکے ساتھ چلونگا لیکن یہ وعدہ کیجیے کہ آپ راستہ بھر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے چلینگے آپکی سی حیرت انگیز باتیں تو کوئی نہیں کرتا

ادہم۔ متبسم ہو کر آج کے لیے میں کافی باتیں کر چکا۔ اب میں منظر حیات کو دیکھنا چاہتا ہوں تم بھی کبھی چلیے چلو اور میرے ساتھ نظارہ حیات میں مصروف ہو۔ **آرٹسٹ**

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ کی کنیت ابو المغلس اور لقب فلحاء تھا اور دونوں میں اُسکی بدصورتی ملحوظ تھی سیاہ فام ہونے سے ابو المغلس کنیت پڑی اور حبشیوں کی طرح موٹے اور شگافتہ ہونٹوں کے باعث فلحاء لقب قرار پایا۔

بنی تغلب سے ایک کامیاب لڑائی لڑا تو شریح تغلبی نے اپنے ایک شعر میں اسکی بہادری کا اعتراف کرتے ہوے اس کا لقب ذکر کیا ہے۔

وعنترۃ الفلحاء جاء ملأما کانہ فند من عمایۃ اسود

یعنے عنترۃ الفلحاء نے زرہ پوش ہو کر جب میدان کارزار میں قدم رکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جبل عمایہ کا ایک بہت بڑا کالا ٹکڑا سامنے آگیا۔

اسکی ماں زبیبہ نامی ایک حبشن کنیز تھی جسکو اس کے باپ نے کسی لڑائی میں حاصل کیا تھا۔ ماں کی طرف سے اس کے چند بھائی تھے اور سب غلام اپنے کلام میں ایک جگہ کہتا ہے۔

یقدمہ فتیً من ال عبس اخوہ وامہ من نسل حام

گھوڑے کو بنی عبس کا وہ جوان بڑھا رہا ہے جس کی ماں اور بھائی حام ابن نوح کی نسل سے ہیں۔ چونکہ حبشی حام کی نسل سے تسلیم کیے گئے ہیں اسلیے عنترہ نے اپنے مادری نسب کو اس پیرایہ میں ظاہر کیا۔

ماں کی سیاہی نے بیٹے میں اثر کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عنترہ بالکل حبشی بچہ معلوم ہوتا تھا اس لیے عرب والے اُس کو سیہ فامی پر طعنہ دیا کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر خود کہتا ہے۔

یعیبون لونی بالسواد جہالۃ ولولا سواد اللیل ما طلع الفجر
وان کان لونی اسود افخصائلی بیاض ومن کفی یستنزل القطر

لوگ اپنی جہالت سے میری سیاہ فامی کو برا سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر رات کی سیاہی نہ ہوتی تو کبھی صبح نمودار نہ ہوتی اگرچہ میرا رنگ کالا ہے لیکن میرے خصائل تو اچھے ہیں اور میرے ہاتھ داد و دہش میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے منچلے شاعر نے اپنے پہلے شعر میں تو بالکل شاعرانہ استدلال کیا ہے لیکن ہاں دوسرے شعر سے اپنے طعنہ زنوں کی زبانیں بند کردیں کیونکہ ہمیشہ خوش سیرتی بدصورتی کے عیوب کو نظر انداز کرا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم بھی آج عرب کے ایک کالے کوّے کی بدصورتی سے قطع نظر کر کے اُس کے محاسن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ عرب کے تین کالے کوّے مشہور ہیں۔ عنترہ۔ خفاف سلیک اور تینوں میں اُن کی مادری سیاہی نے اثر کیا۔

عرب کی کثرت طعنہ زنی سے مجبور ہو کر ایک جگہ اور کہتا ہے۔

لئن اک اسود فالمسک لونی وما لسواد جلدی من دواء
ولکن تبعد الفحشاء منی کبعد الارض من جو السماء

مانا کہ میں کالا ہوں لیکن کوئی ہرج نہیں کیونکہ مشک ایسی عمدہ چیز کا رنگ میرے رنگ کے موافق ہے اور اسکے میری اس سیاہ فامی کا کوئی علاج بھی نہیں لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میری سیرت اسقدر اچھی ہے کہ بُری باتیں مجھسے اُسی قدر دور ہیں جتنا کہ زمین آسمان سے۔

یہاں بھی عنترہ کا طرز استدلال پہلا سا ہے لیکن اتنی زیادتی ہے کہ اپنی بدصورتی کے دفعیہ پر لاچاری کا اظہار بھی کر رہا ہے ساتھ ہی اس کے دونوں جگہ اپنے حسن سیرت

غرور میں اپنی بدصورتی کے عیب کو قابل توجہ نہیں سمجھتا۔

اعراب جاہلیت کا دستور تھا کہ کنیز سے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اُسکو غلام بنا لیتے تھے اگر شرافت و نجابت کے آثار اُس میں پائے تو اپنا لڑکا تسلیم کر کے آزاد کر دیتے تھے ورنہ اُسی طرح غلام بنائے رکھتے تھے۔

عنترہ بھی اُن کی اس رسم کا شکار رہا چنانچہ ابتداءً اُسکے باپ نے اُس سے انکار کیا اور محض اس وجہ سے اُس کو اپنا لڑکا نہیں ظاہر کیا کہ وہ لونڈی کے پیٹ سے تھا لیکن بعد کو وہ اپنی جوانمردی اور ہنرمندی سے خاندان عبس کا ایک رکن اور باپ فرزند تسلیم کیا گیا۔

چنانچہ ابتداءً عنترہ اپنے باپ کے پاس غلاموں کی زندگی بسر کرتا تھا اور ایک زمانہ تک دوسرے غلاموں کے ساتھ اونٹ چراتا رہا۔ باوجودیکہ وہ اپنے اس کام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن مجبور تھا کچھ نہ کرسکتا تھا آخر کار وہ زمانہ آیا کہ جس میں عنترہ بنی عبس میں ستارہ ہو کر چمکا۔

عرب کے بعض قبائل نے بنی عبس پر حملہ کر دیا سیکڑوں مردوں کو قتل کیا اور صدہا عورتوں کو گرفتار کر لیا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ عبس والوں نے لاکھ کوشش کی لیکن دشمن پر غالب نہ آسکے۔ عنترہ الگ کھڑا یہ سب تماشا دیکھا کیا کیونکہ وہ بنی عبس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اتفاقاً عنترہ کا سامنا اُسکے باپ سے ہو گیا اُس نے عنترہ کو خطاب کر کے کہا کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر عنترہ نے جواب دیا میں غلام ہوں حملہ کرنا کیا جانوں میں تو اونٹنیوں کا دودھ دوہنا اور اُنکے تھنوں کا باندھنا خوب جانتا ہوں باپ نے کچھ گھبراہٹ میں اور کچھ اپنی غرض سے کہدیا کہ ارے حملہ کر تو آزاد ہے تجھکو غلام کون کہتا ہے۔ بس پھر کیا تھا عنترہ اپنے باپ سے یہ خوشخبری سن کر ایسا مست ہوا کہ اُسکی شجاعت دونی ہو گئی حریف کے

خون نے رگ و پے میں دوڑنا شروع کیا اپنے قبیلہ کو جمع کرکے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ عنترہ نے تعاقب شروع کیا صدہا مردوں کو قتل کردیا اور بکثرت عورتوں کو قید کرلیا اپنا تمام مال ومتاع مع اموال غنیمت کے واپس لیا ایسی زبردست اور نمایاں فتح حاصل کی کہ اُسی وقت سے تمام عرب میں نام ہوگیا باپ نے جب دیکھا کہ ایک ہزیمت خوردہ اور منتشر فوج نے کہ جس کے دل ٹوٹ چکے تھے عنترہ کی ماتحتی میں ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ جنگ کا رنگ بالکل بدل دیا "کہاں وہ مدافعانہ کارروائی اور کہاں عنترہ کے جارحانہ حملے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کہاں وہ پہلی شکست اور کہاں عنترہ کی فتح وظفر" تو اسکے دل میں عنترہ کی وقعت ومحبت پیدا ہوئی اور اُس نے تمام قبیلہ کے روبرو نہایت فخر کے ساتھ اُسکے فرزند ہونے کا اقرار کیا اور اُسی وقت سے عنترہ نے خاندان عبس کے ایک رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا شروع کی۔ بعض مورخین عنترہ کے خاندان عبس میں شریک ہونے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ بنی عبس نے قبیلہ طے کے لوگوں پر حملہ کرکے اُن کا مال واسباب اور جانور سب لوٹ لیے عنترہ بھی اس موقع پر بنی عبس کا شریک تھا۔ لوٹ مار کے بعد جب تقسیم کرنے بیٹھے تو سب نے مل کر عنترہ سے کہا کہ ہم تم کو اپنے حصوں کے برابر حصہ نہ دیں گے کیونکہ تم غلام ہو اس میں بات بڑھی اور نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ طے والوں نے موقع پاکر ان پر حملہ کردیا عنترہ یہ کہکر الگ ہوگیا کہ تم اُن سے تعداد میں کم نہیں ہو خود سمجھ لو میں کچھ نہیں جانتا۔ طے والوں نے ان کو مار کر اپنے تمام اونٹ واپس لے لیے اور یہ عنترہ کے کم ہوجانے سے اُن کا کچھ نہ بنا سکے۔

عنترہ کے باپ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ سب کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے تو چلا کر کہا اے عنترہ کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر اُس نے جواب دیا کہ میں غلام ہوں

لڑنا کیا جانوں۔ باپ نے کہا غلام کوئی اور ہوگا تو آزاد ہے حملہ کر۔

عنترہ نے یہ خوشخبری سُن کر نہایت بے جگری سے حملہ کیا اور پھر تمام اونٹ بنی طے سے چھین لیے۔ اب کیا تھا باپ اُسکے نسب کا اقرار کر چکا تھا اُسکو بھی سب کے برابر حصہ ملا اور اُسی وقت سے عنترہ خاندان عبس میں شریک کرلیا گیا۔

عنترہ کی اس ابتدائی غلامانہ بسراوقات کے بعد اُسکی زندگی کا وہ روشن اور کامیاب حصہ شروع ہوتا ہے کہ جس میں بجز جنگ و جدال اور الفت و محبت کے کچھ نہیں نظر آتا چنانچہ اُسکا تمام کلام انھیں دو باتوں سے بھرا ہے اور وہ بھی اس طرح باہم مخلوط ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اُسکے عاشقانہ جذبات اور جنگ و جدال کے مختلف حالات پر میں تنقید کلام کے وقت نظر ڈالوں گا فی الحال دیگر دلچسپ واقعات اور اُسکے عشق کے اجمالی سلسلہ کو بیان کرکے اس نمبر کو ختم کرتا ہوں۔

عنترہ خاندان عبس میں داخل ہونے کے بعد اپنے چچا مالک کی بیٹی عبلہ پر عاشق ہوگیا اور اکثر اپنے کلام میں اُسکا تذکرہ کیا ہے بلکہ کوئی قصیدہ عبلہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ مالک اپنی خوبصورت لڑکی کو اسکی بدصورتی کے باعث اسکے ساتھ بیاہنا نہیں چاہتا تھا۔ بہت ٹالا لڑکی کو ہمراہ لے کر مارا مارا پھرا لیکن عنترہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ عنترہ کے فراق کے زمانہ میں مختلف لوگ عبلہ پر عاشق ہوئے لیکن کوئی کامیاب نہوا اور آخر کار عبلہ عنترہ ہی کے عقد میں آئی۔

خود عبلہ عنترہ کو پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

وان عابت سوادی فھو فخری — لانی فارس من نسل حام

اگر وہ (عبلہ) میرے سیاہ فام ہونے کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ میرے لیے باعث فخر ہے کیونکہ میں اولاد حام کا ایک شہسوار ہوں۔

دوسرے موقع پر اُس کی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

ضحکت عبیلۃ اذ رأتنی عاریا خرق القمیص وساعدی مخدوش

میری پھٹی ہوئی قمیص اور زخمی کلائی کو ننگا دیکھکر عبلہ ہنس پڑی۔

عنترہ ظہور اسلام سے سات سال قبل نوے برس کی عمر میں قتل کردیا گیا اور عبلہ بھی اُسکے بعد تھوڑے ہی زمانہ تک زندہ رہی۔

اغانی میں ابن عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عنترہ کا یہ شعر پڑھا

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ حتی انال بہ کریم المآکل

یعنے میں نے کئی کئی راتیں اور دن اسی انتظار میں فاقہ سے گذار دیے ہیں کہ کریمانہ طور سے کچھ کھانے کو ملے تو کھاؤں۔

اور فرمایا کہ عنترہ کے علاوہ کسی اور اعرابی کا ذکر سُن کر مجھکو اُسکے دیکھنے کا شوق نہیں پیدا ہوا۔

اغانی میں مذکور ہے کہ عنترہ سے کسی نے پوچھا کیا تم تمام عرب میں سب سے زیادہ بہادر اور زبردست ہو اُس نے جواب دیا کہ نہیں اُس شخص نے کہا کہ آخر پھر تم اسقدر مشہور کیوں ہو عنترہ نے جواب دیا کہ میں قاعدہ اور قرینہ سے لڑتا ہوں اگر پیش قدمی کا موقع دیکھتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں اور اگر دیکھتا ہوں کہ یہاں رکنا مناسب ہے تو رُک جاتا ہوں خواہ مخواہ آگے بڑھ کے ہلاکت میں نہیں پڑتا اور کسی ایسی جگہ نہیں جاتا کہ جہاں سے نکلنے کا راستہ پہلے ہی سے میں نے نہ دیکھ لیا ہو۔ بہادر اور بزدل میں بہت جلد تمیز کرلیتا ہوں اور پہلے کمزور کو مار کے بہادر کے دل پر اپنا رعب جما لیتا ہوں پھر اُسکو بھی آسانی سے مار لیتا ہوں۔ (باقی آیندہ)

الیاس قریشی

حالتِ قوم

کچھ خبر ہے تمھیں اسلام کی حالت کیا ہے کیسے اعمال ہیں افعال ہیں عادت کیا ہے
ہیں ہُرے آپ زمانے کی شکایت کیا ہے دل میں سوچو تو سہی قوم کی عزت کیا ہے

مست و مدہوش بدل شاد نظر آتے ہیں
ہیں کدے آپ سے آباد نظر آتے ہیں

شوکت و حشمت و اجلال کی تابش ہی نہیں عقل کیا خاک بڑھے علم کی خواہش ہی نہیں
زندہ اقوام میں اس قوم کی پرسش ہی نہیں کوئی سُنتا دلِ نالاں کی گذارش ہی نہیں

ایک بھی اپنے بزرگوں کی نہیں خو ہم میں
ہاں ابھی تک ہے امیری کی رہی لو ہم میں

گردش چرخ ستمگر نے دکھایا نیرنگ حوصلے پست ہوئے جوش نہ ہمت نہ اُمنگ
حسرت و یاس و تمنا نے کہ ہے دلتنگ کوئی غمخوار ہے اپنا نہ کوئی ہم آہنگ

دن مصیبت کے بسر کرتے ہیں گمنامی مین
موت بھی پاس پھٹکتی نہیں ناکامی میں

باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت کھودی صاحب حشمت و اجلال تھے عزت کھودی
تھا بڑے عالم میں حکومت بھی حکومت کھودی وہ فصاحت وہ بلاغت وہ فضیلت کھودی

عدل و انصاف کی دنیا میں ترازو ہم تھے
کون حکمت میں ارسطو تھا ارسطو ہم تھے

اہلِ یونان کو تہذیب سکھائی ہم نے ملک جاپان کو تادیب سکھائی ہم نے
رزم میں فوج کی ترتیب سکھائی ہم نے بزم میں عیش کی ترکیب سکھائی ہم نے

اہلِ صنعت ہمیں اُستاد کہا کرتے تھے
فرشِ یورپ کی نمایش میں رہا کرتے تھے

پہلے تہذیب و تمدن کی نشانی ہم تھے منبعِ چشمۂ صد فیض رسانی ہم تھے

نظم میں نثر میں اعجاز بیانی ہم سے تھے — دہر میں اہل زباں اہل معانی ہم تھے

اب وہ پہلے کی نہیں ایک بھی عادت ہم میں
ہے شرافت نہ فضیلت نہ حمیت ہم میں

اہل اسلام کے آئے ہیں برے دن از حد — میل آپس میں نہیں پھیل گیا بغض و حسد
ہائے اپنوں سے بھی ہوتی نہیں اپنوں کی مدد — محسن الملک جہاں میں ہے نہ سید احمد

مر گئے قوم ترے ناز اٹھانے والے
بیکسوں کے لیے آواز اٹھانے والے

یوں تو بدلے ہیں زمانے نے ہزاروں فیشن — اپنی تقدیر کے پیچوں میں ہی ہے الجھن
سارے مفقود ہوئے انس و محبت کے چلن — بھائی سے بھائی کی نکلا ہے عداوت ان بن

نام نیکی کا نہیں دل میں بدی آئی ہے
کیسی ادبار و نحوست کی صدی آئی ہے

نازنینوں کی ملاقات کے دلدادہ ہیں — جلوۂ بزم خرابات کے دلدادہ ہیں
رند بدمست ہیں برسات کے دلدادہ ہیں — ناچ کا شوق ہے ہر بات کے دلدادہ ہیں

رخنہ اندازیاں غمازیاں سب آتی ہیں
راستبازی کے سوا بازیاں سب آتی ہیں

چھا گیا قوم میں اندھیر سیہ کاری سے — حال برباد ہے افلاس سے ناداری سے
عقل چکر میں رہی روز کی میخواری سے — عشق بازوں کو نہیں چین دل افگاری سے

کیوں نہ پستی میں ہوں اقبال مسلمانوں کے
قابل شرم ہیں اعمال مسلمانوں کے

اور قوموں کو ترقی ہے تنزل ان کو — لا سکا راہ پہ قندھار نہ کابل ان کو
دیکھتا ہے نگہ قہر سے ہر گل ان کو — چھیڑتے رہتے ہیں گلزار میں بلبل ان کو

عزت و حرمت و تعظیم کو کھو بیٹھے ہیں
جب سے قرآن کی تعلیم کو کھو بیٹھے ہیں

دل کے ارمان نکالے سے نکل بھی نہ سکے — اور قسمت کے نوشتہ کو بدل بھی نہ سکے

آنسوؤں کی طرح دامن میں پہل بھی نہ سکے　　اپنے نظروں سے گرے ہم کہ سنبھل بھی نہ سکے

خاک سے اپنے یتیموں کو اٹھایا نہ گیا
تھپکیاں دے کے کلیجے سے لگایا نہ گیا

بجلیاں دل پہ گراتا ہے بلکنا ان کا　　اپنے ماں باپ کی فرقت میں بھٹکنا انکا
دردمندوں کی طرف یاس سے تکنا ان کا　　تھام کر دامن امید لٹکنا ان کا

ہاے کملاے ہوے پھول سے چہرے انکے
گرد آلودہ ہوئے دھول سے چہرے انکے

قوم کی گود سے ہوتے ہیں جدا وائے نصیب　　سرپرست ان کا کوئی ہے نہ معلم نہ ادیب
جیف کرتے ہیں گذر بھیک کے ٹکڑوں پہ غریب　　کون امداد کرے کون سکھاے تہذیب

رحم کہتا ہے کلیجے سے لگا لو ان کو
دُرِ نایاب ہیں دامن میں اٹھا لو ان کو

اپنے انجام پہ اب غور کرو غور کرو　　کامرانی کا بنے سہرے کوئی طور کرو
کام اس وقت تمھیں چاہیے فی الفور کرو　　ساری دنیا میں تجارت کے لیے دور کرو

گو سلف کی سی نہیں شان مسلمانوں میں
پھر بھی باقی ہے ابھی جان مسلمانوں میں

نوجوانوں میں اگر جوشِ حمیت آ سکے　　قوم کے نام پہ ہر شخص کو غیرت آ سکے
علم کے نور سے اخلاق و محبت آئے　　آپ گھر پہ چلتی اسلام کا دولت آئے

نیرِ حشمت و اقبال چمکتا ہی رہے
اخترِ بخت زمانے میں دمکتا ہی رہے

اے خلیق جگر افگار دعا مانگ یے آج　　رحمتیں چھائیں ہیں بدلا ہے زمانے کا مزاج
اہلِ اسلام کو حاصل ہو جہاں میں معراج　　ساری قوموں کی بنے قوم ہماری سرتاج

علم و دولت کی ترقی ہو مسلمانوں میں
پھول اخلاق کے کھل جائیں مسلمانوں میں

خلیق دہلوی

غزلیات

(جناب سید محسن علی خاں صاحب آمر لکھنوی اڈیٹر معیار)

دردِ شکووں میں بس اب کیا دلِ ناشاد بھرے
نالہ وہ کھینچے لہو سے لبِ فریاد بھرے

امتحانِ عشق میں اب صبر و رضا کا ہے ختم
حوصلہ نکلیں وہ سب جتنے ہوں بیداد بھرے

جب یہ ہو تنگ قفس جب ہو یہ روحانی قید
سانس پھر کیا کوئی بے مرضیِ صیاد بھرے

کوئی قاتل سے یہ بسمل کی تمنا کہدے
اور دو ہاتھ وہی زورِ خداداد بھرے

ہاں سرِ حشر ہوں صف بستہ ستمگر اک سمت
شکوہ سنج آتے ہیں اب دامنِ فریاد بھرے

داد خواہ آج بس اتنا ہوں میں اے مالکِ حشر
اک دمِ سرد ہی مجھ پر کوئی جلاد بھرے

تیر ہے تیر ہے اب تو کسی سائل کی سد
اور کیا زور اثر اک دلِ ناشاد بھرے

کوہ و صحرا میں وہ سب لالہ پُر داغ بنے
جتنے ذرات تھے خونِ سرِ فرہاد بھرے

دمِ تسلیم و رضا یوں ہو تقرب حاصل
دیکھکر مجھ کو ہر اک دل میں تری یاد بھرے

مٹ چلے مٹ چلے سب نقش و نگارِ ہستی
ہاں نئے رنگ پھر اب عالمِ ایجاد بھرے

رگِ سودا کی دھمک آمر ہے نشتر کے خلاف
نہ دمِ چارہ گری آج سے فصّاد بھرے

(حضرت حسرت موہانی)

حائل تھی بیچ میں جو رضائی تمام شب
اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب

کی پاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب
تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب

پھر بھی تو ختم ہو نہ سکی آرزو کی بات
ہر چند ہم نے ان کو سنائی تمام شب

بیباک ملتے ہی جو ہوئے ہم تو شرم سے
آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کس خیال سے — کرتے رہے عدو کی بُرائی تمام شب

پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑا کے ہاتھ — دُکھتی رہی جو اُن کی کلائی تمام شب

حسرت سے کچھ وہ آتے ہی ایسے خفا ہوئے

پھر ہو سکی نہ اُن سے صفائی تمام شب (دیوانہ امید از گجرات)

جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

ہمارا جذب اُنھیں کھینچ لائے گا گھر سے — یہ کب امید تھی [illegible] رہے ہوئے مقدر سے

شہید کون ہوا قتلگہ میں خنجر سے — لہو جو رو رہی [illegible] تلوار چشم جوہر سے

بلائے جاں ہے بخیلوں کے واسطے دولت — ہلاک ہو گیا قارون کثرتِ زر سے

وہ دو گھڑی جو عیادت کو میری آئے تھے — ابھی تک [illegible] آتی ہے بوئے عروس بستر سے

مٹے نہ سوزشِ دل آہ سرد سے یارب — یہ شمع بزم نہ ٹھنڈی ہو بادِ صرصر سے

غم فراق سے کیوں دل نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو — کہ چور چور ہو شیشہ لڑا ہے جو پتھر سے

جگر میں زخم کوئی پڑ گیا نیا شاید — لہو ٹپکتا ہے ہر وقت دیدۂ تر سے

جواب نامہ [illegible] شہریار نے عشرت

بہت خجل [illegible] ہوا اپنے قلب مضطر سے

حضرت [illegible] بدایونی

عیش آزادی کے منظر کی ہوس کب تک کریں — اے اجل فریاد پابندِ قفس کب تک کریں

کھل گیا اُن شوخ نظروں کا تبسم کھل گیا — زخم پنہاں کا رفو تارِ نفس کب تک کریں

باغ میں صیاد آیا تھا تو سمجھے میہماں — اب گلہ قسمت کا مہمانِ قفس کب تک کریں

دامنِ جاں اور شمیم آتشِ یاقوت دل — رحم اے وزدیدہ ضبطِ نفس کب تک کریں

ہر نظر ہے بے پروبالی میں اپنا مرثیہ — دیکھنا ہے وہ درِ کنجِ قفس کب تک کریں

ہر خزہ ہے دستِ حسرت ہر نفس ہے سینہ کوب — ماتمِ دل اس طرح اے ہم نفس کب تک کریں

عمر گذری سوز غم سے شمع دل ہے شعلہ ریز
راغب اُن کی بزمِ عشرت کی ہوس کب تک کریں

جناب حامداللہ صاحب افسر میرٹھی

شبِ غم آنکھ لگ جاتی تو پھر دیدار ہو جاتا
وہ آتے خواب میں طالع مرا بیدار ہو جاتا

اگر ہم سے مقدس آہیں بادہ خواریاں کرتے
تو جائے ذکر ہو حق خانۂ خمار ہو جاتا

نہ رکھتا میں اگر اپنے دل و دیدہ میں پوشیدہ
تو عالم محو دیدار جمال یار ہو جاتا

نقاب اُٹھتی تو مست آنکھوں سے لاکھوں دل اُٹھا دیتا
وہ اک عالم کو غافل کر کے خود ہشیار ہو جاتا

مصیبت ہی اُٹھانی تھی تو مر کر کیوں اُٹھانی تھی
نہ ہوتا عشق چاہے اور کچھ آزار ہو جاتا

اب آخر اس سے کیا سمجھوں کہ دیکھا جائیگا دیکھو
یہ بے چینی ہی کیوں ہوتی اگر انکار ہو جاتا

نظر تجھ پر اگر دیوانۂ وحشت جنوں کرتے
تو پھر آباد تو اے دامنِ کہسار ہو جاتا

میں اک لذت شناس بیخودی عشق ہوں ورنہ
یہ ایسی بات ہی کیا تھی کہ میں ہشیار ہو جاتا

جو گرتا بھی تو بن کر آسمان حسن کا تارا
اگر اے اشک تو عرقِ جبینِ یار ہو جاتا

وہ شاید آ ہی جاتے پرسشِ حالِ دلِ زار کو
کچھ ایسی مجھ پہ آ بنتی کہ میں بیمار ہو جاتا

اگر موقع تری طاعت کا دیتی گنہگاری
تو بخشش کا سہارا اے مرے غفار ہو جاتا

اب آنکھوں میں سمانے سے میں کیونکر دیکھ لوں تم کو
جو پردوں سے نکل آتے تو پھر دیدار ہو جاتا

نہ ہوتی میرے قاتل کی نظر میں یہ اگر افسر
تو پھر میں اپنی جان زار سے بیزار ہو جاتا

جناب مرزا محمد وصی علی خاں صاحب وصف لکھنوی

آسماں ٹھہر گیا رنگ جہاں کا ٹھہرا
وائے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

اللہ اللہ وہ بیتابیِ دل بعدِ فنا
ایک جا بھی نہ مری خاک کا ذرا ٹھہرا

جوششِ عشق کی تشریح شہادت نے جو کی
رگِ جاں میں نہ کوئی خون کا قطرا ٹھہرا

شعلۂ حسن ہوا باعث توہین حجاب ۔ جذب کامل ہوا جس وقت نہ پردا ٹھہرا
قطع ہرگز نہ ہوا سلسلۂ بیتابی ۔ دل جو ٹھہرا تو نہ پہلو میں کلیجا ٹھہرا
طور پر لے گئی تھی دل کی کشش لے موسیٰ ۔ کہیے تو حسن محبت میں بھلا کیا ٹھہرا
میرا رہ رہ کے تڑپنا وہ الٰہی توبہ ۔ چشم ہر ذرۂ مشہد کو تماشا ٹھہرا
اثر عشق نے کی ضعف میں راحت طلبی ۔ رگ ہر سنگ میں خون سر سودا ٹھہرا
ہائے تحریک محبت کا برا ہو یارب ۔ کم ہوا درد مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا
کس سے ناکامی قسمت کی شکایت کیجیے ۔ غرق دریا ہوا جب میرا سفینا ٹھہرا

درد میں ہو گئی گو سعی سے تخفیف اے وصف
وائے نامطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

جناب کشوری لال صاحب قمر لکھنوی ایڈیٹر انوار قمر

کر کے زخمی دل جگر آخر پشیماں ہو گئیں ۔ خود وہ نظریں چشم کے گوشہ میں پنہاں ہو گئیں
حال کی میرے رعایت کی تری زلفوں نے بھی ۔ دیکھکر میری پریشانی پریشاں ہو گئیں
قتل عاشق کے لیے لائے تھے جنکو کام میں ۔ پیٹھ کر دل میں وہی نظریں رگ جاں ہو گئیں
جن کے سودے نے پریشاں ہمکو رکھا تا بہ زیست ۔ آج ماتم میں وہی زلفیں پریشاں ہو گئیں
وہ لٹیں بکھری ہوئی شانوں پہ زلف یار کی ۔ اور بھی میری پریشانی کا ساماں ہو گئیں
مدتوں بزم حسیناں میں مرا ماتم رہا ۔ سیکڑوں زلفیں مرے غم میں پریشاں ہو گئیں
وہ ادائیں دلستاں تیری وہ مستانہ روش ۔ بس یہی تو میری بربادی کا ساماں ہو گئیں
بدلیاں برسات کی تھیں کیا یہ دل کی حسرتیں ۔ مجتمع دم میں ہوئیں دم میں پریشاں ہو گئیں
مرحبا اے عشق تیرے دم کی ہے یہ روشنی ۔ جلتے جلتے ہڈیاں تک شمع سوزاں ہو گئیں
بن گیا دست زلیخا دست گستاخ نسیم ۔ گل کی کلیاں حضرت یوسف کا داماں ہو گئیں

روتے ہو معمورۂ دل کے لیے کیا اے قمر
سیکڑوں آبادیاں ہوں گی جو ویراں ہو گئیں

ایک نظر

اُردو کانفرنس

"انجمن ترقی اُردو" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اسوقت تک ایک شعبہ تھا اور اب بھی ہے مگر ملک کے بیشتر حامیان اُردو کو کانفرنس مذکور کی طرف سے ایک عرصہ سے یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے اس شعبہ کے ساتھ بہت سرد مہری کا برتاؤ کرتی ہے جس کے ثبوت میں "انجمن ترقی اُردو کے لیے رقم مقررہ (مبلغ دو سو روپیہ سالانہ) کا کانفرنس کے دفتر سے نہ وصول ہونا" "اسکو سالانہ اجلاس تک میں بہت کم وقت دیا جانا" اور اس کے علاوہ کانفرنس کی طرف سے ترقی اُردو، تحفظ اُردو، اور توسیع اُردو کے لیے کسی خاص کوشش کا نہ کیا جانا وغیرہ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے صحیح ہونے میں بہت کم شبہ کیا جا سکتا ہے۔ ان امور کو مد نظر رکھکر اور ان کے علاوہ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اُردو جیسی ہندوستان کی مشترکہ زبان کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو ہندو حضرات کو ترقی اُردو سے علیحدہ رکھا جائے یا انھیں ترقی اُردو کے لیے کسی دوسری انجمن بنانے کا موقع دیا جائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اُردو کی ایک جداگانہ انجمن قائم کی جائے۔ یہ عرض کرنا غالباً برادران وطن کو ناگوار نہ ہوگا کہ انجمن ترقی اردو کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے اسکے کہ ہندو حضرات اُردو زبان پر اپنا حق جتاتے اور اُسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے علیحدہ کرا کے "آزاد اُردو کانفرنس" کے آزادانہ قیام پر زور دیتے اُنھوں نے قریب قریب اُردو کو چھوڑ دیا۔ اور مادر ہند کی اس ہر دلعزیز بیٹی کو صرف مسلمانوں کی ملک گردانا۔ برادران وطن کا یہ رویہ اُن کے اس احساس وطن پرستی پر ضرور حرف لاتا ہے جس کے ماتحت اُن پر ہندوستان کی بہترین پیداوار (اُردو) کی خدمت لازم آتی تھی۔ ان حضرات میں سے ایک حصہ اُردو کو اپنی مادری زبان ماننے سے بھی منحرف ہونے لگا اور بجائے اُس کی حمایت کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔

ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرات لکھنؤ نے "ایک آزاد اُردو کانفرنس" قائم کرنے کا خیال کیا اور اُس کا ایک جلسہ تعطیلات دسمبر میں لکھنؤ میں منعقد کرنا قرار دیا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے شریک ہونا منظور کر لیا ہے جن کی ذات چند سال سے انجمن ترقی اُردو کے قائم رہنے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہنے کا باعث ہوئی ہے اس کانفرنس سے متعلق دو جلسے منعقد ہو چکے ہیں جس میں سے پہلا باشندگان لکھنؤ کا ایک عام جلسہ ۱۲ نومبر کو قیصر باغ بارہ دری میں منعقد ہوا

اس جلسہ میں استقبالیہ کمیٹی کے ارکین مقرر کیے جانے کے علاوہ حسب ذیل اصحاب مجلس استقبالیہ کے عہدہ دار منتخب کیے گئے۔

صدر۔ جناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر ایٹ لا سابق جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن۔

نائبین صدر۔ آنریبل راے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب مالک نولکشور پریس۔ جناب سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقدار سندیلہ۔ جناب نواب سلطان علی خاں صاحب عرف باسو صاحب رئیس لکھنؤ۔ جناب نواب آغا محمد شفیع خاں صاحب رئیس لکھنؤ جناب پنڈت منوہرلال زتشی صاحب ایم اے ہیڈ ماسٹر جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ۔ جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا بی اے۔ جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب ایم اے بی ایل پنشنر ڈپٹی کمشنر جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی۔ جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی۔

معتمدین جناب پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی اے۔ جناب ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر۔

مددگاران معتمد۔ مسٹر عبد الولی بی اے مسٹر عباس حسین تاری ایڈیٹر تمدن۔ مولوی صنعت اللہ شہید ایڈیٹر النظامیہ۔ ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر۔ مولوی اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر الندوہ۔

(　) طے پایا کہ بیس ارکان کی ایک اکزیکٹو کمیٹی (کارکن مجلس) تمام انتظامی امور کے انصرام کے لیے مقرر ہو۔ سب عہدہ داران مندرجۂ بالا بھی کارکن مجلس میں شامل رہیں گے۔ چنانچہ اصحاب ذیل اسی وقت رکن منتخب ہوے۔

(۱) پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ایڈیٹر ہندوستانی و رکن انجمن خدام ہند (سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی)
(۲) سید سجاد حیدر صاحب بی اے پرائوٹ سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد۔
(۳) مسٹر عبد الماجد بی اے۔
(۴) سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم۔
(۵) منشی ممتاز حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ۔
(۶) منشی سخاوت علی صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنؤ۔
(۷) راجہ غلام حسین صاحب۔ سب ایڈیٹر آئی ڈی ٹی۔

(　) طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کے کارکن معتمد ظفر الملک صاحب علوی ایڈیٹر الناظر مقرر ہوں۔
(　) طے پایا کہ انعقاد جلسہ کی تاریخ اور جگہ کا تعین کارکن مجلس کی راے پر چھوڑا جائے جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

دوسرا جلسہ استقبالیہ کمیٹی کا تھا جو ۲۰ نومبر کو منعقد ہوا جس میں جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال (پٹنہ) کو صدارت کے لیے منتخب کیا گیا جو حضرات اُردو سے دلچسپی لیتے ہیں اُن سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اس کانفرنس کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں گے۔

اُردو پریس کانفرنس لکھنو کے بعض اُردو اخبار نویس امسال اجتماع دسمبر کے موقع پر ہندوستان کے اُردو اخبار نویسوں کو ایک کانفرنس کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں "اُردو پریس کانفرنس" کے قیام کی تحریک سے کلی اتفاق ہے۔ اپنے ہمعصروں سے توقع ہے کہ وہ "اُردو پریس کانفرنس" کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس کانفرنس کا خیر مقدم کریں۔

گفتار بیخود یعنی وحید العصر حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ دہلوی کا پہلا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لیے آیا ہے۔ حضرت بیخود دہلی کے ممتاز ترین شعرا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کا کلام دہلی کی زبان کا بہترین نمونہ کہا جاسکتا ہے یوں تو آپ داغ کے جانشین ہیں مگر آپ کے کلام میں دیگر اساتذۂ فن کے کلام کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ ہم اپنے ناظرین کے لیے آپ کے دیوان سو شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ بتاتے ہوئے اپنے ریویو کو حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جو حضرت بیخود کے دیوان کی تاریخوں میں شائع ہوا ہے۔

کیا نہیں سب کچھ ہے اسمیں نکتہ رس دل کے لیے
سادگی۔ بیساختہ پن۔ روزمرہ۔ بول چال

یہ شعر جناب بیخود کے دیوان کے متعلق مبالغہ سے بالکل پاک ہے بلکہ اس کے اوصاف اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ یہ دیوان (گفتار بیخود) حضرت مصنف کے پتہ پر مٹیا محل دہلی سے عہر میں مل سکتا ہے۔

انگلش ٹیچر ٹنڈن برادرز کے انگلش ٹیچر کے ریویو میں جو نومبر کے "تمدن" میں شائع ہوا تھا پتہ میں بجائے آگرہ کے لاہور شائع ہو گیا ہے۔ صحیح پتہ ٹنڈن برادرز آگرہ ہے۔

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں تو ان کو بجز بد قسمت اور کیا کہنا چاہیئے

اکسیر حیات فیصد للعہ۔ جو کل امراض پر بموجب بدرقہ استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کیا بلکہ مثل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے۔ آزمائش شرط ہے کیونکہ اس میں جز دیسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا۔ نربدا کنارے ملتی ہے۔ فواید کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کر دیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لئے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کر کے ملاحظہ کریں۔ مصفے۔ مولد خون۔ مہی۔ مشتہی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نامبارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد خارش۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر پشت۔ شکم محلل۔ اورام بدن۔ دشمن اوجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ۔ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا امراض معدہ۔ استسقا۔ بواسیر۔ ڈبہ اطفال۔ قاطع سیلان رحم۔ احتباس النفاس وغیرہ **اکسیر حافظہ** ایک۲ خوراک عہ۔ طلبا سے نصف قیمت

المشتہر

احقر العباد چودھری دیبی پرشاد ملگرامی شہر لکھنؤ۔ گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال قریب پوسٹ نمبر ۱۱

قابل دید کتب

خاص رعایت

ناولہائے قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ شاہد رعنا جو دو دو بار چھپ کر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوا دیئے گئے ہیں۔ ۴۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ۲؎

اسلام بانی قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان آپکے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھپا کر نہایت خوبصورت جلدمیں ہدیہ شائقین کئے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصول ڈاک ۱۲ اسے ہے

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کر دیگئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

آویس ملکہ الگبری کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پر تاثیر قصہ ہے قیمت ۸؍

اٹوپیا اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک قوم کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۱۲؍

ناول

فسانۂ مسلمہ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی سید جلال الدین صاحب حیدر بہادر ایم اے ضخامت ۵۵۰ صفحات اصل قیمت ۲ رعایتی ۱۰؍

تماشاگاہ عالم۔ ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸؍ رعایتی ۱۲؍ صفحات ۲۸۸

نیرنگیٔ دہر مجیدہ بیگم کے مصائب و وفاداری کی داستان شریف النفس کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸؍ رعایتی ۴؍ صفحات ۱۳۴

تاریخ

علمائے سلف مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جسمیں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ ۱؎ رعایتی آٹھ آنہ (۸؍)

قدیم ہندوستان کی تہذیب مشہور فاضل مسٹر آر سی دت کی بیمثل تاریخ سویلائزیشن آف انشینٹ انڈیا کا اردو ترجمہ رعایتی قیمت ۱؎

تذکرہ امیر امیر عبدالرحمن خان صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت ۱؎ رعایتی عہ

سفرنامہ یورپ بلاد یعنی منشی محبوب عالم صاحب روم و شام و مصر ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت ۱؎ رعایتی ۱۲؍ صفحات ۹۷۰

تاریخ اودھ۔ نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے واجد علیشاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں یہ مستند و نایاب کتاب تاریخ بدلے مرتب کیگئی ہے اسکے مولف جناب

نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور تاریخ اودھ انکا ایک کارنامہ ہے جس میں شاہان اودھ کو بجا ناز ہے یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کے دربار کی پوری تصویریں دکھاتی ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے مکمل چار جلد و نقشہ قیمت ۲۰ (دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک)

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلیٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ر

گودڑ کا لال (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف بی بی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۲۴۹ قیمت ہر دو حصہ ۱۲ر

عالم خیال (یا تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے انتہا لطف نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ و معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبان (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۶ر

آئینہ جنگ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مبسوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ ، تعریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف [illegible]

السنہ مشرقیہ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زبان کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶ر

برکات سلطانی علیا بیگم صاحبہ والئی بھوپال کی روشن زندگی کا نامہ اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ر

شکوہ ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱ر

جذبات مسلم ۲۰ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی و ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۰۰ صفحات اصل قیمت ۱۲ر رعایتی ۸ر

مسدس حالی مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ و لکھائی چھپائی اعلیٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ر بے جلد ۸ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل یہ اسم بامسمیٰ کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۱۲ر

شباب لکھنو۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیے۔ ایک انگریز سیاح جس نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب بی۔ اے قیمت ۱۲ر مجلد ۸ر

علوم طبیعی کی تاریخ علوم طبیعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکماء نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے مضامین کی وضاحت کیلئے صدہا تصویریں دیگئی ہیں قیمت ہر دو جلد ۱۲ مجلد

سورج چاند ستارے اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ و مفید کتاب ہے جسمیں چاند سورج ستاروں سیاروں، دمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری آنکی وسعت جسامت، باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۸ مجلد ۱۲

تاریخ مذاہب اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابل اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک اور اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ مجلد ۱

داستان مریخ سیارہ مریخ کی جسقدر اس وقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اس کو اختصار کے ساتھ اسمیں قلمبند کردیا ہے، قابل دید کتاب

جان ہیلی فیکس جنٹلمین اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے قیمت ہر دو جلد مجلد

بچوں کی پرورش مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا ۲۱۶ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت

رسول عربی پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات حجم ۱۴۰ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸

بنت الرسول سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کیلئے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحات قیمت ۵

کفایت شعاری سموئیل سمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و اتخاذ۔ قیمت ۸

آئینہ ہارمونیم مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونسٹ۔ ہارمونیم سیکھنے والوں کیلئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲

قاسم و زہرہ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں۔ شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ، طرز ادا انتہا کا دلاویز، شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے فقرے چست لطیفے برجستہ، بایں ہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں۔ معاشرت کے عین مطابق فطرت دکھائے ہیں۔ نیچرل کیفیات و جذبات میں سرتا پا ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸

رباعیات انیس و دبیر اس کتاب میں ہندوستان کے مشہور قادر الکلام و معجز بیان سخنوروں کی عزائیہ اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۴

رباعیات دبیر حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ اسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں۔ ۸

رباعیات حالی مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید
ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں ۳ر

وصال منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی
دلکش تصنیف ۸ر

ہاکی ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی
کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کئے گئے ہیں جا
بجا ہف ٹون تصاویر چسپاں کی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے
کھلاڑیوں کے لئے عمدہ کتاب ہے ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور انکی قیمت میں خاص رعایت کر دیگئی ہے اگر درخواستوں دیر ہوگی تو انمیں سے اکثر کتابیں نہ ملسکینگی

کلیات نظیر اکبر آبادی جسمیں دیوان نظیر گلستان نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں جسکو پروفیسر
سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے رعایتی ؏ر

حق بحقدار (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش
اور دلچسپ افسانہ مصنفہ منشی محمد عبد الغفور صاحب مصنف
تماشاگاہ عالم وغیرہ ۱۷۵ صفحات رعایتی قیمت ؏ر

حیات حافظ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے
کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر
نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے ؏ر

یادگار دربار حرم یعنی اسلامی تاریخی مخزن (اسلامی
انسائیکلوپیڈیا) دو جلدیں فی جلد ؏ر

وکرم اروسی یعنی مہاکوی کالیداس کا ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ
مع ایک مبسوط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل
بحث کی گئی ہے مرتبہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے
جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن۔ قابل دید کتاب ہے قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:—

الہارون سوانحعمری ہارون رشید مع نقشہ ۱۲ر

صلاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر سلطان
صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح
عمری ۸ر

تصانیف سرسید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ مجلد ۴ر
اسباب بغاوت ہند ۲ر

تصانیف شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مراۃ العروس ۴ر
چند پند ۴ر
منتخب الحکایات ۴ر
توبۃ النصوح ۴ر
سلسلہ آصفیہ ۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق

تکمیل محاربات } دو حصہ قیمت
روس جاپان } فی حصہ ۱۲ر

زہرا ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر
صاحب بی۔ اے ۸ر

چمنستان عرب ۱۰ر

پروفیسر ومبیری کا سفرنامہ خیوہ بخارا
ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر
گنج شائیگان ۸ر
حیات نور الدین ۸ر
یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

دفتر تمدن بیل جھاؤلال لکھنؤ

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہی جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لاسکے! یہی وہ نظارہ ہو جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی تمدنی ادبی معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہو جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کیطرح میرٹھ سے نکلتا ہو اور دنیا میں ایکنئی روشنی پھیلاتا ہے۔ اہل نظر نظارے کو آئینہ کیطرح رکھیں اور علم کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھیں جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں۔ تماشا دیکھیں۔ قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہو نمونہ پانچ آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

مینیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

دیکھنے کی چیز

النظامیہ (فرنگی محل لکھنو) کا مخصوص اور شاندار رسالہ ربیع الاول میں خاص اہتمام سے شایع کیا جائیگا اسکا حجم موجودہ حجم سے دگنا اور اسکی اشاعت موجودہ اشاعت سے دگنی یعنی ۲۰۰۰ ہوگی اور ہندوستان کے مشہور علماء و فضلاء ارشادین مثلاً حضرت مولانا عبدالباری صاحب (فرنگی محل) مولانا سید سلیمان صاحب (ندوی) اور عبدالحلیم صاحب شرر، خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب، مرزا محمد ہادی صاحب عزیز (لکھنوی) مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (لکھنو) وغیرہ نے خصوصیت سے مستفیض فرمانیکا وعدہ کیا ہو رسالہ کی قیمت ۸ ہے سالانہ عام اور طلبا سے بشرط التصدیق نصف عہ لیجاتی ہی حضرات تجار کیلئے یہ موقع بہت غنیمت ہی کیونکہ اسکے ایک صفحہ کے اشتہار کی اجرت صرف للعہ اور نصف صفحے کے ۲ ہیں جبکہ انکی سال کیلئے ایک صفحہ کے عنہ اور نصف کے ۱۲ ہیں انشاء اللہ یہ پرچہ معنوی اور ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے خصوصیت سے ممتاز ہوگا ملک کے ہر گوشہ میں اسکے پہنچانیکی کوشش کیجائیگی اسلئے اشتہار دینے والے یقیناً خواطر خواہ کامیابی حاصل کرسکیں گے ایک صفحہ سے زاید کیلئے اشتہار میں خاص رعایت ہی رسالہ کی قیمت ہ۲ اور سالانہ قیمت عہ طلبا سے بشرط التصدیق عہ ہیں۔ ایجنٹوں کے ساتھ خاص رعایت ہے۔

محمد شفیع مینیجر النظامیہ فرنگی محل لکھنو

تمدّن

لکھنؤ

تھیٹر اور اصلاح اخلاق

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

نقل یا تھیٹر سے بعض برائیاں یا بعض کمزوریاں بہ نسبت کسی دوسری طرح کی تعلیم کے ایک خوبی سے دور ہو سکتی ہیں اور اس طرح اچھائیوں کا اعلان اور نقش بھی نقل اور تھیٹر کے ذریعہ سے خوب تر ہوتا ہے۔

ہم اس بات کے ماننے سے گریز نہیں کر سکتے کہ بعض وقت نقل اور تمثیل یا نظیر اخلاقی اصلاحات میں بہت کچھ کام دے جاتی ہے اور اثر ایک صداقت اور پائداری لیے ہوتا ہے۔ نقل تمثیل اور نظیر میں ایک اثر اور ایک کشش و دلچسپی ہوتی ہے جیسے بعض اقوال اور اشعار میں ایک اثر اور ایک کشش ہوتی ہے۔ تمثیل اور نظیر کے ذریعہ سے بعض طبائع پر اثر ڈالنا کوئی نئی چیز نہیں شروع ہی سے یہ طریقہ جاری ہے نہ صرف مادی دنیا میں ہی بلکہ مذہبی اور معادی دنیا میں بھی یہ طریقہ معمول رہا ہے الہامی کتابوں

میں بھی بعض باتیں تماثیل اور نظائر دے کر بیان کی گئی ہیں ہر قوم میں نقالیے
کسی نہ کسی رنگ میں پائے جاتے رہے ہیں اور ایک حد تک اُن کی خدمات کا
اعتراف بھی کیا جاتا رہا ہے۔

پرانے زمانوں میں دستور تھا کہ رات کے وقت گھر کی بوڑھی عورتیں
اور بوڑھے مرد بچوں کو مختلف قسم کی کہانیاں سُنایا کرتے تھے گو بچوں کے
واسطے ایسی کہانیاں ایک ضیافت طبع ہی ہوتی تھیں مگر اس کے ساتھ ہی
اُن کہانیوں اور اُن زبانی قصّوں سے طبائع پر کچھ نہ کچھ اثر بھی ہوتا تھا۔
بعض امیروں کے ہاں تذکرہ گو نوکر بھی رہتے تھے۔ یہ گویا گذشتہ و موجودہ
زبانی اخبار اور تذکرے تھے اور ایسے زبانی اخبار کا چرچا ملک بھر میں ہی
نہیں بلکہ خانہ بہ خانہ ہوتا تھا سونے سے پہلے بچیاں اور بچے خاندان کی معمر
عورتوں کو مجبور کرتے تھے کہ کوئی نہ کوئی (بات) کہانی سُنائی جائے سُننے
والے نہ صرف ایسی کہانیاں اور باتیں سُنتے ہی تھے بلکہ یاد بھی رکھتے تھے۔

شادی بیاہوں میں نقلیے جو نقلیں کرتے تھے وہ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچاتی
تھیں یا کوئی نہ کوئی نتیجہ رکھتی تھیں اگرچہ اس وقت دیسی یا مردہ اقوام کے
نقالوں کا کوئی پرساں نہیں اور نہ وہ گرم بازاری ہے مگر جب زمانہ موافق
تھا تو ان میں سے بھی بعض نقلیے اپنے اس فن اور کرتب میں بہت کچھ کمال
رکھتے تھے اور بعض وقت بڑی بڑی مجلسوں اور شاہی درباروں میں ایسے
کام کے کلمات بھی نکل جاتے تھے اور ایسے سوانگ بھی بھرتے تھے کہ سلاطین
اور امیر و وزیر سُن اور دیکھ کر اُن بعض ملکی واقعات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے
جو اُن سے مخفی تھے یا جو عمال حکومت کی جانب سے مخفی رکھے گئے تھے بعض
کتابوں میں اس قسم کے قصّے ایک وضاحت کے ساتھ لکھے ہوئے اب بھی

ملتے ہیں۔ بعض وزرائے سلطنت نے اکثر اوقات بادشاہوں کے کانوں میں ان نقالوں کے ذریعہ ہی سے ضروری اور اصلاح طلب باتیں پہنچائی ہیں۔

اس قسم کی نقلوں یا تھیٹروں کی بادی النظر میں دو ہی غرضیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) بعض روایات اور بعض واقعات کا اظہار تمثیل اور نظیر کے پیرایہ میں۔

(ب) تفنن یا تفریح طبع۔

انسان بالطبع تفریح طبع کا شیدائی ہے جو لوگ انسان کے واسطے تفریح طبع کی غذا ممنوع قرار دیتے ہیں میری رائے میں وہ ایک فطرتی مداوا کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں خواہ کوئی سا رنگ اور کوئی سا طریقہ ہو انسان تفریح کا طالب اور تفنن کا حامی اور خواہاں ہے۔

اگرچہ بعض مذاہب میں یا بعض حکمائے دہر کے نزدیک ایسا تفنن اور ایسی تفریح اخلاقی پہلو سے جائز نہیں ہے جو اخلاق پر اچھا اثر نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی تفنن اور تفریح جائز حدود میں معیوب نہیں قرار دیا گیا ہے مزاح اور مذاق ہر مذہب میں ایک لازمۂ طبع سمجھا گیا ہے۔

یہاں تک تو ہم تفنن اور تفریح کی تائید میں ہیں اور یہ ضروری ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی نہ کوئی مصالحہ تفریح کا انسان کے واسطے ہونا چاہیے لیکن جب اس قسم کی تفریحات پر بالکل ہی اخلاقی اصلاح کا انحصار کیا جائے تو ہم یہ قرار دینے میں تامل نہیں کر سکتے کہ یہ رائے درست نہیں ہے۔ جس رنگ میں اس وقت اکثر تھیٹر ہوتے ہیں اُن کا طرز اور اُن کا ڈھنگ بجائے اس کے کہ کوئی اخلاقی اصلاح کرے اخلاق کے مخالف ہے۔ اس مرحلہ پر آکر عام ناولوں اور عام تھیٹروں کا ایک ہی

ترخ ہو جاتا ہے ناولوں کی بدولت طبائع انسانی یا بعض ناظرین اور قارئین کے
بہت اچھا اثر پڑا اور پڑتا ہے لیکن یہ بات خاص خاص ناولوں ہی سے
مخصوص ہے عام ناولوں کو یہ حق اور یہ بات حاصل نہیں عام ناول ایک
بڑی حد تک مخرب اخلاق ثابت ہوئے ہیں۔ زمانہ خود گواہ ہے کہ جس زور و
شور سے پہلے ناولوں کی گرم بازاری تھی اب وہ نہیں رہی خصوص سرزمین
ہندوستان میں۔

بیشک دلگداز ایسے ناول یا اور ایسی تالیفات اور تصنیفات یا میری کوریلی
کیسے ناول ایک خاص پایہ کے ناول ہونے کی وجہ سے ایک خاص کشش
اور خاص اثر بھی رکھتے ہیں لیکن وہ ناول جو محض نام ہی کے ناول ہیں
طبائع پر کیا کچھ اخلاقی اور ادبی اثر ڈال سکتے ہیں؟

کم سے کم ناول یہ تو اثر رکھے کہ ادبی پہلو ہی سے اُس میں کوئی کشش
اور کوئی خوبی ہو۔

ہندوستان تھیٹروں کے واسطے یورپ علی الخصوص انگلستان کا
شاگرد یا پیرو ہے۔ انگلستان اور یورپ میں جس خوبی اور جس متانت
سے تھیٹر ہوتے ہیں وہ واقعی ایک خوبی اور لطافت رکھتے ہیں وہ دو بجے
رات تک عموماً نہیں ہوتے بلکہ ۷ بجے شام سے شروع ہو کر حد ۱۱-اور ۱۲
بجے رات تک ختم ہو جاتے ہیں اُنکے تماشے اور اُنکی نقلیں اور پارٹ بہت کچھ نفاست
اور خوبی رکھتے ہیں لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن کا اثر ناظرین اور
سامعین پر اچھا ہی ہوتا ہے اور اُن کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو تھیٹر کی
تعریف سے چاہیئے۔

اُن میں بھی جو لوگ آتے ہیں محض تفریح کی خاطر نہ کہ کسی اخلاقی

اصلاح کی غرض سے اُن میں بھی عموماً تماثیل اور نظائر ایسے رنگ میں پیش کئے جاتے ہیں جو بہت کچھ محض عشق والفت کی کہانیاں اور قصّے ہوتے ہیں ہندوستان کے شاعروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان میں سوائے گل و بلبل کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ مَیں کہوں گا کہ یورپ کے تھیٹروں کی بھی یہی صورت ہوتی ہے اُن میں بھی یہی سامان ہوتے ہیں مَیں نہیں کہہ سکتا کہ وہ سارے کے سارے ہی ایسے ہوتے ہیں لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کا اکثر حصّہ قریباً ایسا ہی ہوتا ہے۔

اکثر لوگ دیکھنے کے بعد اپنے ساتھ صرف ایک تفریح ہی لاتے ہیں باقی خیر صلاح اور اکثر لوگ اُن میں صرف اس واسطے جاتے ہیں کہ رات کا ابتدائی حصّہ ایک شغل اور ایک تفریح میں گذر جائے ایسے تھیٹروں کے ساتھ ہی مالکان تھیٹر کی جانب سے جو جو دیگر سامان مہیا ہوتے ہیں جب اُن پر نظر کی جاتی ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ جہاں کچھ اچھائی ہوتی ہے اُس کے ساتھ وہاں بعض اوقات غلطی اور فروگذاشت بھی ضرور ہوتی ہے۔ فرانس کے شہر پیرس اور دیگر مصالک یورپ میں دوسرے لوازمات اسقدر اور ایسے ہوتے ہیں کہ اُنھیں دیکھکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک ہندوستان کے تھیٹر اُن سے محفوظ پائے گئے ہیں اور اُن کی حالت نسبتہً اچھی ہے۔

البتہ یہ پسندیدہ بات ہے کہ لوگ یا ناظرین یہاں کی طرح ساری رات گنوا نہیں دیتے اور نہ اسقدر اُس میں منہمک ہوتے ہیں کہ بس کوئی اور بات یاد ہی نہ رہے۔ بیشک وہاں کے تھیٹروں میں بعض تماثیل بعض تماشے اور بعض پارٹ واقعاتی۔ تاریخی اور قومی ہوتے ہیں اور

اُن میں سے ایک غور کرنے والا بہت سی باتیں نکال سکتا ہے لیکن یہ کہنا کہ عام طور پر ایسے تماشوں یا ایسے سینوں کا ہمیشہ ہی اچھا اثر ہوتا ہے ایک مبالغہ ہے اور اسی طرح یہ کہنا بھی مبالغہ ہے کہ تھیٹروں کی بدولت خصوصاً یورپ میں بہت کچھ اخلاقی اصلاحات ہوئی ہیں میری رائے میں ہوئی ہوں گی لیکن بہت کم اور خاص خاص مراحل پر ورنہ عام طور پر تھیٹر اب تک تفریح کا سامان ہیں اور اکثر لوگ یا پبلک محض تفریحی خیالات کو لے کر وہاں آتی ہے۔

بہ نسبت تھیٹروں کے اس وقت سینما اور بائسکوپ زیادہ تر دلچسپی کا موجب ہو رہے ہیں اور اُن میں ایک مہذبانہ خاموشی کے ساتھ اثر بھی ہے اور علمی پہلو سے بھی اُن کی دلچسپی کا زور سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

چونکہ ہندوستان کی دھرتی میں تھیٹروں کا چرچا محض تقلیدی رنگ میں ہوا ہے اور یہ یورپ کا ایک عکس ہے اس واسطے اگر ان سے اخلاقی اصلاحات منظور ہیں تو ملک کا فرض ہے کہ اُن کو ایک بڑی حد تک اُن ہی شرائط اور اُن ہی حدود کے تابع اور اندر رکھے کہ جو سرزمین ہند کے موزون اور مناسب ہوں یہ قرار دے لینا کہ محض تھیٹروں کی بدولت ہی یہاں کے لوگوں اور نوجوانوں کی طبائع درست ہوں گی۔ میری رائے میں ایک فریب وہ غلطی ہے اگر ہمارے پاس اُن اصلاحات کی کوئی فہرست ہے جو اب تک اس سرزمین میں تھیٹروں کی بدولت ہوئی ہیں تو ہم بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اب تک تھیٹر یہاں محض ایک تفریح کا روپ اور رنگ رکھتے ہیں اگر ازمنہ گذشتہ میں ایسی تفریحات کے واسطے ارباب نشاط کی

مجلسیں کوئی قیمت اور کوئی درجہ رکھتی تھیں جواب بھی ایک حد تک ملک کے بعض کونوں میں پائی جاتی اور بقید حیات ہیں تو عام تھیٹروں کا درجہ بھی اب تک بہ بعض حالات وہی رنگ رکھتا ہے۔ غایت درجہ یہ کہ یہاں جانا اور داخل ہونا رسمی اخلاقی پابندی کے منافی نہیں ہے اور وہاں جانا یا داخل ہونا رسمی پابندیوں کے لیے ایک بڑی حد تک ناموزوں اور نامناسب ہے یہ ممکن ہے کہ جیسے اور ممالک میں رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی ہوتی گئی ہے اس ملک میں بھی رفتہ رفتہ یا تو پرانے نشاط خانے تھیٹروں کی صورت و رنگ اختیار کریں اور یا ارکان نشاط تھیٹروں میں جا شامل ہوں جیسے کہ اب بھی بمبئی۔ کلکتہ وغیرہ شہروں کے بعض مشہور گویئے اور ارباب نشاط رنگ بدل کر حدود تھیٹریں داخل ہو گئے ہیں یہ خیال ناموزوں نہیں ہوگا کہ

دونوں صورتوں میں سے ایک صورت وجود پذیر ہو کر رہے گی اور زمانے کی تبدیلی کا پرانے تھیٹروں یا نشاط گاہوں پر بھی ضرور اثر پڑے گا اور ان کی کایا بھی ضرور پلٹے گی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تبدیلی اہل ملک کی اخلاقی ضروریات کی کہاں تک کفیل ہوگی اور ہم ایسی تبدیلی سے اخلاقی رنگ میں کیا سے کیا ہو جائیں گے۔

سلطان احمد

تصویرِ یار

ہے تصور میں جو یہ تصویرِ یار — باعثِ تسکینِ جانِ بے قرار
گو انیسِ شامِ تنہائی ہے یہ — پردہ پوشِ عشق و رسوائی ہے یہ

اس سے تازہ ہے گلِ داغِ کہن — کرتی ہے سرسبز یہ دل کا چمن
گھر بنا کر خاطرِ ناشاد میں — محو رکھتی ہے بس اپنی یاد میں

ہے کبھی فرقت میں یہ غمخوارِ دل — اور کبھی ہے باعثِ آزارِ دل
ہر گھڑی رہتی ہے یہ پیشِ نظر — چھوٹنے دیتی نہیں روے قمر

ہے تسلی بخشِ بیمارِ فراق — یہ نہ ہو فرقت میں تو جینا ہو شاق
گو دواے عاشقِ شیدا ہے یہ — فی الحقیقت باعثِ سودا ہے یہ

جذبۂ خاطر کی اک تعبیر ہے — ہجر میں آرام کی تدبیر ہے
ہمنشینِ خلوت و جلوت ہے یہ — باعثِ افزائشِ الفت ہے یہ

ہر ادا اسکی ہے روح افزا مگر — پھونکتی ہے دل میں الفت کا اثر
جوش میں لاتی ہے یہ عاشق کا خون — رفتہ رفتہ تیز کرتی ہے جنوں

دل میں رکھتے ہیں اسے عاشق مزاج — کیونکہ ہے سوزِ محبت کا علاج
گو بظاہر دافعِ آزار ہے — ہر ادا اس کی مگر تلوار ہے

اللہ اللہ اس قدر ناز آفریں — روبرو ہے اور پاس آتی نہیں
بھاگتی ہے عاشقِ مہجور سے — شوخیاں دکھلا رہی ہے دور سے

کھینچتا ہوں جتنا کھنچتی ہے اُدھر — پاس آنے میں یہ ہنگامہ یہ شر
دید کے طالب کو ترساتی ہے تو — اک جھلک دکھلا کے چھپ جاتی ہے تو

تو وفا پیشہ وفاداروں میں ہے — کشتۂ حسرت کے غمخواروں میں ہے
شوخیاں اتنی تجھے زیبا نہیں — دل دکھانا اسقدر اچھا نہیں

انبساط قلب مضطر ہے تو ہی — باعث تسکین خنجر ہے تو ہی
تو ستمگر یا وفا آموز ہے — خیر جو کچھ ہے بڑی دلسوز ہے

خنجر لکھنوی

ظہیر الدین محمد بابر
ایک ادیب اور مورّخ کی حیثیت سے

بابر نے تاتاریوں کی دلیری اور بہادری میں ایرانیوں کی تہذیب و شائستگی کو داخل کیا اس کی رگوں میں چنگیزخاں اور تیمور کا خون دوڑتا تھا وہ بے حس و حرکت ہندوستان میں مغلوں کی زندہ دلی اور جرات اور ترکوں کی شجاعت و مردانگی لایا اور اُس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جسکی تکمیل اُس کے پوتے اکبر نے کی۔

ہندوستان سے بابر کے تعلقات کی ابتدا اس کی عمر کے آخری بارہ سال میں ہوئی اس کا شباب اپنے وطن میں اپنی حکومت برقرار رکھنے کے لیے ناکام تنازعوں میں گذرا اور آخر پچیس برس کی بے سود کوششوں کے بعد اسے سیحون اور جیحون پر حکمرانی کرنے کی امید چھوڑ دینی پڑی

اور پانچ مرتبہ ہندوستان پر حملے کیے، پانچواں حملہ امید افزا فتح کی صورت میں ظاہر ہوا، پانچ سال تک وہ ہندوستان میں رہا جس کا وہ اب مالک تھا اور اپنی عمر کے اڑتالیسویں سال میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔

تاریخی حیثیت سے بابر کی اہمیت اسکی ہندوستانی فتوحات پر منحصر ہے کہ اس طرح اس نے شاہانِ مغلیہ کے عظمت و جلال کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی بہترین اور ہردل عزیز تصنیف "تزک بابری" نے علم ادب و تاریخ کے بادشاہوں میں بھی بابر کو ممتاز تسلیم کرالیا،

بابر فارسی زبان کا جو لطافت و شیرینی کی جان ہے ایک پُرمغز شاعر تھا اور اپنی مادری زبان ترکی کا بہترین انشا پرداز تھا، اس کا طرزِ تحریر نظم و نثر دونوں میں مخصوص اور نہایت سادہ اور صاف تھا۔

صاحبِ تاریخ رشیدی لکھتے ہیں کہ "بابر شجاعت و عدالت و انصاف کے علاوہ صدہا مختلف اوصاف سے آراستہ تھا، ترکی زبان کی شاعری میں امیر علی شیر کے علاوہ کوئی اس سے بازی نہ لیجا سکا اور اس زبان میں اس نے ایک فصیح و بلیغ دیوان چھوڑا ہے وہ نثر کے ایک طرزِ "مبین" کا موجد ہے اور علم اصول قانون پر اس نے مفید و بکار آمد رسالہ لکھا جو عام طور پر رواج پذیر ہوا اور آج تک مستند سمجھا جاتا ہے، اس نے ایک مدلل اور مبسوط مضمون ترکی زبان کے علم عروض پر بھی لکھا ہے جو اس مبحث پر اس سے پہلے لکھے ہوئے تمام مضامین سے بہتر مانا گیا ہے"

بابر علم فقہ حنفی کا مجتہد تھا اور موسیقی اور فن انشاء و املا میں اُسے معقول دستگاہ تھی عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کا متبحر عالم ہونے کے علاوہ

وہ ہندی بھاشا بھی اچھی طرح جانتا تھا، رسالہ ولدیہ کو اس نے نہایت صاف اور شستہ زبان میں نظم کیا اور اپنے سوانحی حالات "تزک بابری" کی صورت میں چھوڑے جو زبان کی سادگی اور صفائی کی حیثیت سے فرد ہے اور تاریخی نقطۂ خیال سے اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

اس کے زمانے کے ترک حکمران علمی مشاغل کو فخر و عزت سمجھتے تھے اور ایک عمدہ غزل کہہ لینا یا کسی مخصوص موضوع پر کچھ لکھ لینا ان کی بہترین خواہشات میں داخل تھا، صاحب قلم ہونا صاحب شمشیر ہو کر شجاعت و جوانمردی کا علَم بلند کرنے سے کسی طرح کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

علم و ہنر، ظرافت و خوش طبعی، برجستہ و برمحل شعر خوانی، خوشخطی اور موسیقی بابر کے وقت میں بے حد قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور وہ ان تمام اوصاف میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت رکھتا تھا، بابر خوش طبع اور ظریف لوگوں کی صحبت بہت پسند کرتا تھا اور عظیم ترین مہمات اور پیچ در پیچ معاملات میں مبتلا رہنے کے باوجود صد ہا مجالس مے نوشی اور بزم ہائے عیش و طرب کا انعقاد اس کی زندہ دلی پر کافی روشنی ڈالتا ہے

سواد کابل میں ایک پُر فضا باغ کے اندر اس نے سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا حوض تیار کرایا تھا وہ حوض شراب ارغوانی سے بھرا جاتا تھا اس کے ارد گرد عیش و طرب کی مجالس منعقد ہوتی تھیں اور مے فرحت افزا کا دور چلتا تھا، بابر کا یہ شعر اس حوض کو شرشال پر کندہ تھا۔

نوروز و نو بہار و مے و دلبرے خوش است — بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اکثر ایسا ہوا ہے کہ بعض معاملات سے اثر پذیر ہو کر اس نے برجستہ غزل کہی اور اس میں اپنے حسیات و جذبات کا اُسی طرح نقشہ کھینچا

جس طرح فرصت و اطمینان کے وقت کافی غور و خوض کے بعد کھینچا جا سکتا ہے۔

جب ۹۳۴ھ میں بابر نے قلعۂ چندیری فتح کیا اور مع خدم و حشم کے قلعہ میں داخل ہوا تو فی البدیہ ذیل کا قطعۂ تاریخ کہا:-

بود چندے مقام چندیری — پُر ز کفار و دار حربی خرب
فتح کردم بحرب قلعہ آن — گشت تاریخ فتح دار الحرب ۹۳۴ھ

بابر کی خود نوشت سوانح عمری دنیا کے اُن بیش قیمت صحائف میں سے ہے جو ہمیشہ ادبی حلقوں میں روشن و منور رہیں گے، "تزک بابری" بناوٹ اور مبالغہ سے پاک ہے، عبارت نہایت صاف اور شُستہ ہے اور بے حد دلچسپ و دل آویز ہے، بابر کے ہمعصروں اور ہموطنوں کی تصویریں اسکی بے بہا تصنیف میں آئینہ کی طرح صاف نظر آتی ہیں، ان کا طرز بود و باش، ان کے اخلاق و عادات ان کا تمدّن و معاشرت اس خوبی سے پیش کیے گئے ہیں کہ نظر کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے اور سچ یہ ہے کہ ایشیا میں اک یہی ایسی کتاب ہے جو حقیقی معنوں میں تاریخ کہلانے جانے کی مستحق ہے۔

"تزک بابری" میں ہر فرد کی جو بابر سے کچھ بھی تعلق رکھتا تھا شکل و شبیہ، لباس اشغال و عادات ایسی تفصیل اور توضیح کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ انھیں کی صحبت میں رہتا ہے اور ان کی زندگی کے ہر پہلو سے اچھی طرح واقف ہے۔

بابر نے خصوصاً اپنے اعزا و اقارب کا تذکرہ ایسے دلچسپ و پر اثر لہجہ میں کیا ہے کہ گویا وہ کبھی اُس سے چھوٹے ہی نہ تھے، وہ جگہ جگہ اپنے دوستوں کی پر لطف گفتگو کو دُہراتا ہے، ان کی مہمات کا تذکرہ کرتا ہے انکی مصیبتوں پر روتا ہے اور ان کی خوشیوں پر خوش ہوتا ہے۔

اس نے اُن ممالک کے حالات جن کی سیر و سیاحت کا اُسے اتفاق ہوا ہے نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ دکھائے ہیں، ان کے مختلف مناظر، ان کی آب و ہوا پیداوار، علوم و فنون، صنعت و حرفت، قوانین اور طرز حکومت ایسی صحت و درستی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ کوئی موجودہ ترقی یافتہ زمانے کا سیاح بھی مشکل ہی سے اتنے حجم میں اور ایسی تکمیل کے ساتھ لکھ سکے گا اور اگر اس دقت کی تحریروں کو دیکھو اور پھر بابر کی حیثیت اور اس کی مشکلات اور مصروفیت کا خیال کرو تو یقیناً "تزک بابری" دُنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

اگرچہ بعض مقامات پر معمولی واقعات کی تکرار اور خشک اور غیر ضروری معاملات کی تشریح و تفصیل بھی نظر آتی ہے مگر اس کی لاتعداد خوبیوں نے ان چند نقائص کو اس طرح چھپا لیا ہے کہ کافی غور و خوض کے بعد بھی مشکل ہی سے محسوس ہو سکتے ہیں۔

ذاتی حالات کا آزادانہ اظہار اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنی بُرائیوں اور غلطیوں کا صحیح نقشہ اور اس کی صداقت اور خودداری کے شریفانہ جذبات کے احساس نے بابر کی خود نوشت سوانح عمری کو وہ درجہ عطا کیا ہے جس کی نظیر ملنا محال ہے۔

اگر کبھی یہ امر ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی ایک اور محض ایک تاریخی کتاب کو بلا کسی دوسرے ثبوت کی تلاش کے مستند تسلیم کر لیا گیا ہو تو وہ صرف تزک بابری ہے اور آج تک کہ چار سو برس کی طویل مدت گذر چکی ہے کسی کو بابر کے بیان کی صحت و درستی پر شک کرنے کی جرات نہیں ہو سکتی ہے،

"تزک بابری" کے اصل ترکی سے فارسی زبان میں کئی ترجمے ہوئے ہیں

لیکن سب سے زیادہ مشہور ترجمہ بیرم خاں کے بیٹے مرزا عبدالرحیم خان خاناں کا ہے جو اکبر اعظم کی خواہش سے ۱۵۹۰ء میں کیا گیا۔

مسٹر جان لاٹی ڈن اور ولیم ارسکن نے (جن کی تالیف "بابر اور ہمایوں" دو حصوں میں ایک بڑی معروف اور مستند کتاب ہے) ۱۸۲۶ء میں "تزک بابری" کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور کتاب کے شروع میں ایک نہایت مفید مقدمہ لکھا جو بجائے خود بابر کی زندگی پر ایک بہترین مضمون ہے، یہ ترجمہ ترکی اور فارسی مسودات کی مدد سے کیا گیا، اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں اصل ترکی سے مسٹر پیوٹ ڈی کورٹیلی نے بابر کی اس بیش قیمت یادگار کو فرانسیسی زبان میں تبدیل کیا۔

آج دنیا میں بابر کی نسل اور اس کے جانشینوں کا وجود باقی نہیں رہا، آج کنار رود جیحوں پر مغل جیسے عظیم الشان لفظ کا کچھ اثر نہیں ہوتا، ترک بربادی اور تباہی کی حد کو پہنچ گئے، تیمور کے خاندان کا آخری چراغ رنگون میں گل کر دیا گیا، اور بابر کی شان و منزلت و طاقت، اور شوکت و جبروت کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کی زندگی کی مستقل یادگار اور اس کی غیر فانی اولاد آج بھی اسی طرح اور اسی حالت میں باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

حامد اللہ افسر میرٹھی

ضروری گذارش: "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

موت کی گھڑی

اچھا لکھنے والے لکھ چکے اچھا بولنے والے بول کر تھک گئے دلیل اور حجت کی بارش برستی رہی - عقل نے بہتیرا زور لگایا - تلوار نے ہرچند دھمکیاں دیں مگر لامذہب کا انکار نہ ٹوٹا - وہ جہاں تھا وہیں رہا -

کوئی ایک ثبوت پیش کرتا لامذہب چار تردیدیں سامنے لاتا زبان اسکی تیز قلم میں اسکے روانی - علم میں پورا - ارادہ کا پکّا - بھلا کس کی مجال تھی جو اس کو قائل کرتا اور مذہب کے آگے اس کا سر جھکاتا -

لامذہب جانتا تھا جس چیز کا خلقت نے مذہب نام رکھا ہے وہ فطرت انسانی کی ایسی رہنمائی ہے جو آدمی کو دائرۂ انسانیت میں قائم رکھ سکے مگر جب میں خود اپنے ضمیر و عقل سے اتنی تمیز رکھتا ہوں کہ سوسائیٹی اور آدمیت کے خلاف کوئی بات ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان یا اعضاے ظاہری و باطنی سے نہ کروں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ایک ہجوم بے عقلاں میں شریک ہوں - اور مذہبی آدمی کہلاؤں کیونکہ مذہب کے پابند زیادہ تر جاہل اور بے عقل لوگ ہوتے ہیں - اور مذہب کے راستہ میں چلنے والے کو بیشمار مضحکہ خیز بیوقوفی کی رسمیں بھی ادا کرنی پڑتی ہیں - اور بعض اوقات تو مذہب آدمی سے ایسی ناشائستہ حرکات جوش تعصبی میں کرا دیتا ہے جو دانش اور روح انسانی کے سراسر منافی ہیں -

غرض لامذہب کا انکار دن بدن پختہ ہوتا گیا - پہلے تو لوگ اسکو سمجھاتے تھے تحریری و تقریری اثر اس پر ڈالنا چاہتے تھے - اور اب وہ خود دوسرے اہل مذہب کو فہمائش کرتا تھا اور عقل و دلیل کے زور سے اس نے متعدد آدمیوں کو

منکر مذہب بنا دیا تھا۔

جب اس نے دیکھا کہ میرا جادو چل سکتا ہے تو اس نے ایک کتاب اسلام اور عقلیت یا مذہب اور عقل کے نام سے لکھ ڈالی۔ اور اس کو شائع کر دیا۔

کتاب کے شائع ہوتے ہی توقع کے موافق اہل مذہب جوش میں آ گئے۔ جہاں اس نے تعلیم پائی تھی اسکو برا بھلا کہنے لگے بعض نے نفس تعلیم کو صلواتیں سُنا دیں دو ایک نے عقل کے پتھر کا جواب عقلی پتھر سے دیا۔ لامذہب مسکرا مسکرا کر مزے لیتا تھا اسکو تو پہلے سے ان حرکات عجیب کا علم تھا۔ وہ چاہتا تو اس پر ایک پیشین گوئی شائع کر سکتا تھا جو بالکل ہو بہو پوری اُترے۔ مگر پیشین گوئی کو بھی وہ مذہب کی ایک شاخ سمجھتا تھا۔ لہٰذا وہ چپکا رہا۔ اور اپنا کام کیے گیا۔

لامذہب کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ شراب سے اسکو نفرت تھی۔ زنا اور جوے کا کبھی اس نے ارادہ بھی نہیں کیا۔ دغا۔ فریب۔ غیبت۔ چوری کے گناہ اس نے دانستہ کیا نادانستہ بھی نہیں کیے۔ اپنی روزی محنت سے کماتا تھا۔ اور بڑی بیفکری اور آزادی کی خوش باش زندگی بسر کرتا تھا۔

اس کی زندگی کا پروگرام یہ تھا۔ صبح طلوع آفتاب سے پہلے بیدار ہوتا ورزش کرتا غسل کرکے دودھ پیتا۔ پھر ہوا خوری کو نکل جاتا۔ واپس آکر کالج کے سبق کی کتاب دیکھتا۔ کیونکہ وہ ایک کالج کا پروفیسر تھا۔ دس بجے کھانا کھا کر کالج جاتا چار بجے واپس آکر کچھ ناشتہ کرتا۔ اور ٹینس کھیلنے ایک کلب میں چلا جاتا وہیں اسکے ہم خیال احباب ملتے جن سے سورج چھپنے کے وقت تک خوش گپی رہتی پھر گھر آتا کھانا کھا کر کتاب دیکھتا۔ اخبار پڑھتا اور پاؤں پھیلا کر آرام سے سو رہتا اسکو نمازیوں کی پابندی جیل نظر آتی تھی۔ وہ کہتا تھا وقت کی پابندی کام کے لیے ضروری ہے۔ اس کام کی کیا ضرورت ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔ خواہ مخواہ

وقت ضائع کیا جاتا ہے۔

وہ بہت فیاض تھا۔ اکثر اپنے حصہ کا کھانا کوئی بیکس محتاج سامنے آجاتا تو اس کو دیدیتا تھا مگر روزہ پر اسکو حیرت تھی کہ خلقت کیوں مرتی ہے۔

اس کی آمدنی اتنی تھی کہ ذاتی ضروریات سے روپیے بچ رہتے تھے۔ ان کو وہ طالب علموں یا اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا تھا مگر زکوٰۃ کے ٹیکس کو وہ فضول سمجھتا تھا کیونکہ اسکو مذہبی قواعد کے ماتحت رہ کر خیرات کرنے سے چڑ تھی۔

لامذہب پروفیسر میں ایک متقی مسلمان کے اوصاف سب موجود تھے۔ سوائے اس کے کہ اس کا عقیدہ مذہب اور اس کے خدا پر نہ تھا۔ اس کا خیال تھا خدا کوئی چیز نہیں ہے۔ فطرت کے تقاضے سے چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور شکل بدل کر مٹ جاتی ہیں۔

اگرچہ وہ مسلمانی مذہب کا منکر تھا مگر مسلمان قوم پر اس کی جان فدا تھی۔ کیا مجال کہ مسلمانوں کی کہیں توہین ہوتی اور وہ برداشت کرے۔ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ وہ سرحدی جوان تھا۔ ہاتھ پاؤں اسکے مضبوط تھے دس پانچ کیا سو پچاس آدمیوں کی ہیبت اس پر ذرہ کے برابر بھی اثر نہ کرتی تھی۔

لامذہب پروفیسر کو شادی کی رسمیں معلوم کرنے کا بڑا شوق تھا۔ ہر قوم کی رسومات شادی سنتا۔ موقع بنتا تو خود جا کر دیکھتا۔ کوئی کتاب ایسی ملتی تو بار بار پڑھتا۔ اور ہر رسم کو یاد کرکے لوگوں کو سناتا۔

یہ سن چکے ہو کہ لامذہب پروفیسر بہت توانا اور تندرست نوجوان تھا۔ پاکبازی کے سبب اس کی صحت جسمانی بہت اچھی حالت پر قائم تھی۔ اور وہ یقین کرتا تھا کہ طبعی عمر سے پہلے اس کو موت نہیں آئے گی۔

یہ یقین اہل مذہب کے ایمان کی طرح مضبوط تھا۔ اور کوئی چیز اسکے خیال

عقل کو بدلنے والی موجود نہ تھی۔

لیکن یکایک وہ بیمار ہوا۔ اور ایسا کہ باوجود جسمی قوت کے بستر سے اُٹھنا دو بھر ہو گیا۔ اس کے دوستوں نے ڈاکٹروں کا جم غفیر جمع کر دیا۔ جنھوں نے بہت توجہ سے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی۔ اور پھر علاج شروع کیا۔ ڈاکٹروں نے مرض کے جو اسباب تجویز کیے ان کو پروفیسر نے تسلیم کیا اور اسے خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر ٹھیک راستہ پر پہنچے ہیں اور اب مرض کے دفعیہ میں اُنکی کامیابی یقینی ہے۔ ڈاکٹروں نے جو کچھ دوا بتائی اس نے ٹھیک اصول کے موافق ان کو استعمال کیا اور پرہیز بھی ایسا کیا جو پرہیز کا حق تھا۔ یعنے ڈاکٹری مشورہ سے ایک انچہ ادھر اُدھر نہ ہوا۔

مگر پروفیسر حیران تھا کہ دوا اثر کیوں نہیں کرتی۔ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے اور کوئی تدبیر اسکو روک نہیں سکتی۔ اس نے بار بار ڈاکٹر تبدیل کرائے لیکن کسی سے مرض کی روک تھام نہ ہو سکی۔

وہ یونانی علاج کا قائل نہ تھا مگر مجبور ہو کر چند اچھے طبیب بھی بُلائے اُن کی تجویز بھی ڈاکٹروں کے موافق ہوئی مگر دوا پی تو اس کا اثر یہاں بھی ندارد آخر ڈاکٹروں اور طبیبوں نے جواب دیدیا۔ احباب سے نہیں خود پروفیسر سے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پروفیسر ڈرنے والا آدمی نہیں ہے۔

پروفیسر نے اس فیصلہ کو بہت اطمینان سے سُنا۔ اسکی نسل موت سے کبھی نہیں ڈرتی تھی نہ عقل و فلسفہ سے اس کے دماغ کی پرورش ہوئی تھی اور وہ موت کو زندگی کا ایک لازمی اور ضروری حصّہ سمجھتا تھا۔ اس واسطے اس نے ڈاکٹری رائے کی کچھ پروا نہ کی۔ اور اطلاع مرگ سے ہوش باطنی اور حواس ظاہری کو پراگندہ نہ ہونے دیا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ پروفیسر کے اعصاب دل و

دماغ ہی نے اس خبر کو زیادہ اہم نہیں سمجھا تھا۔
مگر اسکے ساتھ ہی وہ اپنے قوائے حفظ ماتقدم پر بار بار زور ڈالتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ میرا مرض ان امراض میں نہیں ہے جن کا علاج ڈاکٹروں کو معلوم نہیں یہ معمولی بیماری ہے جسکی حقیقت سے اور اسکی دوا سے میں خود اناڑی آدمی تک واقف ہو پھر کیا وجہ ہے جو دوا اپنا اثر نہیں کرتی۔ مجھے آخر دم تک تدابیر اور کوشش سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹروں کا فیصلہ نیچر کا فیصلہ نہیں ہے۔ آدمی کی رائے میں غلطی کا امکان موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بشریت سے سب ڈاکٹروں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔

یہ خیال کرتے ہی اسکے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ اس کا ضمیر خود بخود نادم سا ہوگیا۔ کیونکہ اس خیال کی لہر کے ساتھ دوسرے گوشۂ خیال سے یہ موج پیدا ہوئی تھی کہ اسی طرح خدا کے وجود کو نہ ماننے میں ممکن ہے میری بشری بھول ہو اور مرض کو لاعلاج خدا ہی نے کردیا ہو تاکہ وہ میرے انکار مذہب کو زک پہنچائے اس خیالی جنبش نے پروفیسر کو کچھ گھبرا سا دیا۔ اسکے چہرہ پر پسینہ آگیا۔ دل کی حرکت تیز ہوگئی مگر فوراً ایک تیسرے خیال نے اسکے اوسان درست کردیے۔ جو یہ تھا۔

> ہر انسان میں قدرتی طور پر لیاقت اور نالائقی۔ قوت اور کمزوری ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ اگر علم و تربیت سے لیاقت اور طاقت کو سہارا ملا تو وہ نالائقی اور کمزوری پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ ورنہ انسان پر غلبہ نالائقی اور کمزوری کا ہوجاتا ہے۔ چونکہ میری تعلیم و تربیت اچھی ہوی ہے میں اپنی کمزوریوں پر غالب تھا۔ مگر اب بیماری کے سبب اعضائے دماغی ناتوان ہوگئے ہیں اسواسطے عقیدہ کی کمزوری

اُبھرتی ہے۔ اور مجکو خدا اور مذہب کی حقانیت کا وہم دلاتی ہے
پس مجھے پختہ ہونا چاہیے۔ اور دنیا سے چلتے وقت ایسی بے عقلی کی
حرکت سے اپنے کیریکٹر کو گندہ نہ کرنا چاہیے۔

اس خیالی موج نے پروفیسر کے بحر قلب کا وہ بلبلا توڑ ڈالا جسمین ابھی ساری عمر کے بعد تصور خدا کی ہوا سمائی تھی۔ اور وہ ہمہ تن صاف سینہ ہو کر پھر اپنے مرض پر غور کرنے لگا۔

سکرات کا آلارم

افسوس اجل نے پروفیسر کو مزید غور و فکر کی مہلت نہ دی اور اپنی آمد کا گھنٹہ بجانا شروع کر دیا۔

پروفیسر نے بہت کم موت کا فلسفہ پڑھا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی جوان تھا اور اس وقت کی تیاری کو ضروری نہ سمجھتا تھا۔ نہ اس نے اور لوگوں کے مرنے میں کبھی شرکت کی تھی۔ جو مرنے کی حالت سے واقف ہوتا۔ اس واسطے موت کی آمد کا عقلی نشان اس کو معلوم نہ تھا تاہم وقت آخر کی جسمانی کلفت سے اس نے سمجھا کہ یہ کیفیت مرض کی تکلیف سے کچھ الگ سی ہے۔ شاید کچھ پیش آنے والا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹروں کی رائے کے موافق موت آئی ہو۔ اگر موت آئی ہے۔ اور اگر مذہب والے سچے ہیں۔ اور اگر موت کے وقت فرشتے آیا کرتے ہیں تو وہ کہاں ہیں۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ سب فرضی کہانیاں تھیں۔ یا شاید مجھے موت ہی نہ آئی ہو موت نہیں آئی تو فرشتے کیونکر آتے۔

پروفیسر اپنے خیال پر جھنجلایا کہ گھڑی گھڑی خدا و مذہب کا دھیان کیوں آتا ہے۔ موت آئی ہے تو میں خوشی سے زندگی دینے کو تیار ہوں یہ حماقت پن کی

خیالات میں بیان کیوں دوں۔

اسی کشمکش میں تلوؤں میں کسی نے بجلی کی مشین لگادی۔ جس سے بدن کے پٹھے اکڑنے لگے۔ اور پروفیسر کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ وہ تڑپنا چاہتا تھا مگر تڑپ نہ سکتا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اسکی آواز نہ نکلتی تھی۔ وہ پیروں کے سمیٹنے کی خواہش میں تمام جسم کی قوت خرچ کر رہا تھا مگر پاؤں ہلتے تک نہ تھے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پاؤں سامنے پھیلے ہوئے ہیں لیکن اسکے ارادے سے اوپر کو نہیں سمٹتے۔ زبان کا حس معلوم ہوتا تھا کہ وہ منہ کے اندر موجود ہے مگر وہ بولنے سے گویا انکار کرتی تھی۔ پروفیسر نے اس بے اختیاری سے ہراساں ہو کر پلنگ کے آس پاس اپنے احباب کو دیکھا۔ لیکن کسی دوست نے اسکے مطلب کو نہ سمجھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی فریاد ان سے کرے۔ کسی کی مخالفت بھی نہ تھی۔ کوئی روکنے والا نہ تھا مگر زبان پر قفل لگ گیا تھا۔ اور اسی بات سے پروفیسر زیادہ کھسیانا اور مایوس تھا۔

بجلی کی مشین موجود نہ تھی۔ مگر پروفیسر کو معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اسکے پیروں پر بجلی لگی ہوئی ہے جو اسکی رگوں اور پٹھوں کو کھینچ کھینچ کر توڑے ڈالتی ہے۔ اسے معلوم ہوا کہ دماغ نشتر سے چیرا جاتا ہے۔ اور میں دماغ کے اندر آباد ہوں۔ اس واسطے اس نے پھر کوشش کی۔ اور پکار پکار کر کہنا شروع کیا۔ اس گھر کے اندر میں ہوں۔ اس کو نہ توڑنا۔ اس کو نہ چیرنا۔ مگر اسکی چیخ پکار سے اسکو تسلی نہ ہوئی۔ اس واسطے اس نے خیال کیا کہ میری آواز شاید کسی نے بھی نہیں سنی۔ ہائے میں کیسا بے کس ہو گیا ہوں۔

اب اسے معلوم ہوا کہ میں شاید ہزاروں کوس اونچے مینار سے نیچے گر رہا ہوں۔ اور نیچے گرتے وقت کلیجہ میں جو ایک سناٹا سا ہوتا ہے اس کا حس

پروفیسر کو بہت تیزی سے محسوس ہونے لگا۔
پھر معلوم ہوا کہ دل میں ایک دریا ہے یں مینار پر سے اسکے اندر گر پڑا۔ بہت دیر تک تو دریا کی تہ میں ڈبکیاں کھاتا رہا آخر اوپر اُبھرا۔ اور پانی سے گردن باہر نکالی۔
گردن نکلنی تھی کہ اسکو یہ معلوم ہوا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ پلنگ پر لیٹا تھا۔ دوست چاروں طرف بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر آلہ سے دل کی حرکت دیکھ رہا تھا۔
پروفیسر نے ڈاکٹر سے کہا کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جو میری زندگی کو موت کے ہاتھ سے بچائے۔ ڈکٹر کوئی خدا پرست آدمی تھا۔ بولا سوائے خدا کے کسی میں یہ طاقت نہیں۔
پروفیسر۔ اس چیز کا نام مت لو۔ کیا ایسے عقل اور سائنس کے زمانہ میں انسان جیسی ہستی موت کو روکنے سے عاجز ہے۔ تو کیا تاریک اور وحشی زمانہ کا خدا اس وقت میں بھی ہم لوگوں پر کچھ اقتدار رکھتا ہے۔
یورپ و امریکہ نے بڑی بھول کی جو اسباب حیات کے لیے آلات بنانے میں مصروف ہوگئے آسائش جسمانی کی ترقیوں کے لیے انہوں نے اپنی عقلوں کو خرچ کیا۔ کاش وہ سب کے سب موت کی حقیقت معلوم کرتے کاش وہ اتنا سمجھ لیتے کہ تھوڑی دیر کے واسطے موت کیونکر رک سکتی ہے۔ آہ میں زندہ رہ سکوں تو ساری زندگی اسی دریافت میں خرچ کردوں گا۔ ارے کوئی تو ایسا آئے جو مجھے اسوقت مرنے نہ دے۔ کوئی تدبیر تو ایسی نکالو کہ موت مجکو مہلت دیدے۔
ہائے یہ کمپونڈ کے درخت کیسے زندگی میں آزاد کھڑے ہیں اور میں انکا مالک جان دے رہا ہوں۔ یہ مبز کرسیاں موجود رہیں اور میرا وجود فنا ہو جائے

اس بنگلہ کی چھت بھی میرا ساتھ نہیں دیتی۔ زندگی میں یہ مجکو دھوپ اور بارش سے بچاتی تھی۔ میری کتابیں الماری میں خاموش رکھی ہیں وہ بھی کچھ نہیں بولتیں۔

میں آدمی ہوں۔ عقل کا پتلا ہوں۔ کیا ایسی عاجزی اور لاچاری کا وقت بھی پیش آنے والا تھا جسکا علاج میرے پاس نہیں۔

یہ کہتے کہتے پھر بجلی اسکے پیروں میں لگائی گئی۔ اور پہلی سی تکلیف اسکو ہونے لگی۔

اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وحشی ایام کے خدا سے مدد مانگوں گا۔ اسکا اقرار کروں گا۔ بیشک وہ ہے اسکے خیال کرنے سے مجکو تسلی ہوتی ہے۔ مجھے حضرت علیؑ کا قول یاد ہے کہ اگر موت کے بعد کچھ نہیں ہے تو خدا پرست اور منکرین خدا کی یکساں حالت ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا عالم مرنے کے بعد ہے تو خدا پرست فائدے میں ہیں اور منکر گھاٹے میں۔ بیشک علیؑ کا فلسفہ سچا ہے خدا کے اقرار میں لذت ہے۔ اور اسکے انکار میں بیکسی و مایوسی۔ وہ ضرور موجود ہے۔ نہوتا تو انسان اس وقت مجبور کا چارہ کار ضرور پیدا کر لیتا وہی نہیں کرنے دیتا۔ اسی نے دواؤں کو بے اثر کر دیا۔ وہی عقل کو مغلوب کر رہا ہے۔

اے خدا تو جہاں ہے میری سن میں تجکو تسلیم کرتا ہوں۔ میں تیرا اقرار کرتا ہوں۔ میں اپنے نام محمد ظریف کے پہلے حصہ کی پہلی تصدیق کرتا ہوں۔ محمد تیرا فرستادہ تھا۔ میری عقل کا سلام اسکو پہنچا۔ اور اس بیچینی میں میرا سہارا بن۔ موت سے بچا لے۔ یا اسکی دشواری کو آسان کر۔

یہ کہتے ہی پروفیسر کے بدن میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ تکلیف جاتی رہی

اور ایک طرح کی لذت کا اثر اسکو محسوس ہوا جسم کے رونگٹوں سے کوئی چیز نکلتی معلوم ہوی - آنکھوں پر نیند کا سا غلبہ ہوا - اور ایک ہچکولا ایسا لگا کہ پروفیسر نیند سے چونکتا سا رہ گیا اور پھر اسے خبر نہوی کہ وہ کہاں ہے کیسا ہے کیا تھا کہاں تھا - اور اب کہاں چلا گیا -

حسن نظامی

کاش ذلت کا تواتر زندگی بخشے ہمیں

اے ضیاء دین یہ تھا یہ سکون مرگ خیز
پھیل جا چاروں طرف ہو جوہر دین جلوہ ریز

زنگ آلودہ ہیں دل با شرک سے مانوس ہیں
شمع رخصت ہو چکی فانوس ہی فانوس ہیں

آہ

ہائے دور باستاں کا وہ توکل اب کہاں
کفر ہے معبود خالق سے توسل اب کہاں

وہ سحر خیزی کہاں وہ شب کی بیداری کہاں
دین کی الفت میں اب بنا ہے بیزاری کہاں

احتساب نفس تحریص نکوکاری کہاں
بے غرض اشیا ر درماندوں کی غمخواری کہاں

اب تو

تشنہ مضطرب اک مرت سے ہے تار حیات
اس جمود عام میں گم ہو گیا ذوق حیات

ہستی مسلم کو کر ممنون بیتابی ذرا
دیکھنا پھر تو تماشائے عناں تابی ذرا

ہاں

نیند کے ماتوں کو پھر اک بار تو بیدار کر
سونے والوں کو ذرا غفلت سے پھر ہوشیار کر

جم گیا ہے خون گو نبض دلمیں غیرت ہی نہیں
ذلتوں پر ہے قناعت خواہش عزت نہیں

بس

کر دیا غارت سکون عام نے علوی ہمیں
کاش ذلت کا تواتر زندگی بخشے ہمیں

سید ظفر احسن علوی ناظم دائرۃ الادب دہلی

مذہبی خیال

(۲)

اس مضمون کے نمبر (۱) میں جو دسمبر ۱۹۱۶ء کے "تمدن" میں شائع ہوا ہے مذہبی خیال کی تاریخ فلسفۂ عقلی کے نقطۂ خیال سے مجملاً بیان کی گئی ہے۔ اب اسی مضمون پہ مذہبی نقطۂ خیال سے نظر ڈالنی منظور ہے۔ پہلے مضمون کے آخر حصہ میں مذہبوں کی تقسیم ہم نے اس طرح کی ہے۔

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰؑ۔

(۲) عیسویت۔

(۳) اسلام۔

ان کل مذاہب میں اصولاً دو باتیں مشترک ہیں۔ ایک یہ کہ زندگی کی ہر بہتری کا سلسلہ خدائے واحد حی قیوم وحدہٗ لاشریک پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان اپنے خالق و مالک کی مرضی کو معلوم کرنے اور اُس کے موافق عمل کرنے کا مستحق ہے۔ وجدانی طور پر ہدایت انسان کو بذریعہ اس نورِ مسطور کے عطا ہوئی ہے جیسے روح کہتے ہیں۔ مگر عالمِ اسباب میں اور انسانوں کی مشترک اور متمدن زندگی کے اصولوں کو مدِنظر رکھکر خدائے کریم و کارساز نے اس کام کو انبیا علیہم السلام کے سلسلہ کے ذریعہ سے انجام دلایا۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ تک کی تعلیم کا لب لباب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے وجدان میں خوف اور تکلیف سے بچنے کا عنصر غالب ہے اور انبیا علیہم السلام کی تعلیموں میں سزا اور جزا پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ آخرت کی تکالیف سے بچنے کے لیے دنیا کی تکالیف میں پڑنا اور جائز راحتوں اور خوشیوں کو قربان کرنا نیکی میں داخل سمجھا گیا۔ سزا کی حدود جزا سے یہاں تک بڑھیں کہ اکثر اوقات انبیاء علیہم السلام نے انسان کو خود تنبیہ کرنا ناکافی پاکر بارہا درگاہ رب العزت میں اپیل کیا اور عذاب نازل کرایا۔ رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب دنیا میں کافروں میں سے ایک کو بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑ) تک نوبت پہنچی۔ اور طوفان نوح مذہب کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ بنا۔ اس دور عظیم کے وجدان اور تعلیم دونوں میں فطرت انسانی۔ اور اُسکی استعداد ترقی کی جلوہ گری سے اسقدر سروکار نہیں معلوم ہوتا جسقدر یہ خیال نمایاں طور پر پایا جاتا ہے کہ حیات انسانی محض بے ثبات ہے اور نجات کا تعلق اعمال حقیقی سے کم ہے اور نجات دینے والے سے ہر وقت ڈرنے۔ اُسکی حمد و ثنا کرنے اور مقررہ رسوم جن سے وہ خوش ہو جاتا ہے اداکرنے سے زیادہ ہے۔

دور عیسویت کا وجدان اور تعلیم دونوں اصولاً صرف اس کوشش میں وقف معلوم ہوتے ہیں کہ خوف رفع ہو اور اس کا بدل محبت سے ہو جائے۔ انسان کا خاطی حقیقی ہونا بطور اصول موضوعہ کے مان کر رفع خوف کی تدبیر کفارہ سے کی گئی اور فطرت انسانی سے اسقدر استغنا برتا گیا کہ ایک گال پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا گال حاضر کر دینا نیکی سمجھا گیا۔ ان دونوں مقدس دوروں کے اختتام پر ان مذاہب کی دنیا دو بڑے کمپوں میں تقسیم تھی۔ جن پر خوف طاری تھا وہ اپنی جائز سے جائز فطرتی خواہشوں کو مار کر حقوق انسانیت کو گونہ نظرانداز کرتے تھے اور اسں کا نام محبت خدا رکھتے تھے۔ اور جن کا قدم خوف کے دائرہ سے

باہر نکل گیا تھا وہ ہر خواہش کا پورا کرنا گویا حقوق انسانیت کا ادا کرنا سمجھتے تھے۔ عقائد کے اختلاف اصولی کم مگر فروعی بہت زیادہ ہو گئے تھے اور خدا۔ روح۔ اعمال۔ اور نجات کے اہم مسائل پر تو توجہ کم ہوتی تھی مگر بانیان مذہب کی ذات اور اُن کے متعلق برتر سے برتر عقائد رکھنے میں بیحد شغف کیا جاتا تھا۔ اسی سے دور دوم میں تثلیث مقدس کی نبیاد پڑی یعنی مطمح نظر ذات واحد سے وسیع یا منتشر کر کے غیر اللہ کے حقوق تک محیط کیا گیا۔ اسلام نے دنیا میں آکر صالح الکیموس بننے کی کوشش کی جسکے وجدان اور تعلیم کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدائے واحد لاشریک لہ ہے اور افضل سے افضل پیغمبر بھی دائرۂ الوہیت میں شامل نہیں ہے۔

(۲) رضاجوئی جو عملاً محبت کی روح رواں ہے۔ خدا اور بندوں کے تعلقات میں غالب عنصر مانا گیا اور خوف کے ساتھ رجا کو پیش کر دیا گیا۔

(۳) پیغمبر رضائے الٰہی کا علم پاکر دنیا کو وہ علم پہنچاتے ہیں اور انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں اور سب سے افضل ہیں اور اسی لیے بہترین نمونہ ہیں کہ باوجود اس برتر علم سے مشرف ہونے کے پھر بھی بشر رہتے ہیں۔

(۴) فطرت انسانی کو ہر اہم شعبۂ حیات میں ملحوظ رکھنا۔ اسکو نتھارنا اور سنوارنا۔ بعد عقائد کے نجات کی شاہراہ تسلیم کیا گیا۔

(۵) دنیا انسانوں کے رہنے اور اچھی طرح رہنے یعنی پاک منشی اور پاک سلطفی کے ساتھ رہنے کے لیے بنائی گئی ہے اور خواہشات جسمانی اور نفسانی حق رکھتی ہیں کہ اُن کو اعتدال کے ساتھ پورا کیا جائے اور اس اعتدال کو محفوظ کرنے کے لیے چند ضروری قیود و شرائط لگادی گئی ہیں۔

سرفراز حسین قاری

ایک منظر کو دیکھکر



نہیں، نہیں، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ تیرے لطیف جسم، تیرے دلکش چہرے، تیرے چمکدار بالوں کے مجموعہ کے علاوہ، تیرے ہونٹوں کے سماوی تبسم نے تجھے اسقدر مافوق الامل بنادیا ہے کہ واللہ میں نہیں چاہتا۔ لیکن ان تمام چیزوں نے تجھے اُس کے ساتھ، اُسے مجھکو نہ چاہنے والی کے ساتھ اتنا مشابہ کر دیا ہے کہ تو نے وہ زمانہ، وہ پُرلطف زمانہ یاد دلا دیا جو میں نے اُس کے ساتھ ان ستاروں بھری راتوں، ان شب ہاے ماہ میں خاموش تنہا گوشوں میں گذارا ہے۔

جیسا کہ تیرے ہاتھ میں ستار ہے، اور تیری نازک اُنگلیاں اس کے تاروں کو ایک لرزش رقص سے، پُرنغمہ بنا دیتی ہیں، اسی طرح اُس کے ہاتھوں میں میرا دل تھا۔

میرا دل، میرا سارا دل، اپنے تمام دکھوں سے دکھا ہوا میرا بدبخت دل اسکے ہاتھوں میں تھا، اور ان شبہاے ماہ، ان تاروں بھری راتوں میں خاموش و تنہا گوشوں میں، وہ میرے کندھے پر اپنا سر رکھے ہوتی تھی اور میرے قلب پر اپنا ہاتھ؛ اور اُس پر ذوق عشق سے بھرے ہوے قلب سے ترانہ ہاے وجد پیدا ہوتے تھے۔

اور جس طرح یہ تار تیری نازک انگلیوں کے دیوانہ وار مخمور ہوے لیتے ہیں، اور تیری انگلیاں جب اُن سے جدا ہوتی ہیں تو ان تاروں کی تھرتھراہٹ سے اک نالۂ افتراق پیدا ہوتا ہے، اسی طرح میرا قلب اُس سے جدا ہونے کے خوف سے اسقدر

کانپتا تھا کہ جب وہ اپنی جادو بھری آنکھوں کو میرے ہونٹوں کے سامنے کرتی تھی تاکہ میں انھیں چوموں، تو میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ میں پیار کروں گا تو ہم جدا ہو جائیں گے اور میں اُن آنکھوں کو جو چومی جانے کے لیے میرے ہونٹوں کے قریب لائی جاتی تھیں پیار نہ کرسکتا تھا۔

آخر، ان شبہائے ماہ میں، ان تاروں بھری راتوں میں، ان خاموش و تنہا گوشوں میں، میں اکیلا رہ گیا۔ وہ نہ آئی اور آہ! میں اس خوف سے کہ ہم جدا نہ ہو جائیں پیار بھی نہ کرسکا تھا۔

لیکن آج میں نے تجھے دیکھا، جس حُسن تجرد سے تو منسوب ہے میں اُسی کا واسطہ دیتا ہوں، کہ اپنے عورت پن کو بھول جا، اور ذرا کی ذرا شاعر ہو جا۔ اور اُس دل کو خوش کر جو اس یاد کی وجہ سے محزون ہے کہ اُن آنکھوں کو اس اندیشہ سے پیار نہیں کیا کہ ہم جدا ہو جائیں گے۔

کیا تو آنکھیں نیچی کیے اُن دوبوں کو دیکھ رہی ہے، جو پاؤں کے نیچے پڑے ہیں ذرا سر اُٹھا کہ میں تیری آنکھوں کو دیکھوں۔

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ تیرا لطیف جسم، تیرا گدرہ چہرہ، تیرے چمکدار بال، اور ان سب کے علاوہ تیرا ہلکا تبسم تجھے اسقدر مافوق الامل بنائے دیتا ہے کہ میں کچھ اور چاہ ہی نہیں سکتا۔

مگر آہ! اے حسین عورت، تیری آنکھیں اُسکی آنکھوں سے، اُسکی جادو بھری آنکھوں سے اسقدر مشابہ ہیں! اُن آنکھوں کو تو میں پیار ہی نہ کرسکا، دل بھر کر چوم ہی نہ سکا، تو آ! اور ذرا کی ذرا شوخ و دلنواز ہو کر مجھے اجازت دے کہ تیری آنکھوں کو چوموں اور اس دفعہ چومتے ہی جان دیدوں۔

یلدرم

انسان کی اوّلین تاریخ

بنی نوع انسان اپنی حقیقت اور اصلیت پر بہت قدیم زمانہ سے متفکر رہا ہے اُسے نہایت حیرت تھی کہ ہم کیونکر اور کہاں سے اس عالم وجود میں آئے۔

وہ جس قدر اس باب میں غور و خوض سے کام لیتا تھا۔ اور جو جو تصور اُس کے ذہن میں قائم ہوتے تھے۔ اسی قدر اُسکو اپنی ہستی تعجب خیز اور ایک طلسم کدہ نظر آتی تھی اگرچہ اُسکی حیرت و استعجاب کی کوئی مفصل داستان ہم یہاں بیان کرنا نہیں چاہتے اور نہ اسکی ضرورت سمجھتے ہیں تاہم انسان کی ابتدائی تاریخ، جس قدر بھی ممکن ہے آثار قدیمہ اور وحشی قبائل کی موجودہ حالت سے استنباط کرکے ضبط تحریر میں لائیں گے۔ لیکن اس موضوع اور اصل بحث کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دوسرے کم مرتبہ حیوانات میں جو تفاوت اس وقت پایا جاتا ہے اس پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

مشاہدہ اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض اطراف ممالک میں اسوقت تک دونوں ایک حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یعنی انسان اور حیوان دونوں کا صرف یہ کام ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھتے بھالتے کانوں سے سُنتے اور بھوک پیاس کا احساس کرلیتے ہیں اور یہ ضرورت بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ غذا کے ذریعہ سے بھوک پیاس کو دفع کریں۔ اسکے بعد دنیا میں اُنھیں کوئی کام نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مختلف قسم کے آلات اور اوزار کو استعمال میں لانا۔ انسان کی خصوصیات میں سے ایک ایسی خصوصیت ہے جو اُسے دوسرے حیوانات سے ممتاز کردیتی ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ جس وقت کوئی وحشی اپنے لیے کچھ تن آسانی کا انتظام کرنا چاہتا ہے یا کوئی جھونپڑا اپنی حفاظت کے لیے بناتا ہے یا کچھ آذوقہ

اپنے پیٹ کے لیے بہم پہنچاتا ہے تو اُس کی تمام نقل و حرکت ایک خرگوش یا آبی کتے یا طیور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم انسان اور حیوان میں یہ فرق ظاہر ہے کہ انسان اپنی ضروریات کو بغیر آلات کی مدد اور استعمال کے بہم نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ اس سے قبل کہ وہ کسی درخت کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے اُسے کاٹے اُس کے لیے ضرور ہے کہ ایک کلہاڑی مہیا کرے۔ بخلاف اس کے مذکورہ حیوانات کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے رہنے کے لیے محفوظ گڈھے۔ اور سوراخ اور آشیانے (گھونسلے) صرف انھیں اعضار کی مدد سے بنا لیتے ہیں جو دست قدرت نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور کسی دوسری چیز کو کام ہی میں نہیں لاتے اور نہ لا سکتے ہیں کیونکہ اتنی عقل اُن کو نہیں ملی ہے

زمین کی کاشت ہی کو دیکھ لیجیے کہ انسان بغیر کدالی پھاوڑے وغیرہ کے کسی کام کو پورا نہیں کر سکتا اور جب تک کہ کوئی آلہ و اوزار مزروعات کے درو کرنے (کاٹنے) کے لیے نہ بنائے، ممکن نہیں کہ جو کچھ اُس نے بویا ہے اُس کو کاٹ سکے، حالانکہ ادنی مرتبہ حیوانات بغیر کسی ایسے آلہ اور اوزار کے اپنے اور اپنے بچوں کی ضروریات (مایحتاج) کو برابر مہیا کرتے رہتے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ حیوانات (باوجود اس قوت و قدرت کے) کچھ ترقی نہیں کر سکتے بلکہ ہنوز اپنی ابتدائی حالت میں ہیں بعض فلاسفۂ یورپ[1] کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان سے پہلے اس دنیا میں بندر رہتے تھے وہی درحقیقت ترقی پذیر انسان ہیں مگر جب ہم غور و خوض سے کام لیتے ہیں تو صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں بھی تمام بندر بعینہ اپنے اسلاف کے مانند اخروٹ وغیرہ کو منھ سے توڑ لیتے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اُچھلتے کودتے اور اپنے بچوں کو پیٹ سے چپکائے ہوئے لیے پھرتے ہیں۔ ذرا سا تفاوت بھی ان کی رفتار و کردار میں نہیں پایا جاتا۔

---

[1] ڈارون اور اُس کے مقلدین۔

اب ہم جو آدمیوں کی حالت کو مشاہدہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ کس قدر ترقیاں کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔ انھیں اہالی انگلستان کو دیکھیے کہ آج سے دو ہزار سال قبل وہ نقشین خط و خال کے وحشی انسان تھے۔ صرف جانوروں کی کھال اُن کا لباس اور اوڑھنا بچھونا تھا۔ غاروں میں جہاں کوئی پناہ کا ٹھکانا پاتے تھے۔ وہیں پڑ رہتے تھے۔ مگر اب دیکھیے اُن کی حالت کس درجہ ترقی یافتہ ہے۔ اور کیونکر وہ سب کے سب نہایت نفیس پوشاک سے آراستہ ہیں۔ کیسے کیسے عالی شان مکانات و محلات میں رہتے ہیں اور بخوبی لکھنے پڑھنے پر قادر ہیں۔ صرف قادر ہی نہیں بلکہ نہایت اعلےٰ قسم کی کتابوں کے مالک و مصنف، ریلوے اور تمام تمدن و ترقیات کے مخترع و بلا شرکت غیرے مالک بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے کم مرتبہ حیوانات میں سے کسی کو مجال نہیں کہ وہ کوئی تحریر پڑھ تو سکے۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ آگ کیونکر روشن کی جاتی ہے۔ اگرچہ بندروں کو دیکھا گیا ہے کہ جو آگ مسافر چھوڑ جاتے ہیں اُسکے گرد بیٹھکر تاپتے اور اپنے جسموں کو گرم کر لیتے ہیں لیکن ان بندروں میں سے کسی میں اتنی طاقت اور عقل نہیں کہ اور لکڑیاں لگا سکے اُس آگ کو بہ دیر قائم رکھ سکیں۔

قادر کائنات نے ہر جاندار کو جس ملک میں وہ رہتا ہے وہیں کی آب و ہوا کے موافق ایک پوشش بھی عنایت فرمائی ہے۔ لیکن بنی نوع انسان اس دنیا میں برہنہ بھیجا گیا۔ وہ مختار و مجاز ہے کہ جو لباس اُس کے مسکن کے آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے موافق و مناسب ہو اُس سے اپنے جسم کو مزین کرے۔ بالفرض بڑے بڑے بالوں کی کھال پہنا بھی دی جاتی تو یقیناً گرم ہوا میں آرام و راحت سے زندگی گذارنا اُسکے لیے نہایت دشوار و محال تھا۔ انسان کے دنیا میں برہنہ آنے کا یہی راز ہے کہ وہ موسم و ملک کی آب و ہوا کے موافق لباس بنا سکتا ہے اور یہیں سے اُسکی اور ترقیوں کی داغ بیل پڑتی ہے۔

محوی لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

"عنترہ کا عشق اور اسکی غیر معمولی شجاعت"

(سلسلے کے لیے ماہ دسمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ اپنی ابتدائی جوانی سے عبلہ پر فریفتہ تھا اپنے اسی زمانہ کے کلام میں ایک مطلع کہتا ہے۔

رمتِ الفوادَ ملیحۃٌ عذراءُ　　بسھام لحظ ما لھن دواءُ

ایک خوبصورت اور پاکباز معشوقہ نے اپنے اُس تیر نظر سے میرے دل کو زخمی کردیا جس کا کوئی علاج نہیں۔

ملاحت کی طرف طبعی جذب اور عذراء (باکرہ) کی طرف نفسانی میلان کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنترہ نے کسی کے لا علاج تیر نظر سے زخمی ہونے کے کیا اچھے اسباب اپنے اس مطلع میں ذکر کیے ہیں۔

مالک (عبلہ کا باپ) نے جب کسی طرح عبلہ کو عنترہ کے ساتھ نہیں بیاہا تو اُس نے اپنی قوم سے مدد چاہی لیکن قوم نے بھی اس معاملہ میں اُسکا ساتھ نہیں دیا تو ایک قصیدہ میں قوم پر اپنے احسانات جتا کر شکایت کرتا ہے

بنیتُ لھم بالسیف مجداً امشیداً　　فلما تناھی مجدُھم ھدموا مجدی

یعیبون لونی بالسواد وانما　　فعالھم بالخبث اسود من جلدی

تمام قبائل سے لڑائیاں لڑ لڑ کر جب میں نے تمھاری بزرگی منوادی تو اب تم میری فضیلت کو بھلائے دیتے ہو اور جب میں عبلہ کا اشتیاق ظاہر کرتا ہوں تو مجھپر سیاہ فامی کا عیب لگاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ تمھارے افعال خبیثہ

میرے کالے رنگ سے زائد تاریک ہیں۔

انسان کی اچھائی بُرائی اُس کے افعال و عادات پر موقوف ہے نہ کہ اُسکی ظاہری خوبصورتی اور بدصورتی پر پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ مجھ کو بُرا تصور کرتے ہو جب کہ میرے خصائل آئینہ کی طرح روشن اور تم سبھوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ہمارے منچلے ہیرو نے نہایت زبردست استدلال سے اپنا حق جتایا ہے لیکن پھر بھی ہم قوم کو اُس کا ساتھ نہ دینے پر محض اس وجہ سے معذور سمجھتے ہیں کہ شریک زندگی کے مسئلہ میں حُسن سیرت کے ساتھ حُسن صورت کو بھی اچھا خاصہ دخل ہے۔

اسی عرصہ میں جب کہ عنترہ عبلہ کے ساتھ نکاح کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایک شخص روضہ ابن منیع نامی عبلہ کے حُسن کا شہرہ سُن کر اپنے وطن سے اُسکے ساتھ شادی کرنے کا پیغام دینے بنی عبس میں آیا عنترہ کو جب اس کی خبر لگی تو جھٹ اُس سے لڑنے کو تیار ہو گیا اس موقع پر ایک رجزیہ قصیدہ اُس نے نظم کیا جس کے آخر میں روضہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

یا طامعاً فی ہلاکی عُد بلا طمعٍ　　ولا ترِد کأس حتفٍ انت شاربہ

اے میری موت کے خواہاں اب تو یہاں سے بلا طمع کے لوٹ کیونکہ میں تجھ کو یہیں ٹھنڈا کیے دیتا ہوں [illegible] اس [illegible] ی خواہش کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے اب میرے سامنے آکر تو موت سے نہیں بچ سکتا کیونکہ میں تجھکو ضرور مار ڈالوں گا

اس واقعہ کے بعد مالک نے عنترہ کا دل رکھنے کے لیے اُس سے شادی کا وعدہ کر لیا ہنوز کوئی امر طے نہیں پایا تھا کہ عبلہ کا حُسن پھر رنگ لایا زیاد عبسی کا

بڑا لڑکا عمارہ اُس پر عاشق ہو گیا اور شادی کا پیغام دیا۔ عبلہ کے باپ مالک اور بھائی عمرو نے اُس کی دولت و ثروت اور شہرت کی وجہ سے منظور کر لیا اور عنترہ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کی کچھ پروا نہ کی۔

عنترہ کو اُن کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور عمارہ کی طرف سے رقابت کی آگ اُس کے دل میں سُلگ اُٹھی۔ ایک قصیدہ میں اس واقعہ کو ذکر کرتا ہے پہلے اپنا حق جتاتا ہے پھر ڈراتا دھمکاتا ہے۔

ویُرجی الوصل بعد الھجر حینا ۔۔۔ کما یُرجی الدنُوُّ من البعاد

حلمتُ فما عرفتم حق حلمی ۔۔۔ ولا ذکرتم عشیرتکم ودادی

ساجھل بعد ھذا الحلم حتی ۔۔۔ أُریق دم الحواضر والبوادی

ایک طویل ہجر کے بعد وصال کی امید بندھتی ہے جیسا کہ دور ہونے کے بعد قربت کی خواہش پیدا ہوتی ہے یہی حال میرا ہے کہ میں نے عبلہ کے عشق میں بہت صبر کیا اور اب وصال کی امید بندھی ہے لیکن تم لوگوں نے میرے صبر و تحمل کی کوئی قدر نہ کی اور نہ میری محبت کا کچھ خیال کیا اور عمارہ کے ساتھ عبلہ کو بیاہنے کی گفت و شنید کرنے لگے جو کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر یہی حال تم لوگوں کا رہا اور آسانی سے تم نے میری خواہش کو نہ منظور کیا تو یاد رکھو کہ میں اپنے گذشتہ علم و صبر کو بالکل بھلا دوں گا اور اُس وقت تک کشت و خون سے دم نہ لونگا تاوقتیکہ تم سبھوں کا خون پانی ایک نہ کردوں۔ آگے خود عمارہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

لقد عادیت یا ابن العم لیثا ۔۔۔ شجاعا لا یملّ من الطراد

اے ابن عم تو نے ایسے بہادر شیر سے دشمنی مول لی ہے جو کبھی لڑائی سے تھکنے والا نہیں۔

مالک نے جب یہ کیفیت دیکھی تو عنترہ کی شخصیت سے مرعوب ہوکر اپنے ارادہ سے باز آیا اور عمارہ کو صاف جواب دیدیا۔ عمارہ کو اپنی ثروت وحشمت پر نظر کرتے ہوئے عنترہ کے مقابلہ میں اپنی ناکامیابی بیحد شاق گذری اور اُسی وقت سے اُسکے دل میں عنترہ کی طرف سے ایک کینہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اپنی قوم سے کہتا تھا کہ تم لوگوں نے خواہ مخواہ عنترہ کو اسقدر بڑھا دیا ورنہ حقیقت میں وہ ایک کمزور حبشی غلام ہے۔ میں تو واللہ اس فکر میں لگا رہتا ہوں کہ کہیں اکیلا دُکیلا مل جائے تو اُسکو اُسکے غرور کا خوب مزہ چکھاؤں اور تم لوگوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ وہ نرا غلام ہی غلام ہے بھلا بہادری اور شجاعت وہ کیا جانے عنترہ کو جب اس مبارزطلبی کا حال معلوم ہوا تو فوراً مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا۔ ایک قصیدہ میں عمارہ سے خطاب کرکے کہتا ہے۔

ستعلم اینا للموت ادنیٰ ۔۔۔ اذا ادنیت لی الاسل الحرارا

تجھکو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کون موت کے قریب ہے جب کہ خون کے پیاسے تیر و نیزے چلیں گے۔

عمارہ کا یہ واقعہ گذر گیا لیکن مالک پھر بھی اپنی خوبصورت لڑکی ایک حبشی کو حوالہ کرنے پر تیار نہ تھا مجبوراً اپنے قبیلہ کو خیرباد کہا عبلہ کو لے کر بنی شیبان میں چلاگیا اور وہاں سردار قبیلہ قیس ابن مسعود کا مہمان ہوگیا۔

عنترہ کو اس جدائی کا بڑا صدمہ ہوا ایک قصیدہ میں زمانۂ فراق کے مصائب اور اپنے شوق کا ذکر کرتا ہے۔

اذ کان دمعی شاهدی کیف اجحد ۔۔۔ ونار اشتیاقی فی الحشی تتوقد

عبلہ کی محبت سے میں کیونکر انکار کرسکتا ہوں جبکہ میری گریہ وزاری اُسکی محبت پر شاہد ہے اور شوق دیدار کی آگ میرے جگر کو پھونکے دیتی ہے۔

أقاتل اشواقی بصبری تجلدا وقلبی فی قید الغرام مقید

صبر کی بدولت جسمانی تکلیفیں برداشت کرکے میں اپنی خواہشوں کے ساتھ دشمنی کر رہا ہوں حالانکہ میرا دل اُسکے (عبلہ) دام محبت میں گرفتار ہے۔

الی اللہ اشکو جور قومی وظلمہم اذا الم اجد خلا علی البعد یعضد

اپنی قوم کے اس ظلم وستم کی شکایت میں خدا سے کرتا ہوں کہ کوئی بھی اس دوری اور جدائی کے زمانہ میں میری مدد نہیں کرتا۔

حرام علیّ النوم یا ابنۃ مالک ومن فرشہ جمر الغضا کیف یرقد

اے مالک کی بیٹی (عبلہ) تیرے فراق میں نیند مجھپر بالکل حرام ہے اور بھلا اُس شخص کو کیسے نیند آسکتی ہے کہ جس کا بچھونا آتش عشق کی نہ بجھنے والی چنگاریاں ہوں۔

والثم ارضا انت فیہا مقیمۃ لعل لہیبی من ثری الارض یبرد

زمیں بوسی کروں گا میں تیرے جائے قیام کی شاید اُسی زمین کی مٹی میری آتش عشق کو ٹھنڈا کرے۔

ہمارا نوجوان بہرد (جیسا کہ اس آخری بیت سے معلوم ہوتا ہے) دشت و بیاباں کی خاک چھانتا اور دشوار گذار راہ کی مصیبتیں جھیلتا آخر کوے جاناں (دیار بنی شیبان) کی طرف چل کھڑا ہوا اور عادت کے موافق راستہ ہی سے بنی شیبان کو ڈرانے دھمکانے لگا۔ کہتا ہے

انا العبد الذی خبرت عنہ یلاقی فی الکریہۃ الف حیّ

میں ہی وہ غلام ہوں (بقول تمہارے) جس کے متعلق تم نے یہ سنا ہے کہ مصیبت کے وقت تنہا ہزارہا آدمیوں کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

خلقت من الحدید اشد قلبا فکیف اخاف من بیض وسمر

جب کہ لوہے سے زیادہ سخت دل ہوں میں تو بھلا گورے اور سانولے سے کیوں ڈرنے لگا

ظننتم یا بنی شیبان ظنا فاخلف ظنکم جلدی وصبری

اے بنی شیبان والو! تم اس وہم میں پڑے ہو کہ عنترہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا کیا تم نے میری قوت اور میرے تحمل کو بھلا دیا۔

وھا انا قد برزت الیوم اشفی فوادی منکم وغلیل صدری

واخذ مال عبلة بالمواضی ولیعرف صاحب الایوان قدری

آج میں اس لیے نکلا ہوں کہ اپنے دل کی آتش عشق کو بجھاؤں اور اسکو آرام دوں ہاں یہ بھی میری غرض ہے کہ غلبہ کے ساتھ عبلہ کا مال حاصل کروں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبلہ مالدار عورت تھی) اور تمہارا سردار میرے مرتبہ سے بخوبی واقف ہو جائے

عنترہ تو ادھر اس قسم کی کوششوں اور دھمکیوں میں مشغول تھا اور اُدھر عبلہ کی صورت داری پھر رنگ لائی۔ سردار قبیلہ قیس ابن مسعود کا لڑکا بسطام کہ جو شہسواران بنی شیبان سے تھا عبلہ کو دیکھکر ہزار جان و دل سے اُس پر فریفتہ ہو گیا اور اُسکے باپ کو پیغام دے ہی دیا۔ مالک جانتا تھا کہ عنترہ کے ہوتے عبلہ کو کسی اور کے ساتھ بیاہ دینا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے اس لیے اُس نے بسطام کی خواہش پوری کرنے میں یہ ٹیڑھی شرط لگائی کہ وہ عنترہ کا سر کاٹ کر اُسکو لادے۔ مالک جانتا تھا کہ عنترہ کے مقابلہ میں کوئی جانبر نہیں ہو سکتا لہذا اُس نے بسطام کی درخواست قبول کرنے میں ایسی سخت شرط لگا دی کہ جو نہ اس سے پوری ہو گی اور نہ خود ایفاے وعدہ پر مجبور ہو گا لیکن بسطام کو عنترہ کی غیر معمولی شجاعت کا کیا علم اور اگر ہوتا بھی تو اُس وقت تو اُس کے سر پر عشق کا جن سوار تھا اُس نے فوراً مالک کی شرط منظور کر لی اور اُسی وقت دیار بنی عبس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بسطام ابھی منزل مقصود تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ راستہ ہی میں عنترہ سے مڈبھیڑ ہو گئی (کیونکہ وہ اپنے جنون عشق میں کب کے وطن کو خیرباد کہہ چکے تھے) اس نے فوراً عنترہ پر اس

قصد سے حملہ کر دیا کہ ہمیشہ کے لیے اُس کی زندگی کے چراغ کو گل کر دے۔

بسطام کی زبان پر اس وقت ذیل کے چند رجزیہ اشعار تھے۔

حادثات الدھر تاتی بالبدع ترفع العبد و للحر تضع

زمانہ کی نیرنگیاں بھی عجیب رنگ بدلتی رہتی ہیں کہ غلام کا مرتبہ بڑھاتی ہیں اور ایک آزاد انسان کو ذلیل کرتی ہیں۔

خلِّ عنك الحربَ یا ابن الدجی واتبع الحقَّ ودَعْ عنك الطمع

عنترہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے حبشی غلام لڑائی کا قصد نہ کر حق بات کو مان لے اور طمع کو چھوڑ دے یعنی عبلہ کے خیال سے باز آ کیونکہ تو اُسکے لائق نہیں ہے بلکہ میرا اور اُس کا جوڑا اچھا ہے۔

لا و لا عبلة من بعض الاما مثلہا مع مثلك الدھر جمع

عبلہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے کہ جو تو حبشی غلام ہو کر اُسکی خواہش کرتا ہے اور بھلا کیونکر یہ ممکن ہے جبکہ ہم برابر دیکھتے آئے ہیں کہ زمانہ نے اچھے کو بُرے کے ساتھ کبھی نہیں جمع کیا۔

فاسأل عنہا قد دواھا سید سیفہ لو ضرب الصخر انقطع

میں اُسکا (عبلہ) طلبگار ہوں اور وہ اپنے سردار کی حفاظت اور قبضہ میں ہے کہ جس کی تلوار کا ایک وار سخت سے سخت پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیتا ہے۔

یا بنی شیبان قد نلت المنی وانجلی ھم فؤادی واندفع

وغدا اخبرکم عن عنترٍ انہ قد شرب الموت جرع

بظاہر اپنی کامیابی کے زعم میں قوم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے بنو شیبان میں نے اپنے مقصد (عنترہ) کو پا لیا اور میرے دل کے سب رنج و غم دور ہو گئے کل واپس ہو کر عنترہ کے متعلق میں تم کو یہ خوشخبری سُناؤں گا کہ اُس نے موت کا جام پی لیا۔

عنترہ بسطام کی یہ زبان درازی کیونکر برداشت کرسکتا تھا خصوصاً جب کہ اُس کی معشوقہ کے ساتھ اظہار عشق بھی کیا جائے۔ اُسکے تن بدن میں آگ لگ گئی اور فوراً لڑنے مرنے پر تیار ہوگیا ساتھ ہی ایک رجزیہ قصیدہ بھی ارتجالاً بسطام کے جواب میں پڑھ سنایا۔

یا ابا الیقظان اغواک الطمع　　سوف تلقی فارساً لا ینذ فع

اے ابو الیقظان (بسطام کی کنیت) تجھکو طمع نے دھوکا دیا ہے کہ جو تو میرے مقابلہ کو آیا ہے عنقریب تجھکو معلوم ہو جائے گا کہ ایسے شہسوار سے سابقہ پڑا ہے جس سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

یا ابا الیقظان کم صین نجا　　خالی البال و صیاد وقع

اے ابو الیقظان، میں تجھکو سمجھاتا ہوں کہ میرے مقابلہ سے باز آ ورنہ کہیں ایسا ہو کہ بجائے میرے تو ہلاکت میں پڑجائے کیونکہ بسا اوقات شکار نہایت صفائی سے بچ کر نکل جاتا ہے اور اُلٹی آفتیں شکاری کے گلے پڑتی ہیں۔ باوجودیکہ تو مجھکو قتل کرنے آیا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اُلٹا تو ہی موت کے گھاٹ اُتر جائے۔

ان تکن تشکو لا وجاع الهوی　　فانا اشفیک من هذا الوجع

بحسام کلما جردته　　فی تمیمی کیفما مال قطع

اگر تجھکو عشق کی بیماری کی شکایت ہے تو میں بہت جلد تیرے اس دکھ کو ایک ایسی تلوار سے دور کردوں گا کہ جو نیام سے نکلتے ہی جس طرف جھک پڑتی ہے صفیں کی صفیں صاف کردیتی ہے۔ یعنے بہت جلد اپنی اس تلوار سے تیرے خاتمہ کے ساتھ تیرے عشق کا بھی خاتمہ کردوں گا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے تو عشق کے آزاروں سے آزاد ہو جائے گا۔

وانا الاسود والعبد الذی　　یقصد الخیل اذا النقع ارتفع

نسبتی سیفی ورمحی وبھما یؤنسانی کلما اشتد الفزع

میں ہی وہ حبشی غلام ہوں (بقول تمھارے) جو گرد و غبار اُٹھتے ہی لڑنے مرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ میں تم لوگوں کے کہنے کے موافق آزاد نہیں بلکہ غلام ہوں (جو واقعہ کے بالکل خلاف ہے) تو میں کہوں گا کہ عنترہ اُن لوگوں میں نہیں ہے جو خاندانی عزت و عظمت پر بیٹھے فخر کیا کرتے ہیں بلکہ میں ذاتی کمالات اور خوبیاں دیکھتا ہوں اور انھیں کی طرف اپنی نسبت کو اچھا سمجھتا ہوں عام اس سے کہ خاندانی شہرت و عظمت ہو یا نہ ہو کیونکہ یُعَظَّمُ المَرْءُ بِاَعْمَالِہٖ لَا بِاٰبَائِہٖ۔ اور اسی وجہ سے کہتا ہوں کہ میری نسبت میری تلوار اور میرے نیزے کی طرف ہے اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جو چیخ پکار یعنی لڑائی کے وقت میرا ساتھ دیتی ہیں۔

ہمارے ہیرو کے فلسفی دماغ نے علم الاخلاق کے اس نظریہ کو اپنے کلام میں متعدد مقامات پر حل کیا ہے اور مخلوق کو اُسپر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے لیکن افسوس کہ اس مہذب زمانہ کے افراد اس جاہل بدوی سے بھی گئے گذرے۔ کہاں اُسکے خیالات کی وہ اولوالعزمی اور کہاں ان کی یہ کورانہ تقلید کہ ایک خاندانی مگر بدکار انسان کی پرستش تک کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب و لازم سمجھتے ہیں۔ خدا اُن کو راہ راست کی توفیق دے۔

یا بنی شیبان عمی ظالم وعلیکم ظلمہ الیوم رجع

ساق بسطاما الی مصرعہ عالقا منہ باذیال الطمع

وانا اقصدہ فی ارضکم واجازیہ علی ما قد صنع

اے بنی شیبان میرا چچا مالک بڑا ہی ظالم ہے اُس نے مجھپر بھی بہت ظلم کیے ہیں اور آج تم پر بھی ظلم کر رہا ہے کہ تمھارے شہسوار بسطام کو ایک

سو ہوم طمع پر موت کے منہ میں ڈھکیل رہا ہے۔ یعنے میرے مقابلہ پر بسطام کا آنا گویا اسکی موت کا آنا ہے کیونکہ آج تک کون مجھ سے بچ کے جا سکا ہے کہ جو وہ جانبر ہو سکے گا۔

اے بنو شیبان اب میں تمہاری ہی سرزمین میں اسکے کیے کی اسکو (مالک) سزا دوں گا۔

الیاس قریشی

شبِ دیجور

ترے حسنِ سیہ کا اے شبِ دیجور کیا کہنا
پریشاں ہے ہوائیں جیسے زلفِ حور کیا کہنا

بہت ہی خوب ہے لیلائے شب گر نام تیرا ہے
دلاتے یاد مجنوں کی ہمیں یہ کام تیرا ہے

تجھے اہلِ نظر کہتے ہیں بیشک رات کا پردہ
ترے دم سے تو کل عالم ہوا ظلمات کا پردہ

تو خود ہے ظلِ رحمت تیری رحمت کی نہیں حد ہے
مثال تیری رنگت سے بہت کچھ سنگِ اسود ہے

کیے خالق نے پیدا کیا تری رنگت کے شیدائی
غلافِ کعبہ بخشے حاجیوں کو نورِ بینائی

کہوں کس جا کہاں وسعت کیا کیا پہنچی ہے
تو پتلی آنکھ میں دل میں سویدا بن کے پہنچی ہے

ختن میں چین میں ہے تیرے ہم آہنگ کیا کہنا
مسلط سارے عالم پر ہے مشکیں رنگ کیا کہنا

قیامت کی کہ پیشانی کو بھی تحریر میں پہنچی
سیاہی بن کے ظالم تو خطِ تقدیر میں پہنچی

فضیلت دل پہ تجھکو ہے کہ بڑھ کر ہاتھ ہے تیری
مؤخر ذات ہے اسکی مقدم ذات ہے تیری

یہ عزت روزِ روشن کی ہے بیشک تیرے ہی دم سے
نہیں تو اتنی کہاں ہوتی یہ قدر نورِ عالم سے

سیاہی سے تری خالی نہیں تحریر عنبر کی
جلا آنکھوں میں پائی دیکھ تو تقدیر سرمہ کی

ستاروں نے مگر آکر ترے دامن میں آفت کی
دکھاتے ہیں وہ رہ رہ کر کشاکش نور و ظلمت کی

یہ جگنو تو نہیں ہوتے ہیں جادہ پیر رہ رہ کر
تری زلفِ سیہ ہوتی ہے افشاں ریز رہ رہ کر

سیاہی سے [illegible] کی تو ہی
تری رنگت سے پیدا زلف میں ہے شانِ محبوبی

منور تیرے دم سے ہے [illegible]
پہنچ جاتی ہے ظالم وہاں بھی خال کی صورت

یہ دن کی بات ہے جس وقت اُن گیسوؤں کی یاد آئی
تجھے دیکھا تو ظالم اُن سیہ بالوں کی یاد آئی

مرے سر پر کہیں رحمت کا بادل بن کے چھا جاتی
مرے محبوب کی تو زلفِ مسلسل بن کے چھا جاتی

ماسٹر باسط بسوانی

نشاط

(بسلسلہ اشاعت سابق)

سہ پہر کا وقت ہے۔ نشاط ادہم کے کتبخانہ میں آرام کرسی پر لیٹا ہوا ادہم کا انتظار کر رہا ہے۔ ادہم ہمیشہ اصولاً دیر کرتا ہے۔ اسکا اصول یہ ہے کہ پابندی سارق وقت ہے۔ نشاط کچھ گھبرایا ہوا دیوان حافظ کے تازہ ترین اڈیشن کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ گھڑی کی باضابطہ یکساں آواز اسکو اور زیادہ پریشان کر رہی ہے۔ ایک آدھ بار اسکے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ واپس چلا جائے۔ آخر اسکو ایک قدم کی آواز محسوس ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ کسی نے باہر کا دروازہ کھولا۔

نشاط ۔ "ادہم تم نے بڑی دیر کردی"

آواز ۔ مسٹر نشاط میں ادہم نہیں ہوں۔

نشاط ۔ منفعل ہو کر۔ میں خواستگار معافی ہوں۔ میرا خیال تھا۔

نوٹ ۔ پچھلے نمبر میں کتابت کی افسوسناک غلطیوں کی وجہ سے بعض مقامات پر عبارت سقیم و مہمل ہوگئی ہے اس لیے ناظرین پر یہ ظاہر کردینا ضروری ہے تاکہ ہمارے نامہ نگار پر سقم عبارت کا الزام عائد نہ ہو۔

مثلاً ادہم اپنی تقریر میں کہتا ہے "وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا غور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جسدیات کا ایک مسئلہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے۔ ایک نوجوان چاہتا ہے کہ وفادار رہے لیکن نہیں ہو سکتا ایک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بے وفائی کرے لیکن نہیں کرسکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس میں لفظ جسدیات کے بجاے لفظ جذبات چھپ گیا ہے جس سے عبارت مہمل ہوگئی ہے۔

ایک اور مقام پر بجاے اسکے کہ "چہرۂ فروغ مے سے گلستان ہوجاتا ہے" یہ چھپ گیا ہے کہ "چہرۂ فروغ مے سے گل افغاں ہوجاتا ہے" جس سے معنی خبط ہوگئے ہیں۔ ایڈیٹر

مسنر ادہم۔ آپ کا خیال تھا کہ میرا شوہر ہے۔ یہ صرف مسز ادہم ہے۔ میں خود اپنا تعارف آپ سے کرلوں۔ میں آپ کو خوب جانتی ہوں۔ میں نے آپ کی تصویریں دیکھی ہیں میرے خیال میں میرے شوہر کے پاس آپ کی تقریباً سترہ تصویریں ہیں۔

نشاط۔ سترہ؟

مسز ادہم۔ اچھا اٹھارہ سہی اور میں نے کل آپ کو ان کے ساتھ تھیٹر میں بھی دیکھا تھا۔

مسز ادہم اک عجیب عورت تھی۔ اسکی پوشاک دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسکے کپڑے غصّہ کی حالت میں قطع ہوئے ہیں اور حالتِ غضب میں پہنے گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شخص کے دام الفت میں مبتلا رہتی تھی۔ لیکن چونکہ اسکی محبت کو کبھی کسی نے واپس نہیں کیا تھا اسلیے اس کی تمام تر خام خیالیاں اب تک باقی تھیں وہ خوشنما بننے کی کوشش کرتی تھی اور ہمیشہ اظہار بدنمائی میں کامیاب ہوتی تھی۔ اس کا نام زاہدہ خاتون تھا۔ نماز اور وظیفہ خوانی کا بیحد شوق تھا۔

مسز ادہم۔ مجھکو تھیٹر کا گانا بہت پسند ہے۔ اسقدر بلند آوازی کے ساتھ ہوتا ہے کہ گانے کے درمیان میں برابر باتیں کرتے رہیے اور کوئی دوسرا سُن نہ سکے۔

نشاط۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے آپ سے اتفاق نہیں۔ میں کسی گانے کے درمیان میں باتیں نہیں کرتا۔ کم از کم اچھے گانے کے درمیان میں۔ گانا اگر بُرا ہو تو سُننے والے کا فرض ہے کہ اپنی آواز بلندست اسے پست کردے۔

مسز ادہم۔ یہ تو ادہم کی آرا میں سے ایک رائے ہے۔ میں ادہم کا خیال ہمیشہ اُسکے دوستوں کی زبان سے سُنتی ہوں انکے خیالات سے میرے علم کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے لیکن آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ مجھے اچھا گانا پسند نہیں۔ میں تو اسکی پرستش کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اس سے ڈرتی ہوں۔ وہ تو اس دنیا اعل سے

عالمِ خیال میں لے جاتا ہے۔ لیجیے ادہم آگیا۔ ادہم میں تمھاری تلاش میں ادھر آنکلی۔ تم سے کچھ پوچھنا تھا لیکن اب بھول گئی کہ وہ کیا بات تھی دیکھا کہ جناب نشاط تشریف فرما ہیں۔ ہم لوگوں میں اس وقت گانے کے متعلق نہایت خوشگوار گفتگو ہو رہی تھی ہمارے خیالات تقریباً متحد ہیں۔ نہیں نہیں میرے خیال میں اس موضوع پر ہماری رائیں بالکل مختلف واقع ہیں۔ لیکن نشاط کے اندازِ تکلم میں اک طرفہ طرب انگیزی تھی۔ میں ان سے مل کر نہایت خوش ہوئی۔

ادہم ۔ یہ سُن کر میں محظوظ ہوا۔ پیاری بیحد محظوظ ہوا۔ نشاط مجھے افسوس ہے کہ مجھکو دیر ہو گئی۔ میں بازار شال خریدنے چلا گیا تھا گھنٹوں اسکے لیے تکرار کرنی پڑی۔ آج کل لوگ قیمت ہر شے کی جانتے ہیں لیکن قدر کسی چیز کی نہیں جانتے

مسز ادہم ۔ اب میں جاتی ہوں۔ میں نے مسز انور کے ساتھ شام کو تفریح کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ پیارے میرے خیال میں آج تم کہیں باہر کھانا کھاؤ گے میری بھی یہی حالت ہے شاید مجھ سے اور تم سے مسز انور کے یہاں ملاقات ہو جائے۔

ادہم ۔ نشاط شادی ہرگز نہ کرنا۔ مرد اس لیے شادی کرتا ہے کہ وہ تھک چکا ہوتا ہے۔ عورت اس لیے شادی کرتی ہے کہ وہ عجائب پسند ہوتی ہے دونوں کو آخر کار مایوس ہونا پڑتا ہے۔

نشاط ۔ ادہم میں شاید شادی نہ کروں۔ میں اسقدر مبتلائے محبت ہوں کہ شادی کا خیال تک میرے دل میں نہیں آسکتا۔ یہ تمھاری تعلیمات متعدد میں سے ایک تعلیم ہے۔ میں اس پر عمل پیرا ہوں۔

ادہم ۔ تم کو محبت کس سے ہے۔

نشاط ۔ شرما کر۔ ایک ایکٹرس سے۔

ادہم ۔ اس کا نام کیا ہے۔

نشاط۔ سلمیٰ۔

ادہم۔ یہ نام کبھی سُننے میں نہیں آیا۔

نشاط آپ کیا کسی نے نہ سُنا ہوگا۔ لیکن ایک دن سُننے میں آئے گا۔ وہ تو ذہن مجسم ہے۔

ادہم نشاط عورت کبھی ذہین نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک آسائش پسند جنس ہے۔ اسکے پاس کبھی کوئی بات قابل ذکر نہیں ہوتی۔ لیکن جب کبھی کچھ کہتی ہے تو یہ تمام آئیں دلاویزی ودلربائی۔ عورت جو شبلی مرحوم کے نزدیک چہرہ کائنات کا آب ورنگ ہے میرے نزدیک فتح مادہ بمقابلہ عقل ہے جیسے مرد فتح اجتہاد بمقابلہ رسمیات واخلاقیات ہے۔ اچھا تم اپنی ذہینہ کے متعلق کچھ بتاؤ تو تم سے اس سے کب ملاقات ہوئی۔

نشاط۔ تمھارے خیالات مجھے خوف زدہ کیے دیتے ہیں۔

ادہم۔ خوف کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم سے اُس سے کتنے دن سے ملاقات ہے۔

نشاط۔ تقریباً تین ہفتہ سے۔

ادہم۔ اور کہاں ملاقات ہوئی۔

نشاط۔ میں تم سے بتادوں گا۔ لیکن یہ وعدہ کرو کہ تم میرے ساتھ غیر ہمدردانہ طرز عمل نہ برتو گے۔

ادہم اچھا بتاؤ میں وعدہ کرتا ہوں۔

نشاط۔ ادہم۔ یہ کچھ بھی نہ ہوتا اگر میں تم سے نہ ملتا۔ تم نے زندگی کے متعلق ہر چیز سے واقف ہونے کی اک وحشیانہ اور تلاطم انگیز خواہش مجھ میں پیدا کی۔

تمھارے ملنے کے ہفتوں بعد تک میری رگوں میں اک عجیب جوش وتلاطم محسوس ہوتا تھا۔ جب میں پارک میں تفریح کرتا۔ یا ساحل سمندر پر ٹہلتا تھا تو ہر شخص کو

یں نگاہ تحیر سے دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ آیا یہ لوگ کیسی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مجھکو دلکش نظر آتے تھے۔ بعضوں سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ فضا میں ایک لطیف زہر پھیلا ہوا تھا۔ مجھکو حصول احساسات کی تمنا تھی۔ ایک دن شام کو ۷ بجے کے وقت اسی عزم سے میں باہر نکلا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہمارا یہ طرابستان حیرت آباد و وحشت زا مع اپنے باشندگان گوناگوں۔ اپنے عاصیان رذیل۔ اور اپنے عصیان باعظمت کے میرے لیے کچھ نہ کچھ پردۂ غیب میں مخفی رکھتا ہے۔ خطرہ محض میرے دل میں احساس مسرت پیدا کرتا تھا۔ مجھے وہ حیرت انگیز شام یاد آئی جب کہ ہم اور تم ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور تم نے مجھ سے کہا تھا کہ حقیقی سِر حیات جستجوے حُسن ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کس چیز کی تلاش میں نکلا ہوں۔ آخر کار سرگرداں پھرتا ہوا ایک گلی میں جا نکلا۔ مجھکو ایک تھیٹر نظر آیا۔ اسکے دروازہ پر اک یہودی حیرت خیز دست کوٹ پہنے اک ذلیل سگار پی رہا تھا۔ اس نے نہایت تعظیم آمیز لہجہ میں مجھے مخاطب کیا کہ جناب ایک سیٹ رزرو کیوں نہیں کراتے۔

ادہم۔ اس یہودی میں کچھ عجیب بات تھی جو مجھے دلکش معلوم ہوئی۔ وہ اک غیر معمولی انسان تھا۔ تم مجھپر ہنسو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں گیا اور فوراً ایک سیٹ رزرو کرائی۔ آج تک میں نہ سمجھ سکا کہ میں نے یہ حرکت کیوں کی۔ پھر بھی ادہم اگر میں ایسا نہ کرتا تو میری زندگی کا سب سے بڑا افسانہ مجھ سے جاتا رہتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم ہنس رہے ہو۔ تم بڑے بے رحم ہو۔

ادہم۔ نشاط میں ہنس نہیں رہا ہوں کم از کم تم پر نہیں ہنس رہا ہوں لیکن تم کو یہ ہرگز نہ کہنا چاہیے کہ زندگی کا سب سے بڑا افسانہ۔ تم کو یہ کہنا چاہیے کہ زندگی کا پہلا افسانہ۔ تم سے ہمیشہ محبت کی جائے گی اور تم خود ہمیشہ انیس محبت رہو گے

جذبۂ واحد تو ان لوگوں کا کا مخصوص ہے جن کو دنیا میں کچھ کرنا نہیں۔ بیکاران ملک کا یہی تو ایک مصرف ہے۔ تم خوف زدہ مت ہو۔ تمھارے لیے ہزارہا اشیاء لطیف پردۂ مستقبل میں مخفی ہیں۔ یہ تو محض ابتدا ہے۔ آج کل لوگ نقد عمر کو نثر حیات میں صرف کر دیتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ شاعری پر اپنے تئیں برباد کر دینا اک عزت جاودانی ہے۔

نشاط۔ کیا تم میری طبیعت کو اتنا سطحی سمجھتے ہو۔

ادہم۔ نہیں میں تمھاری طبیعت کو بیحد عمیق سمجھتا ہوں۔

نشاط۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔

ادہم۔ مائی ڈیر نشاط سطحی تو وہ لوگ ہیں جو تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ دام محبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جس کو وہ وفاداری اور اطاعت شعاری کہتے ہیں۔ میں اسکو یا تو کمزوری رواج یا فقدان تخئیل سمجھتا ہوں۔

حیات جذباتی میں وفاداری کا وہی درجہ ہے جو حیات دماغی میں یکسانی و مطابقت کا محض اقبال ناکامی۔ وفاداری سے میں انکی تحلیل کروں گا۔ اس میں جذبۂ ملکیت بھی شامل ہے۔ سیکڑوں چیزیں ہم پھینک دیں اگر ہم کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ دوسرے ان کو اٹھالیں گے۔ اچھا بتاؤ تو سلطے سے تمھارے تعلقات کیسے ہیں۔

نشاط۔ میں اس قدسی پیکر کو متبرک سمجھتا ہوں۔

ادہم۔ اشیاء متبرک ہی تو مس کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ لیکن میں تم کو روکنا نہیں چاہتا۔ ہاں اپنا قصہ تم کہہ چلو۔ (باقی آئندہ)

آرٹسٹ

خیالاتِ پریشاں

کیا ہے یہ نظمِ عالمِ فانی | چند ذرات کی پریشانی
حدِّ فاصل خرابۂ ہستی | نقشِ باطل وجودِ انسانی
میری مٹی بھی ہو گئی برباد | ہے کفِ خاک عالمِ فانی
ہے ازل سے سفینۂ ہستی | مبتلا طمعۂ زورِ طوفانی
شام کب تک لباسِ غم پہنے | صبح کب تک کرے گریبانی
جلوہ افروز ہو ہزاروں سال | لاکھ دکھلائے اپنی تابانی
خشک ہو جائے گا ضرور اک دن | چشمۂ آفتاب کا پانی
ہو گئے نقشِ سیمیائے فنا | علمائے فرنگ و یونانی
ہرزہ گوئی ہے لافِ دانائی | شیخ ہو یا معلمِ ثانی
نظری بدیہی الانتاج | یہ مقدمات شکلِ حیرانی
کیا ہے ترکیب عالمِ اجسام | امتزاج عناصرِ فانی
زندگی کیا ہے موت کی تمہید | موت کیا ہے نشاطِ روحانی
اک سرا ہے یہ قالبِ خاکی | اک مسافر ہے روحِ نفسانی
اسکے صحرا کا ایک ذرہ ہے | جس کو سمجھے ہیں عالمِ فانی
دیکھکر رنگِ مجلسِ دنیا | بڑھتی جاتی ہے دل کی حیرانی
اک نظر بندی تو ہم تھا | تختِ کسریٰ و تاجِ خاقانی
اے فریبِ زمانۂ غدار | اللہ اللہ یہ فتنہ سامانی
جوش زن ہر طرف بیاباں ہے | اف مرے غمکدے کی ویرانی
چند ذرے ملے ستانہ دل | مدتوں میں نے خاک جب چھانی

وہ حریصِ بیانِ اجمالی
سرگذشتِ عزیزِ طولانی

عزیز لکھنوی

تلاش عیش

(۱)

حسینہ کی شادی اسکے ماں باپ نے مولوی فخرالدین کے ساتھ ٹھہرائی جو حسب نسب کے لحاظ سے بھی ایک اعلےٰ مرتبہ رکھتے تھے اور دنیوی ثروت میں بھی اپنے خاندان میں بہتوں سے اچھے تھے۔ گھر کی جائداد اچھی خاصی تھی اور سات سو کے گریڈ کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ شادی کے وقت یہی باتیں دیکھی جاتی ہیں -- رہا سن اور مزاج تو تعصبات میں نسبت کرنے کے لیے اس پر زیادہ غور نہیں کیا جاتا۔ لڑکی کی تعریف بھی اسی میں ہے کہ بدمزاج سے بدمزاج میاں کے ساتھ خندہ پیشانی سے گذر کرے۔ اور سن درازی کا بدلہ بخوبی روپے پیسے سے ہوسکتا ہے۔ حسینہ کا سن اتنا نہ تھا کہ وہ سمجھ سکتی کہ میری طبیعت اور مزاج کے موافق یہ شادی ہو رہی ہے یا خلاف۔ لوگ اسے یہ کہہ کہہ کے خوش کرتے تھے کہ "اب تمھارے مزاج کا ہے کو ملیں گے۔ ڈپٹی صاحب کی بیوی ہو گی"۔ بیچاری کا ناک میں دم تھا کبھی کسی چیز کی برائی کر دی تو ہمجولیوں نے چڑھانا شروع کیا "بھلا تمھاری آنکھ میں ایسی چیز کیوں جچے گی ہم غریبوں کے واسطے یہ بھی بہت ہے"۔ ماں باپ یہ باتیں سن کے بہت خوش ہوتے تھے۔ شیخ حامد علی معمولی حیثیت کے شریف آدمی تھے جب انھیں خیال ہوتا تھا کہ میری بیٹی مولوی فخرالدین کی بیوی بنے گی اور کروفر کے ساتھ سسرال سے میکے میں آیا کرے گی تو پھولے نہیں سماتے تھے۔ ان کی بیوی اپنی لڑکی کے زیورات کا خیال کر کے خوش ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ انھیں

معلوم تھا کہ مولوی صاحب کی پہلی بیوی کے پاس بہت کچھ زیور تھا وہ سب حسینہ کو ملے گا اُن کے علاوہ حسینہ خود بھی ضرور میاں سے زیور بنوائے گی۔

شیخ حامد علی مولوی فخرالدین کی بدمزاجی سے ناواقف نہ تھے لیکن سمجھتے تھے کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے "مَیں بھی ترش مزاج ہوں مگر میری بیوی مجھ سے ناخوش نہیں ہے بلکہ جتنا مَیں اسے چاہتا ہوں اس سے زیادہ وہ مجھے چاہتی ہے" سن کے متعلق بھی جب غور کرتے تھے تو بہت سی مثالیں ان کے پیش نظر ہو جاتی تھیں فلاں شخص سن رسیدہ تھے ان کی بیوی بالکل کمسن تھیں پھر کتنا میل و محبت آخر دم تک دونوں میں رہا۔

بہرحال جس پہلو سے شیخ صاحب نے اس نسبت پر غور کیا وہ اچھی ہی دکھائی دی آخرش دن و تاریخ کا تقرر ہوا اور شادی کے سامان ہونے لگے

مولوی فخرالدین بہت ہی روکھے سوکھے(۲) آدمی تھے۔ دنیا میں کسی چیز سے انھیں دلچسپی نہ تھی ملازمت سرکاری اور کچہری کا کام ان کا قبلۂ دین و دل تھا۔ ریشہ ریشہ ان کے جسم کا ڈپٹی کلکٹر تھا۔ گھر کی آب و ہوا انھیں اس لیے ناگوار تھی کہ اس میں کچہریت نہ تھی۔ دوست احباب کی صحبت سے انھیں اس وجہ سے لطف حاصل نہیں ہوتا تھا کہ وہ نہ تو صاحب ڈپٹی کمشنر تھے کہ ان سے ادب سے گفتگو کی جائے نہ اہل مقدمہ کہ تحکمانہ لہجہ سے ان سے بات کریں۔ کچہری سے جدا ہونا ان کا بعینہ ایسا تھا جیسا کہ مچھلی کو پانی سے کوئی جدا کر دے۔ بیوی کے مرنے کا انھیں قلق تھا نہ اس لیے کہ سلسلۂ موانست شکست ہو گیا بلکہ اس وجہ سے کہ سررشتہ دار سے زیادہ وہ ان کی فرمانبرداری کرتی تھی۔ مولوی صاحب کو ڈپٹی کلکٹری کے بعد جس چیز پر فخر و ناز تھا وہ شرافت تھی یعنی وہ جنس بے بہا جس کی قیمت قدامت سے بڑھتی ہے اور جس قدر بے عقلی کا

جز اس میں زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی تقدس اور بزرگی اس میں آتی جاتی ہے ان کا بس چلتا تو اپنے نسب کو خدا سے ملا دیتے تاکہ قدامت کا شرف حاصل ہوتا۔ ان کی گردشِ دماغ کا مرکز ان کی ذات تھی - خدا کو بھی اسی لیے مانتے تھے کہ وہ ان کی ذات سے وابستہ ہے۔

اگر ماں باپ کمسنی ہی میں شادی نہ کر دیتے، تو انھیں شادی کا خیال تک نہ ہوتا لیکن اب شادی کا چسکا ہو چکا تھا۔ بیوی کے مرنے کے دو ہی چار روز بعد سے انھیں دوسری شادی کی فکر ہوئی۔ دل میں سونچا کہ اب جو بیوی ملے گی اس کو بالکل اپنے رنگ کا بناؤں گا جو کچھ کمیاں مرحومہ میں تھیں وہ بھی اس میں نہ رہنے پائیں گی۔ کمسن عورت ہوگی بالکل میرے کہنے میں ہو جائیگی کچی لکڑی ہوگی جیسا چاہوں گا ویسا بناؤں گا۔ یہ ہی خیالات تھے جن کی بنا پر انھوں نے شیخ حامد علی کی لڑکی سے اپنا پیغام دیا۔ کیونکہ یہ کمسن لڑکی تھی اور غریب گھر کی تھی۔ ہر طرح ڈپٹی صاحب سمجھتے تھے کہ میرا اس پر قابو ہوگا۔ یہ سوال دل میں کبھی پیدا ہی نہ ہوا کہ یہ تعلق لڑکی کے واسطے خوشگوار ہوگا یا ناگوار۔ اگر اس کو سوچتے بھی تو نتیجہ یہ ہی کرتے کہ ناگوار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے میں ڈپٹی کلکٹر اور اپنے اعلیٰ حسب نسب کا آدمی جو لڑکی میرے نکاح میں آئے اسے اپنے کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے اور پھر عورت کی ناگواری کیا چیز ہے اسکا خوش ہونا اور ناخوش ہونا کیا۔

جو لوگ ڈپٹی صاحب کے مزاج سے واقف تھے اور پہلی بیوی کے ساتھ ان کے برتاؤ کو دیکھا تھا وہ یہ ہی کہتے تھے کہ شیخ حامد علی روپیہ پیسہ پر اپنی بیٹی کو قربان کر رہے ہیں بھلا ایسی کمسن لڑکی کا ان کے ساتھ نباہ کیونکر ہوگا اس کی جان عذاب میں ہو جائے گی بات بات پر اسکو ڈانٹیں گے کبھی کسی نے

ان کو خوش مزاج اور ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ بیوی بھی جُو جُو سمجھے گی۔ مگر بعض آدمی یہ بھی کہتے تھے کہ دیکھنا خود اُن کا کایا پلٹ ہو جائے گا۔ یہ سب ترش روئی اور بدمزاجی تشریف لے جائے گی۔ جوان عورت کا اثر غضب کا ہوتا ہے۔ سنئے سرے سے جوان ہو جائیں گے۔ اس کو خوش کرنے کے لیے لونڈے پنے کی باتیں کرنے لگیں گے۔

بہر حال لوگ جو چاہیں کہیں شیخ حامد علی راضی ہو چکے تھے اور ان کا قصد بھی مصمم ہو گیا تھا لڑکی کی مرضی شریفوں میں کوئی چیز سمجھی نہیں جاتی لہذا کوئی مرحلہ باقی نہ رہا اور مولوی فخرالدین کی شادی عمر کے پچاسویں سال میں حسینہ کے ساتھ ہو گئی جو پوری اٹھارہ برس کی بھی نہ تھی۔

(۳)

شروع شروع میں مولوی صاحب کو بیوی سے بہت محبت تھی۔ وہ لوگ جو کہتے تھے کہ اس نئی شادی سے ان کا مزاج بدل جائے گا اُن کا کہنا ٹھیک ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بڑا واقعہ جو ان کے مزاج بدلنے کی شہادت دے سکتا ہے یہ ہوا کہ ایک روز بیوی کے بال میاں کو بہت بھلے معلوم ہوئے طبیعت متقاضی ہوئی کہ لب بالوں تک پہنچ جائیں۔ دل کی طلب کو رد نہ کر سکے بے اختیار وہ بات کر بیٹھے جو ان کے سن والے آدمی کو کم سے کم نہ کرنا چاہیے تھی یعنے بالوں کا بوسہ لے لیا۔ اس حرکت کی سزا خدا کی طرف سے یہ ملی کہ بیوی کی نتّ کی گوکھرو میں ڈاڑھی کے دو چار بال پھنس گئے اور کچھ ایسے پھنسے کہ کسی طرح نکالے نہیں نکل سکتے تھے۔ حسینہ کو بے اختیار ہنسی آئی اور جتنی دیر بالوں کے چھٹنے میں لگی تھی اتنے ہی زیادہ اس کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے مولوی صاحب کو اپنی عادت کے موافق غصّہ آیا لیکن غصّہ کو ضبط کیے رہے کچھ بولے نہیں۔

دوسرے روز ڈاڑھی چھوٹی کرا لی اور نا گہانی دقتوں سے بچنے کے لیے اپنی متبرک ڈاڑھی کو مٹا دیا یا یہ کہو کہ بیوی کی نت پر اپنی ڈاڑھی کو قربان کر دیا اور اسطرح نت اور داڑھی کی کشمکش میں نت کو فتح ہوئی۔ یہ ممکن تھا کہ نت اُتروا ڈالتے اور ڈاڑھی بچا لیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ یہ واقعہ کوئی معمولی نہ تھا۔ تمام لوگوں میں اس کے چرچے ہونے لگے۔ بیوی کو یہ بات اچھی معلوم ہوئی اور ساس کو تو بے انتہا خوشی ہوئی۔ اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ دنیا نے جو تار بجتے ہی راگ بوجھتی ہے اپنی جگہ پر یہ تصفیہ کر لیا کہ مولوی فخرالدین اپنی بیوی کو بہت چاہتے ہیں۔

عبدالوالی

قیامت خیز منظر

محرم الحرام کی تیرھویں شب تھی۔ ماہ کامل پورے شباب پر تھا۔ بزم فلک کی رونق دینے والی شمعیں بے نور نظر آ رہی تھیں۔ خوشگوار سردی حُسن پرست دلوں کے جذبات کو بڑھا رہی تھی۔ آنکھوں کا پیمانہ بادۂ شوق سے لبریز تھا۔ ایک بجے شب کے وقت نہ معلوم کس تحریک سے ہم شاہجہاں پور کے ریلوے اسٹشن پر موجود تھے۔ اُن قیامت کا انتظار ہو رہا تھا کہ اتنے میں بریلی سے آنے والی گاڑی کا لین کلیر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دلخوش کن صدا آئی کہ (بنتھرے سے سواری گاڑی چھوڑی) فرط شوق سے ہمارے دل میں غیر معمولی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی کہ اتنے میں گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر ٹھہر گئی ایک سکنڈ کلاس میں کیا دیکھا قیامت دیکھی۔ دلفریب جلوہ دیکھا حُسن کی مجسم تصویر دیکھی وہ چودھویں رات کا چاند دیکھا جو کبھی بدر سے ہلال نہیں ہوتا۔ یہی سبب تھا کہ ماہ کامل اُسی تاریخ سے شرما کر گھٹنے لگا۔ کیا باتیں ہوئیں کچھ نہیں۔ کیا دیکھا کچھ نہیں۔ کیا سُنا کچھ نہیں۔

آنکھیں لڑیں دل کھو گیا۔ گاڑی چل دی اور کوئی بیتاب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ کوہ قاف کی پری تھی یا جنت کی حور۔ ہم کو ایک گذرا ہوا واقعہ یاد آگیا جو پیش نظر ہے۔

یاد ہے اے ہمنشیں وہ بھی زمانا یاد ہے　　دل کا آنا یاد ہے قابو سے جانا یاد ہے

وہ مری بیتابیِ دل وہ مرے اشکوں کا جوش　　وہ کسی غنچہ دہن کا مسکرانا یاد ہے

اُف وہ مستانہ روش وہ شوخیِ برقِ نگاہ　　وہ دلِ بیتاب پر بجلی گرانا یاد ہے

اک بتِ نا آشنا جادو نظر کی یاد میں　　یاد ہے وہ رات دن آنسو بہانا یاد ہے

جس جگہ آنکھیں لڑی تھیں ہے وہ منظر سامنے　　جس جگہ دل لُٹ گیا وہ بھی ٹھکانا یاد ہے

وہ ہجومِ خلق وہ کلیہ کا میدانِ وسیع　　اپنے ہاتھوں خاک میں دل کو ملانا یاد ہے

وہ نگہبانوں کے پہرے وہ کسی کے روبرو　　حالِ دل پردے ہی پردے میں سُنانا یاد ہے

بعد ازاں وہ گھر بلا کر اک ستم ایجاد کا　　عاشقِ ناشاد سے پہلو بچانا یاد ہے

وہ وفاداری کے بدلے میں تغافل ہائے ہائے　　چاہنے والے کو اپنے بھول جانا یاد ہے

ہم پہ گذرا ہے جو کچھ او دشمنِ نازک مزاج　　ابتدا سے انتہا تک سب فسانا یاد ہے

حالِ دل سن لو بس اب وہ چار سانسیں اور ہیں　　گو سمجھتے ہیں کہ تم کو دل دکھانا یاد ہے

پھر نہ ہم ہونگے نہ دل ہوگا نہ دل کی آرزو　　بھول جائیں گے جو کچھ اب تک فسانا یاد ہے

دل کی بربادی نہ بھولی ہے نہ بھولے گی ضمیر
ابتداءِ عشق کا اب تک زمانا یاد ہے

دل شاہجہانپوری

اُردو کانفرنس کو کیا کرنا چاہیے

ہر چیز کے عروج و زوال کا ایک وقت ہوتا ہے زبان اُردو کا بھی ایک زمانہ تھا جب اُسکے حامی اور سرپرست اُس کو آراستہ کر رہے تھے مگر اب جب کہ زمانہ نمود و نمائش کا لباس پہن کر چمک رہا ہے اور خود غرضی کے خبطوں سے صحن عالم گونج رہا ہے زبان اُردو کا کون غمگسار بنتا اگر کسی دل میں کوئی خیال آیا بھی تو اس بے زبان سے نہیں نکال سکتا کہ ہندی کے طرفدار بگڑ نہ جائیں اور اتحاد میں فرق نہ آئے مگر اب کچھ دنوں میں احساس ہوا ہے خدا کرے یہ کانفرنس آئندہ عملی کام بھی شروع کرے اور ہندوستان کو اس سے دلچسپی ہو۔

میرے خیال میں اس کے لیے عملی تجاویز حسب ذیل ہیں:-

(۱) اُردو کا ایک اسکول قائم ہونا چاہیے جس کے لیے نصاب تعلیم خاص کمیٹی مقرر کرے۔ مدارس سرکاری میں اسکول کے سند یافتہ طلبا کے حقوق مرجح ہوں نصاب تعلیم میں مضامین ذیل ملحوظ رہیں۔

(۱) ادبیات (۲) گرامر (۳) منطق (۴) معنی و بیان (۵) عروض و قافیہ (۶) تاریخ (۷) مضمون نگاری (۸) خوشخطی

(۲) دارالتالیف یا دارالتصنیف اس میں ملک کے اہل قلم کام کریں اور جن مصنفین یا مؤلفین کو ضرورت ہو اُن کو معاوضہ بھی دیا جائے۔ دارالتالیف میں کس قسم کی کتابیں تالیف ہوں۔

(۱) تذکرہ مشاہیر ادبائے اُردو مع نمونہ تصنیف و تنقید (۲) تکمیل لغت اردو (۳) ترجمہ مصطلحات (۴) قواعد اُردو (۵) اُردو میں معنی و بیان پر ایک مبسوط کتاب (۶) ضروری کتابوں کے تراجم۔

(۳) دارالتالیف کے ساتھ اُردو کا ایک کتب خانہ اعلیٰ پیمانہ پر ہونا چاہیے۔

(۴) ایک کلب جسمیں ہندوستان کے مشہور اخبارات و رسائل آئیں اور اوقات معینہ پر لوگ جا کر دیکھا کریں۔

(۵) اردو کانفرنس کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہونا چاہیے۔

(۶) مدارس سرکاری میں اُردو کے نصاب مروجہ پر ایک نظر کرنا چاہیے۔

عزیز (لکھنؤ)

غزلیات

جناب محمد یوسف صاحب جعفری۔ رنجور عظیم آبادی (شمس العلما خاں بہادر)

سر پہ یہ چرخ بھی مانند چتر جائے گا　　بھاگ کر اس سے کوئی شخص کدھر جائیگا؟

کوئے قاتل میں یہ ہر روز اگر جائے گا　　جی سے اک دن دلِ وارفتہ گزر جائے گا

خود تمہارا ہو کہ ہو غیر کا گھر جائے گا　　تم جدھر جاؤ گے۔ یہ دل بھی اُدھر جائے گا

کیا تری تیغ سے عاشق ترا ڈر جائے گا　　اُسکو پروا ہی نہیں اس کی کہ سر جائے گا

شیخ اچھا ہوا میخانے میں تو آ نکلا　　نشۂ عُجب ترے سر سے اُتر جائے گا

نامہ بر جانے میں کیوں دیر لگائی تونے　　کیا مری موت ہی کی لے کے خبر جائے گا؟

ہو مرے خانۂ دل میں بھی خلا امرِ محال　　آس جائے گی۔ تو وہ یاس سے بھر جائے گا

کچھ تو ہو ہی کے رہے گا درِ قاتل پہ آج　　جان ہی جائے گی یا دردِ جگر جائے گا

ہوں گنہگار مگر سوزِ نہاں کے باعث　　خشک دنیا سے مرا دامنِ تر جائے گا

رو کے بولا مرے لاشہ پہ وہ غفلت پیشہ　　کیا خبر تھی کہ تپِ ہجر میں مر جائے گا

ہائے کیا ہوگیا اس دل کو کہ محفل میں تری　　ذلتیں لاکھ اُٹھائے یہ۔ مگر جائے گا

بارِ احساں ترے خنجر کا چڑھے گا سر پر　　بارِ سر جب مری گردن سے اُتر جائے گا

شرم سے ابر میں چھپ جائیں نہ ماہ و انجم　　بام پر شام کو وہ رشکِ قمر جائے گا

دل کو کیوں ہاتھ سے دیں گر نہ رہا تو دنیا　　ہجرِ جاناں کا زمانہ بھی گزر جائے گا

تیرے دربان نے گر بام پہ جانے نہ دیا　　میں نہ جاؤں گا۔ مرا تارِ نظر جائے گا

دے رہی ہے یہ گواہی تری زلفوں کی کجی　　کہ کبھی تم سے ہی طبیعت سے نہ شر جائے گا

چارہ گر! ہے تجھے بیہودہ ترشی کی تلاش　　نشۂ عشق ہی کیا اُس سے اُتر جائے گا

ایک جانباز میرا دل ہوئے گا وہ کب؟ کوئے قاتل میں وہ بے خوف و خطر جائیگا
وہ جہاں ہوگا اُسے ڈھونڈ نکالیں گے ہم بھاگ کر ہم سے وہ عیار کدھر جائے گا
ظلم دیکھو کہ نمکداں وہ دکھا کر بولا اس سے زخم جگر اک آن میں بھر جائے گا
اے دل اُس شوخ سے روزانہ ملاقات نہ کر ورنہ دو روز میں تو دل سے اُتر جائے گا

تم چلے ہو جو عیادت کے لیے بن ٹھن کے
دیکھتے ہی تمھیں رنجور تو مر جائے گا

حضرت مرزا آفتاب قزلباش لکھنوی

فرقت نصیب ازل سے دلِ ناصبور تھا جس کی تلاش تھی وہی قسمت سے دور تھا
اے آہِ سرد اس میں ترا کیا قصور تھا ٹھنڈا ہوا دل نہ سوزِ محبت سے دور تھا
مجھکو یقین وعدۂ فردا ضرور تھا مشکل یہ آ پڑی تھی کہ دل ناصبور تھا
روشن چراغ تھے نہ ستاروں میں نور تھا فرقت میں آہِ دل کا اثر دور دور تھا
کھنچتے تھے ہاتھ پاؤں کہ دم ٹوٹتا تھا میں تا آشنائے ہجر فنا کا شعور تھا
واقف نہیں ہیں وادیٔ وحشت سے اہلِ ہوش حدِ خیال سے دلِ دیوانہ دور تھا
کیا چیز ہے حیات کہ مرنے کے بعد بھی جو چپ ہوا وہ گور میں [illegible] ضرور تھا
طوفِ حرم کے پھیر میں کیونکر پڑے تھے ہم اس راستے سے کچھ یہ پہنچنا نہ دور تھا
برسوں کی آگ جس میں ہو [illegible] جلنا [illegible] سمجھا آتشِ طور تھا
پوچھوں جو سرکشوں سے کبھی [illegible] ملے [illegible] خاک کیوں تجھے اتنا غرور تھا
منزل پہ لے گئی نظر دوربین سے مجھے جو پاس رہ کے بھی مرے نزدیک دور تھا
گلشن بہار پر تھا نشیمن اٹھا لیا [illegible] کیوں ہوا اسیر مرا کیا قصور تھا
ڈھونڈوں جو [illegible] ظلمتِ لحد کچھ کچھ سب تجھکو یاد ہے آنکھوں میں نور تھا
[illegible] کو عشق میں پہنچا تھا [illegible] دل ہی بدل گیا وہ جسے کچھ شعور تھا

مرنا غمِ فراق میں آسان تھا مگر — اُنکی خوشی نہ تھی تو مجھے کیا ضرور تھا
گلچیں بُرا کیا جو یہ تنکے جلا دیے — تھا آشیاں مگر ترے پھولوں سے دور تھا
سرمہ سی ہے دیدۂ عبرت کے واسطے — وہ خاک جس میں دفن دلِ ناصبور تھا
پیدا کیے ہیں دل کے تعلق نے [illegible] — [illegible] تھا جہان میں کوئی نہ دور تھا
تکرارِ عرضِ حال نے سب [illegible] — [illegible] دل وہ ملا جو غیور تھا
دل کھینچ کے جذبِ شوق میں [illegible] تک آ گیا — پہلو کا [illegible] رگِ گردن سے دور تھا

جلوہ فروشِ حسن کو ثاقب [illegible] ہے
اتنا ہوا [illegible] جو بالا سے طور تھا

حضرت حسرت موہانی

وہ ہمیں آ کے [illegible] تعویذ — یوں تو ہم سے نہ بچا ایک بھی گنڈا تعویذ
اضطرابِ دل [illegible] — ہاتھ آئے گا نہ جب تک کوئی ان کا تعویذ
تم نے اک [illegible] — ہم نے اس نقشِ محبت کا بنایا تعویذ
قابلِ دید ہے اس شاہدِ رعنا کی بہار — شوخ کچھ تم سے بھی بڑھ کر ہے تمہارا تعویذ

دل [illegible] حسرت ہے اُسی کا قربان
وہ گلے [illegible] ترے سرخ بندھا تھا تعویذ

حضرت [illegible] دہلوی

کیوں نسیمِ سحر آئی ہے جگانے ہم کو — خوابِ غفلت کے مزے بھی ہیں اٹھانے ہم کو
شرع میں ہے لبِ شیریں کا تصور [illegible] — یارب آ جائیں وہ خود شہد چٹانے ہم کو
دونوں عالم کے سوا [illegible] — اور بھی چند ہیں ویرانے بسانے ہم کو
مہر و مہ بادہ و ساغر ہیں تو ہے زہرہ [illegible] — عقد پرویں ہیں یہ انگور کے دانے ہم کو
زعفراں زار ہے چہرہ تو ہیں گلرنگ سرشک — اور بھی آتے ہیں سب راز چھپانے ہم کو

ہے نظر حور کی ہم پر تو پری کا سایہ — اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے خدا نے ہم کو
لے زہے بخت رقیب آیا دم بازپسیں — موت پر موت نظر آئی سرہانے ہم کو
منزل آخر ہے یہی نیند کے ماتو اُٹھو — آج یہ مژدہ سنایا ہے درا نے ہم کو
گالیاں آپ کی کس لطف سے سہتے ہیں عدو — کاش آجائیں یہی تیر لگانے ہم کو
عشوہ و غمزہ و انداز و ادا۔ ناز و نیاز — فیلسوف آئے ہیں وہاں سے یہ لبھانے ہم کو
دشتِ غربت میں بنے رشک جوے۔ بہر گزک — آبلے ہو گئے انگور کے دانے ہم کو

جو ہمیں جانتے ہیں۔ مانتے بھی ہیں طالب
جو نہ جانے وہ نہ مانے تو نہ مانے ہم کو

حضرت محشر لکھنوی

ابتدا ہی ہو گئی میرے لیے انجام عشق — تھا پیام موت میں سمجھا جسے پیغام عشق
دیدنی ہے رونقِ محفل اُمید و بیم — دل کا ہر اک داغ ہے گویا چراغ شام عشق
ہجر میں اظہار درد اور اُس پہ گریہ وائے بخت — دل کی بیتابی نے دم بھر میں ڈبویا نام عشق
تر زباں ہیں سب کے سب تعریفِ حسنِ دوست میں — کوئی بھی سنتا نہیں حالِ دلِ ناکام عشق
لے لیا سرمایۂ ہوش و خرد کو ہاتھوں ہاتھ — کس تکلف سے دیا ساقی نے مجکو جام عشق
نزع کی الجھن میں سر ہو زانوے دلدار پر — زندہ ہو جاؤں اگر ہو اس طرح انجام عشق
ضبط گریہ غیر ممکن تھا وفور ہجر میں — رکھ لی مرنے نے دل کے آبروے نام عشق
میری بیتابی پہ اتنا کہہ کے وہ راہی ہوئے — اب اگر جینا تو پھر ہرگز نہ لینا نام عشق
ایک حسنِ یار اور صدہا ادائیں جانستاں — اک دلِ عشاق اور اُس کے لیے سودام عشق
ابرِ رحمت نے نکالے اپنے کیا کیا حوصلے — حشر میں جب آ گئے مست شرابِ جام عشق
سنتے سنتے قصۂ دردِ جگر کیوں ہنس پڑے — کہتے کہتے دفعتہً چپ ہو گیا ناکام عشق
پہلی ہی منزل پہ موسیٰ کو ہوئیں سو لغزشیں — صدقے اُن قدموں کے جو پہنچے قریب بام عشق

ہمنشیں غم ہو چکا محشر خیز ہے یا نہیں
لڑ چکیں نظروں سے نظریں آ چکا پیغام عشق

حضرت بیباک شاہجہاں پوری

دکھائیں ضد سے وہ ناز اپنی دلربائی کا
یہی سبب ہو نہ زاہد کی پارسائی کا

یہی رہا جو تمھیں شوق خود نمائی کا
تو اک نگاہ میں ہے فیصلہ خدائی کا

وہ کون کشتۂ حسرت ہے جسکے ماتم میں
سیاہ رنگ ہوا ہے شب جدائی کا

کسی کے وصل کی یارب خبر فلک کو نہو
کہ رقت ہے مری تقدیر کی رسائی کا

دیا ہے دل اُسے مجبور ہو کے اے ناصح
یہ جانتا ہوں زمانہ نہیں بھلائی کا

وفائے غیر پہ میں کچھ کہوں تو کہدو گے
تجھے تو شوق ہے کمبخت خود ستائی کا

مجھے جنوں نہو کیونکر فغان بلبل سے
کہ شاخ گل میں ہے عالم تری کلائی کا

مٹا ہے وعدۂ عود و قصد رہ بر واعظ
مری سمجھ میں یہ پیغام ہے جدائی کا

لٹا رہا ہے کہیں خار ہائے صحرا پر
کیا تھا عذر جنوں سے شکستہ پائی کا

یہ ڈر ہے حشر میں ہم کیا کہیں وہ کیا پوچھیں
بہت معاملہ نازک ہے آشنائی کا

ستا رہی تھی کہ اتنے میں وہ جو آ پہنچے
ذرا سا منھ نکل آیا شب جدائی کا

یہ ایک ہی تو ہوئی اے نگاہ تاب شکن
بہت غرور تھا زاہد کو پارسائی کا

دیا دل انکو مگر ہم رہے برے کے برے
بھلا کوئی بھی ٹھکانا ہے اس برائی کا

یہ وہ مرض ہے کہ عیسے بھی کچھ نہیں کرتے
کوئی علاج بھی اس ہفت کی لڑائی کا

وہ کہہ رہے ہیں تعجب کی جا ہے اے بیباک
تری زباں پہ گلا میری بے وفائی کا

ایک نظر

اُردو کانفرنس کو کیا کرنا چاہیے - اس عنوان پر ایک مضمون اسی پرچہ میں شائع ہوا ہے جس سے اراکین کانفرنس کو عملی کام کرتے وقت ضرور کچھ نہ کچھ مدد ملے گی مضمون مذکورہ کے علاوہ ہمارے پاس مختلف حصص ملک سے خطوط اس عنوان کے متعلق آئے ہیں جن میں سے ہم اُن تجاویز کو درج کرتے ہیں جو حضرت عزیز کے مضمون میں پیش نہیں کی گئیں ہیں - ممالک متوسط سے ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں :-

(۱) کانفرنس کا سب سے ضروری کام اصطلاحات وضع کرنا ہے مگر اصطلاحات بناتے وقت کانفرنس کی اُس کمیٹی کو جو اس غرض کے لیے مقرر کی جائے خیال رکھنا چاہیے کہ اُردو میں علوم تصوف کی وجہ سے بعض فلسفیانہ اصطلاحات موجود ہیں ان ہی اصطلاحات کو بہ ترمیم مناسب قائم رکھنا چاہیے کیمیا گروں کے صدقے سے اُردو میں اصطلاحات علم کیمیا کی ایک حد تک مروج ہیں اصطلاحات مرتب کرنے کے وقت اُنکو پیش نظر رکھنا چاہیے غرض یہ ہے کہ پُرانے اصطلاحات کے ہوتے نئے اصطلاحات نہ وضع کیے جائیں۔

(۲) اُردو میں قومی ڈرامے تصنیف کرائے جائیں اور اُنکے ذریعہ سے اردو زبان کو ہر دلعزیز بنایا جائے اس سے اُردو زبان کی عام اشاعت زیادہ ہوگی خصوصیت کے ساتھ اُن حصص ملک میں جہاں اُردو کم بولی اور سمجھی جاتی ہے -

(۳) ایک ایسی فہرست تیار کی جائے جس میں شروع سے لے کر اب تک مختلف علوم و فنون پر جتنی تصنیفات و مضامین اُردو میں لکھے گئے ہوں مع مختصر حالات مصنفین کے درج ہوں اسکے لیے بڑی محنت و جانکاہی درکار ہوگی ایسی فہرست سے زبان اُردو کی موجودہ حالت و حیثیت کا اندازہ ہوگا اور آئندہ کیا کرنا ہے

اس کے پروگرام کی تیاری میں بڑی مدد ملے گی۔

(۴) اکثر صاحبوں نے اُردو کی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کیے جانے پر زور دیا ہے اور اسکے علاوہ ایک سرکیولیٹنگ لائبریری قائم کرنے کی رائے دی ہے جس میں کانفرنس کی طرف سے مختلف علوم وفنون کی نادر ونایاب کتابیں موجود ہوں اور جو اُس سے اُن متقدر ممبروں کے پاس مختلف شہروں میں بذریعۂ ڈاک بھیجی جائیں جو کتاب کی اصلی قیمت سے زیادہ رقم ضمانت کے طور پر دفتر کانفرنس میں جمع کردیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ اُن لوگوں کے کام آسکیں جن سے کانفرنس کو تصنیف یا تالیف کا کام لینا ہو۔

اُردو انسائیکلوپیڈیا۔ ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دار المصنفین اعظم گڈھ نے اُردو دائرۃ المعارف کی ترتیب کی طرف توجہ کی ہے اور جسکیلیے بعض روسا نے قرار واقعی مالی امداد دینے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں جناب راجہ صاحب والی محمود آباد کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہم دار المصنفین کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوے اُردو کانفرنس کے لیے بھی اس خیال کو ایک نیک فال سمجھتے ہیں کیونکہ دار المصنفین نے اپنے ذمہ ایک ایسا عظیم الشان کام لے کر اُردو کانفرنس کے ایک جدید اور اہم کام میں اس کا ہاتھ بٹایا ہے ہمیں اپنے دوست مولوی سلیمان صاحب ندوی سے امید ہے کہ وہ بحیثیت ناظم دار المصنفین کے اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی پوری سعی و کوشش فرمائیں گے اگر دیگر امرا و روسا ملک نے راجہ صاحب والی محمود آباد کی طرح اس تحریک کی سرپرستی فرمائی تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ کام نہایت حسن وخوبی کے ساتھ مکمل نہ ہو جائے۔

تمدن میں تصویریں۔ اکثر ناظرین تمدن کا تقاضا تھا کہ "تمدن" میں تصویریں شائع ہونی چاہیے ہم نے اُن حضرات کی خواہش کے مطابق مستقل طور پر تصویریں

شائع کرنے کا انتظام کیا ہے جس کو صحیح معنوں میں استقلال بخشنا ہمدردان "تمدّن" پر منحصر ہے کیونکہ جنگ کے زمانہ میں جبکہ کاغذ کی گرانی نے ہندوستان کے اخبارات ورسائل کیا ولایت کے مشہور ومعروف اور کثیر الاشاعت اخبارات کو نہ صرف اپنا حجم کم کرنے پر مجبور کیا بلکہ اُنھیں اس کمی حجم کے باوجود اپنی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑا تو اس صورت میں ہمارا تصویر شائع کرنے کا قدم "تمدّن" کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دانشمندانہ قدم نہیں کہا جا سکتا مگر ہماری اس جسارت پر کارکنانِ "تمدن" کی ہمت افزائی کرنا اب اُن حضرات کا کام ہے جنھیں "تمدّن" سے ہمدردی ہے جس وقت سے "تمدّن" ہمارے ہاتھوں میں آیا ہے اُس وقت سے ہم نے اسکے مضامین کو بہتر بنانے اُس کو وقت پر شائع کرنے اور دیگر ظاہری ومعنوی خوبیاں پیدا کرنے مین اپنی امکانی کوشش صرف کی ہے گو ہم "تمدن" کو اس وقت تک ظاہری اور معنوی اعتبار سے اس معیار پر نہ لا سکے جو ہم نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا اُمید ہے کہ ناظرین "تمدّن" ہمیں معاف فرمائیں گے اگر ہم اسکے لیے اُنھیں موردِ الزام ٹھہرائیں کیونکہ اُنھوں نے "تمدّن" کی توسیع اشاعت میں ہرگز ایسی کوشش نہیں فرمائی جس کی اُن سے توقع تھی۔ امید کہ ناظرین "تمدّن" اس پر غور فرما کر "تمدّن" کی توسیع اشاعت کو اپنا فرض خیال فرمائیں گے جس سے کہ "تمدّن" کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں اور اضافہ ہو سکے گا۔

جناب نواب نصیر حسین خان صاحب خیال کی تصویر ہمیں جناب سید سجاد سید صاحب بی اے کے ذریعہ سے ملی ہے ہم جناب سید صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

کے لیے صدہا تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد ۳ مجلد ۴

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمیں چاند سورج، ستارے، سیاروں، دمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، کی وسعت، جسامت، باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ سب کی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں - میں بیٹھ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت ۸ مجلد ۱۲

تاریخ مذہب - جسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابل و اسیریہ مصر و چین اور دیگر ممالک اور اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت .... ۸ مجلد ۱۰

داستان مریخ - سیارۂ مریخ کی جسقدر اسوقت تک تحقیقات ہو چکی ہے اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے قابل دید کتاب قیمت ۱۲

وکرم اروسی یعنی مہا کوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجمہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن قابل دید کتاب ہے قیمت .... عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا وظلہا ۲۱۵ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے قیمت ۸

سیرت الرسول - سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کے لیے لکھا ہے حجم ۴۹ صفحات قیمت ۵

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات حجم ۴۸ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸

کفایت شعاری - سموائل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب قیمت ۶

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی منظوم ڈرامے مصنف ہیں - شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے - ظرافت میں لطیفے برجستہ باینہمہ دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں - معاشرت کے عین مطابق فطرت دکھائے ہیں - نیچرل کیفیات و جذبات میں سرتاپا ڈرامہ ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸

رباعیات انیس و دبیر - اس کتاب میں ہندوستان کے ان مشہور قادر الکلام و معجز بیان سخنوروں کی عزائیہ اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے حجم ایک سو صفحہ قیمت ۴

رباعیات دبیر - حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ جسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں - ۸

کلیات نظیر اکبرآبادی - جس میں دیوان نظیر و بستان نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں جس کو پروفیسر سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے رعایتی قیمت ۳

حق تحفہ ابرار - (ناول) ہندوستانی زندگی ایک نہایت دلکش اور عجیب فسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب مصنف تماشا گاہ عالم وغیرہ ۲۷۵ صفحات رعایتی قیمت ۱۲

حیات حافظ - جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رح کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور انکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے عہ

کارِ روزگار اسلام - یعنی اسلامی تاریخی مضمون
...ی (انسائیکلوپیڈیا) دو جلدوں میں فی جلد عہ
...ارون - سوانح عمری ہارون رشید عظم مولفہ...
...لاح الدین - یعنی ابو المظفر الملک الناصر
...ان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس
سوانح عمری .... - ۸
...یات احمدیہ - مجلد ...
...ذیب الاخلاق - ہر سہ جلد قیمت ...
...محاربات / ...س جاپان - دو حصہ قیمت / فی حصہ ۱۲
...ہرا - ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید
...ادحید رصاحب بی اے ..... - ۸
...ت نور الدین ۸
...کار سعدی علیہ الرحمہ ۸
...عیات حالی - مولانا حالی کی رباعیات کا

یہ جدید ایڈیشن مسدس تقطیع پر چھپا ہے ہر صفحہ میں
دو رباعی درج ہیں قیمت ...... - ۳
دتما - یعنی گنگا بھگت اور انکی بچی ناول کے پیرایہ میں
ایک سچے واقعہ کا بیان قیمت ۶
قانون قدرت - جیسے سچ - جھوٹ - چوری - مکر
فریب وغیرہ وغیرہ کے عنوانات علیحدہ علیحدہ قائم کر
انکے تحت میں آیات قرآنی مع انکے سلیس ترجمہ کے
درج کی گئی ہیں کتاب اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر گروہ
کے لیے یکساں مفید ہے قیمت ...ر علاوہ محصول
جذبات بھاشا - بھاشا (ہندی) زبان کے ...
دلکش نازک تخیلات کا مجموعہ اردو زبان میں ایک بہتر
اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح
تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے دلگداز قلم سے قیمت
رعایتی ۸

المشتہر
مینیجر تمدن بک ایجنسی نیا گاؤں لکھنؤ

...ں کتابوں کے بیچا ...
...یار کو محصول ڈاک
...یس ویلو معاف

پانچ پانچ روپیہ کے سو خریدار فوراً مطلوب ہیں

یعنی تینوں کتابوں کا ویلو
مع جملہ اخراجات صرف
ہ۔ روپیہ میں بھیجا جائیگا

انتخاب اردوئے معلی — یعنی مرحوم رسالہ اردوئے معلی علیگڈھ کی گذشتہ دس
...وں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید
انتخاب مجلد قیمت عہ

(۲) مکتوبات امیر مینائی — یعنی منشی امیر احمد مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ مع
تصویر و سوانح عمری امیر و موازنہ داغ و امیر مجلد
۳۵۲ صفحے - مجلد ۸

...رۃ الشعراء حصہ اول مکمل — حجم آٹھ سو ... صفحے مرتبہ حسرت موہانی جس میں تذکرۂ شعرا
... و دیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان اسیر - شہیدی - تنہا - شیفتہ
...ر - آتش - غافل - ناسخ - ذوق - مومن - تسلیم - نسیم - رشک - حالی - بے نظیر - بست ...
...بادی و حسرت موہانی کے دو دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے - ان میں سے اکثر دیوان
...ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے - قیمت عہ
...شاہ طبع ثانی تک حسرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرۃ الشعرا مل سکتا ہے علیحدہ نہیں مل سکتا

المشتہر بیگم حسرت موہانی - دفتر اردوئے معلی علیگڈھ سٹی

ملنے کا پتہ دفتر تمدّن نیا گاؤں لکھنؤ

قابل دید کتب

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

حاولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید - سعادت - شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں ۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت عہ

اسلام بائی قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپکر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲ر ہے۔

ناول

آولیس - رومتہ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پُرتاثیر قصہ ہے - قیمت ۸ر

الٹوپیا - اس ناول میں سرٹامس مور نے ایک خیالی ملک اقوام کے نظم و نسق کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴ر

فرانسیسی معلمہ - یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی سید جلال الدین حیدر صاحب (بی-اے) صفحات ۱۵۵ اصل قیمت ۸ر رعایتی ۲ر

تماشاگاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب

اصل قیمت ۸ر رعایتی ۱۲ر صفحات ۸

نیرنگئ دہر - بیگم کے مصائب اور وفا شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام عبدالغفور صاحب صفحات ۱۳۲ - اصل قیمت

تاریخ

علماے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمٰن شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور علماے اسلام کے حالات درج ہیں اصل رعایتی آٹھ آنہ (۸ر)

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مسٹر آر سی دت کی بیمثل تاریخ سویلائزیشن کا اُردو ترجمہ رعایت قیمت عہ

تذکرۂ امیر - امیر عبدالرحمٰن خان صاحب سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب ۸ر رعایتی عہ

سفرنامہ یورپ بلاد روم و شام و مصر یعنی منشی ایڈیٹر سفرنامہ صفحات ۹۰۰ - اصل قیمت للعہ

تاریخ اودھ - نواب برہان الملک کے عہد سے واجد علیشاہ کی معزولی تک کے درج ہیں یہ مستند و نایاب کتاب تواریخ ہے اسکے مولف جناب نجم الغنی صاحب اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی ہیں اور تاریخ اودھ ان کا ایک کارنامہ اُردو کو بجا ناز ہے یہ تاریخ فرمانروایان کی پوری تصویریں دکھاتی ہے اور دوسرے سے کہیں بڑھی ہوئی - مکمل چار جلدوں رعایتی ہے علاوہ محصولڈاک -

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام۔ (ناول) حضرت نیاز کی معجزنما تحریر کا اعلےٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸؍

گودڑ کا لال۔ (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن و معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ جو پہلے سلسلہ وار اخبار تہذیب نسواں میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۴۲۲ قیمت ہر دو حصہ عہ؍

عالم خیال۔ (باتصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۶؍

آئینہ جنگ۔ موجودہ جنگ عظیم کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف ۴؍

السنۂ مشرقیہ۔ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت محنت و تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶؍

برکات سلطانی۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ والیٔ بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (باتصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶؍

شکوہ۔ ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱؍

عذر شکوہ۔ ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کا جواب قیمت ۲؍

جواب شکوہ۔ ڈاکٹر اقبال کے قلم سے شکوہ کا جواب قیمت ۲؍

جذبات مسلم۔ ۱۲۰ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت عہ رعایتی عہ؍

مسدس حالی۔ مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مدو جزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانح عمری حالی و حاشیہ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍

سلطنت برطانیہ کا مستقبل۔ یہ اسم بامسمیٰ کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴؍

شباب لکھنؤ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیے ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیے ہیں مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب بی اے قیمت عہ مجلد عہ

علوم طبعیہ کی تاریخ۔ علوم طبعیہ کی ان تمام ایجادات اور ایجادوں کی تشریح جو سات سو برس قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے مضامین کی فہرست

[illegible] کی دوا

[illegible] ہے یہ دوا لط میں [illegible] اسکو پانی کر دیتا ہے۔ درد، ماچ چاہیے جیسے چمک ہیں۔ کیوں [illegible] کی تکلیف ہوا اس دوا کے استعمال سے [illegible] نفع ہوتی ہے [illegible] اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے [illegible] صرف [illegible] دوا سے رفع ہو جاتا ہے [illegible] اس دوا سے فوراً آرام ہو جاتا ہے [illegible] ہیں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں [illegible] عیش و عشرت میں ہوا [illegible] اور [illegible] ہو جاتی ہیں اور ساتھ رستے درد سر [illegible] ڈاکٹر برمن کی دوا [illegible] دوا کے استعمال سے فوراً درد میں آرام ہوتا [illegible] ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے قیمت [illegible] ٹکیوں کی ایک شیشی [illegible] محصول ڈاک ایک سے [illegible] تک [illegible] ۔ (۶۲)

فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا اکتیس سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہیں اور ہر قسم کے علاج کر کے تنگ آ گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگا کر استعمال کریں اس میں چند خاص لاجواب ہیں پہلے یہ کہ [illegible] کر دیتی ہے دوسرے یہ کہ اس کی چار پانچ خوراک پینے ہی بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے [illegible] اور تلی کو گلا دیتی ہے قیمت شیشی کلاں [illegible] آنہ محصول چھ آنہ (۶) [illegible] قیمت [illegible] محصول ڈاک [illegible] شیشی تک (۶۲)

کھانسی کی دوا

یہ دوا چاہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے اسمیں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو ہٹانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھی کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی بتیس خوراک قیمت ایک روپیہ پیکنگ و محصول ڈاک چھ آنے دو شیشی تک ۸ چھوٹی شیشی سولہ خوراک قیمت ۸ پیکنگ و محصول ڈاک ۵ دو شیشی تک ۔ اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے مہاراجہ [illegible] پیٹنٹ پیسٹنٹ [illegible] لکھتے ہیں جناب من آپ کی معائنہ کردہ کھانسی کی دوا کے [illegible] ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہو گئی مجھے صرف سات خوراک سے زیادہ پینے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کھانسی کو اس دوا نے بہت جلد اثر دکھایا۔

[illegible]

[illegible] سے کھلی [illegible] لگانے سے ایک دم اچھا ہو جاتا ہے۔ [illegible] کی ڈبیہ ۴ محصول ڈاک ایک ڈبیہ سے [illegible] ڈبیہ تک پانچ آنہ [illegible] بارہ ڈبیہ تک چھ آنہ [illegible]

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں تو ان کو بجز بد قسمت اور کیا کہنا چاہیے۔

اکسیر حیات فی صد للعہ۔ جو کل امراض میں بموجب بدرقہ استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کہا بلکہ مثل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے۔ آزمائش شرط ہے کیونکہ اس میں جز اسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا۔ نربدا کنارے ملتی ہے۔ فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کردیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لیے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کرکے ملاحظہ کریں۔ مصفی۔ مولد خون۔ مبہی۔ پشتنی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض ناملیارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد خارش۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر لیشت۔ شکم محلل۔ اورام بدن دشمن اوجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال۔ احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا امراض معدہ۔ استسقاء۔ بواسیر ذیابیطس اطفال۔ قاطع سیلان رحم۔ حتباس النفاس وغیرہ اکسیر حافظہ۔ اکسیر ۲؍ خوراک عہ؍ طلبا سے نصف قیمت۔

المشتہر

اخفر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنو گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال پردہ پوسٹ امین آباد

نمبر ۲۲۶۴
جلد ۱۲ نمبر ۵ فروری ۱۹۱۶ء

تمدّن

فلسفۂ وقت بیکاری

نتواں زگفتگو بحقیقت رسید لیک — افسانۂ گوہر نایاب سفتنی ست

علمائے طبعیات کا مشہور مقولہ ہے کہ "خلا محال ہے" جس پر علاوہ براہین کے
مشاہدہ کی شہادت بھی گذر چکی ہے۔ اور ثبوت میں یہ مثال عموماً استعمال کیجاتی
ہے کہ ایک برتن لے کر پانی پر اوندھا دو پانی اُس میں نہ داخل ہوگا تا وقتیکہ
اُس کی ہوا نکل نہ جائے لہٰذا تمھیں ہوا کے نکلنے کا راستہ دینا ہوگا۔ اس کے
استبعاد پر قدما و متاخرین کے اسلوب استدلال میں اختلاف ہے ورنہ درحقیقت
ایک ہی نغمہ ہے جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا ہے۔ کارخانۂ مادیات میں
اُس کی جانچ پڑتال اکثر ہوتی رہی۔ بعینہ یہی حالت معنویات کی بھی ہے یعنی
معنوی ظرف (فکر یا عقل) کا خلا بھی عنصر خیال سے محال ہے۔ عنقائے تصور
(یا قوت متخیلہ) کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ تخیلات کے پروں مصروف پرواز
نہ رہتا ہو البتہ انتقال ذہنی خیالات میں تنوع پیدا کرتا رہتا ہے۔ ان خیالات
کے سلسلہ کی کڑی ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتی ہے چنانچہ اس سیدھے سے

موڑ کر شدید خیال کو اگر تم دوسری طرف متوجہ کرو تو آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اس وقت تم ضابطۂ فطرت سے انحراف کرو گے۔ البتہ اسی خط مستقیم پر چلنے سے تمھارے اندیشۂ فکر کے نتائج بتدریج ظاہر ہوں گے۔

جب یہ تمھیں معلوم ہو گیا کہ دماغ خیالات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا تو کوشش اس امر کی ہونی چاہیے کہ دماغ میں ہمیشہ پاکیزہ خیالات نیچرل جذبات کو جگہ دی جائے بے شغلی کے وقت انسانی وحیوانی جذبات میں مقابلہ کی ٹھہر جاتی ہے اُن میں سے کوئی غالب آتا ہے پھر وہی ملکۂ غالب ایک خیالی واعظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے ترقی کی روحانی یا مادی تلقینات کا وعظ کہتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان دونوں درجوں میں سے کسی پر پہنچ جاتا ہے یعنی عالم ترقی میں یا تو صدیق کا معزز و گرامی خطاب حاصل کرتا ہے یا زندیق کہلاتا ہے اور درحقیقت یہی معرکۂ خیال کی کامیابی اُس کے سرِ استقبال (آئندہ زندگی) پر تاج سعادت رکھتی ہے جس میں شہرت نیکنامی اور روشن ضمیری کے آبدار موتی ٹنکے ہوتے ہیں لہٰذا حکیمانہ روش یہ سکھلاتی ہے کہ انجمن بے شغلی کے ممبر اگر عقل سلیم کو اپنا صدر انجمن بنا لیا کریں تو ان کو اپنے مفاد کی عمدہ تدابیر کے انتخاب میں اس سے بہت بڑی بیش بہا مدد ملے۔ اور بیکاری میں جن خطرات کا اندیشہ رہا کرتا ہے اُن سے اطمینان حاصل ہو جائے۔

تم نہیں دیکھتے کہ بیدار مغز مدبرین نے یہ اصول قائم کر دیا ہے کہ جب ملک امن و امان کے ہلکے ہلکے پینگ لے رہا ہوتا ہے تو فوج کی پلٹنوں کو دوسرے غیر ضروری امور میں پھنسا دیتے ہیں تاکہ بیکاری میں اُن کی سرگرمی کی روح بدامنی کا قالب نہ اختیار کر سکے اسی طرح روشن ضمیر پیشوایان قوم یا مذہب اپنے اتباع کی علمی و عملی رفتار کے لیے نئی نئی سڑکوں کی داغ بیل ڈالتے رہتے ہیں

کہ کہیں اُن کا قدم زمانہ کے نشیب و فراز میں نہ پڑ جائے - اور قلوب کجروی سے ملوث نہ ہو جائیں پس یہی احتیاط ہر فرد بشر کو بذات خود کرنی چاہیے کہ کسی مفید مشغلہ سے اپنا وقت خالی نہ رکھے - ورنہ اُس کی جگہ افعال شنیعہ لے لیں گے - ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سبق احتیاط کار ہماری انسان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے بلکہ بیکاری کے چند گھنٹوں یا منٹوں اسے نصب العین رکھ کر دیکھیے اگر آپ کا دل و دماغ اُسکے لطیف ذائقہ کا لذت آشنا نہ ہو جائے تو سہی، آگے چل کر ہم آپ کو چند اُن برگزیدہ اور اولوالعزم مشاہیر سے ملائیں گے جن کے مہتم بالشان کارنامے اُن کو دنیا میں مایہ الامتیاز بنائے ہوئے ہیں چشم کمال اُن کی اکملیت پر نظر نہیں اُٹھا سکتی اور چشم قبول اُن کے تذکروں سے نظر نہیں ہٹا سکتی -

میرے دوستو، اس موقع پر تمہیں یہ غلط فہمی ہو رہی ہے گی کہ میں تمہاری راحت کی چند گھڑیوں میں بھی مخل ہونا چاہتا ہوں جس میں دم لینا حفظان صحت کے لیے لازم ہے مگر درحقیقت یہ تمہاری ہمطلائی غلطی ہے آرام و آسائش جس کا تم نے نام رکھ لیا ہے - وہ آرام نہیں تم یا تو اُسکو آرام سمجھتے ہو کہ کام کر کے انسان پلنگ یا آرام کرسی پر لیٹ جائے اور جسم کو ساکن مطلق بنا دے یا یہ کہ کسی لہو لعب میں مشغول ہو جائے لیکن متذکرہ بالا اصول بطلان خلاء کے مطابق ہر دو صورت میں تمہارے کارخانۂ فکر کے کل پرزے ساکن نہیں رہ سکتے بمصداق اس قول کے کہ ذہن خلاف ہے پہلی صورت میں

تمدن میں تصویر

تمدن میں تصویر شایع کرنے کے انتظام کو استقلال بخشنا ناظرین تمدن کی توسیع اشاعت کی کوشش پر منحصر ہے - منیجر

تمہارا شہباز فکر میدان تخیل میں منڈلاتا پھرے گا اور دوسری صورت میں تمہیں یاران
قدح خوار کے جمگھٹے شاعری کی بھری محفل یا بساطِ شطرنج وگنجفہ پر لا بٹھائے گا۔ یا اور
مزخرفات میں مبتلا کر دے گا۔ الغرض راحت کی تعبیر سکون مطلق سے کسی طرح ٹھیک
نہ ہوگی بلکہ راحت کا اصلی ذائقہ انتقال ذہنی تنوع خیالات اور تبدیل کار سے
حاصل ہوتا ہے ایک مزدور جس نے دن بھر بیٹھے بیٹھے کام کیا ہے وہ اگر ہاتھ روک کر
بیٹھ جائے اور تصویر خموشی بن جائے تو ہرگز اُسے آرام نہ ملے گا بلکہ اگر وہ کام سے
فارغ ہو کر ٹہلنا شروع کر دے۔ تو یہ چہل قدمی اُسکے لیے اچھی خاصی تفریح کا کام
دے گی دیکھو وہ تاجر سارا دن اپنا تجارتی کاروبار کرتا رہا آخر وقت جبکہ تھوڑا
کام رہ گیا تھا اُس کو نشستم پشستم ختم کر کے کس بیچینی سے اُس نے اخبار اُٹھا لیا
ابھی اُسے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے عرصہ (?) نہیں گذرا لیکن اُسکا چہرہ کس قدر
ہشاش بشاش معلوم ہوتا ہے چہرہ پر تھکن کے آثار بالکل نہیں گویا وہ تھکا ہی تھا

ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے نکات (?) حل کرتے کرتے یہ وقت آیا ہے۔ اُسکے
پیچیدہ مسائل سے ایک نشست میں چار گھنٹہ کا سابقہ رہا جو اس منتشر چہرہ پُرشکن
اور طبیعت سخت بیچین ہو رہی تھی بابو نے آتے ہی ٹرکی کے جدید انقلاب کی
خبر دی، خوشی میں آکر کاغذات ہاتھ سے ڈال دیے اور تفصیل واقعات کی
فرمائش کی، الغرض دو چار منٹوں سے زیادہ سلسلۂ گفتگو طویل نہ ہوا تھا کہ
ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر خون کی سرخی جھلکنے لگی پژمردگی و اضمحلال جس کے
آثار چہرہ پر نمایاں رہتے ہوا ہوگئے دیکھو اب چہرہ کیسا چاق ہے۔ قصہ مختصر۔
لگاتار کام کرتے کرتے جو تھکن یا کسل دل و دماغ یا جوارح پر طاری ہو جاتا ہے
اُسکا بہترین علاج اور نفع بخش نسخہ انتقال فکر و تبدیل کار ہے یہاں سے ہٹکر
دوسری صورتوں میں انسان کے طبعی میلان کا مطالعہ کرو۔ فطرت انسانی کا

اقتضا ہے کہ ایک حالت پر جب انسان کا کچھ دنوں قیام ہو جاتا ہے تو طبیعت کا تقاضا شدید ہوتا ہے کہ اس مارِ راکد میں تحرک پیدا ہو خواہ موجودہ حالت عیش و عشرت کا جام لبریز ہی کیوں نہ ہو جو بہ جد و جہد بلیغ کے حاصل ہوئی ہو۔

ایک مفلس بے نوا جس نے اپنی زندگی میں ایک وقت بھی چین سے سیر ہو کر روٹی نہ کھائی ہو جامہ بے تار کے سوا مضبوط کپڑا تن ڈھانکنے کو نہ پایا ہو اور پتھریلی زمین کے سوا نرم بستر جس نے خواب میں نہ دیکھا ہو خداوند کریم اسے اپنی حکمت بالغہ سے عیش و عشرت مال و منال کا ست لڑا ہار پہنا دے رفیع الشان ایوان اُس کی خوابگاہ قرار پائیں۔ ستر ہزار نعمتیں اسکے دسترخوان کرم پر چُنی جانے لگیں کمخواب اور زربفت کے جوڑے روز بدلنے لگے۔ کچھ دنوں بعد انہیں لیل و نہار و عیش بہم کی وقعت اُسکی نگاہ میں اپنی اگلی سادہ و غریب معاشرت سے زیادہ نہ ہوگی' اور وہ اپنے جدید اعلےٰ و ارفع حوصلوں اور ارمانوں کے مطابق انقلاب اور آرائش زندگی کا طلبگار ہوگا' ناظرین وہی پہیلی ہم پھر کہتے ہیں جسے ہم ابھی اوپر سمجھا چکے ہیں۔ مگر سُن لیجیے۔ درحقیقت یہ سب اُسی فطرتی جدّت طلبی کا کیا دھرا ہے جس سے معاشرت میں گوناگونیت کی چاٹ ہوتی ہے اور فائز المرامی کی ایک غیر مترقبہ شاندار حالت پر بھی متواتر عرصہ تک قیام اُسکے لیے سخت موجب اُکتا ہی ہوتا ہے۔ اس سے بآسانی نتیجہ نکل آتا ہے کہ فطرت انسانی انقلاب پسند ہے جو اپنے دسترخوان عمل کے لیے ہر وقت نئی چاشنی کی متلاشی رہتی ہے جسے تبدیل ذائقہ تفریح و توانائی بخشتا رہتا ہے' اور جس سے عملی و دماغی قویٰ میں فکر و عمل کی تازہ روح دوڑ سکتی ہے۔

خلاصہ کلام جب یہ امر مسلمہ ٹھہرا کہ بجائے تفریح اعضا سے انقطاع حرکت اعضا کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسلوب حرکت کو بدل دینا اسکی حقیقی تفریح ہو سکتی ہے

اب فیصلہ طلب امر یہ رہا کہ جس وقت انسان اپنے وہ معمولی فرائض منصبی انجام دے دیتا ہے جن کے بعد تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آیا یہ تفریحی گھنٹے (جن کو محض تفنن طبعی میں گذارنے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں) تو اشغال تفریحی میں گذارنے مستحسن ہیں یا کسی نتیجہ خیز مشغلہ میں؟ اس خاص بحث میں تجربہ وعقل ہم آہنگ ہو کر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ غیر منتج امور میں اس وقت کو کھو دینا محض بنظر عدم افادہ ہی غیر مستحسن نہیں بلکہ یہ مشاغل تفریح مزید براں اُس نظر سے بھی قابل اجتناب ہیں کہ روز بروز ان میں انہماک اور رجحانِ طبیعت رُو بہ ترقی ہوتا ہے جو کسی نہ کسی دن ایک لقمہ۔ پاکباز اور بےنفس انسان کو افعال شنیعہ کے ارتکاب کے لیے تیار کر دیتے ہیں کیونکہ یہ متعدد جرأتیں اُسکے ملکۂ اجتناب اور اخلاقی رُعب[1] کا استیصال کر ڈالتی ہیں جس سے انسان اپنی اخلاقی وادبی حکمت عملیوں سے بے بہرہ ہو جاتا ہے جس کے بعد انسان کا

[1] درحقیقت ایسے گرے گذرے ہوؤں سے ہمیں پوری پوری ہمدردی ہے اور یہ ہمدردی اُن کے حق میں سودمند جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی عادت نہیں بلکہ عادت مستمرہ کو جسکے رنگ میں اُنکی طبیعت ڈوبی ہوئی ہے۔ بدلیں۔ جس میں وہ آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ کامیاب ہوتے دیکھا نہیں اس میں اُن بھولے بھالے نوابوں کی حالت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے جو خاطر احباب اور زبان خلق کی مروت سے بادہ فروشوں۔ اور ارباب نشاط کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور رہتے ہیں اُنھیں یہ کھٹکا ہوتا ہے کہ ادھر ہم نے ان مشاغل ... سے لیت ولعل کی اور شیرازۂ احباب پراگندہ ہوا، یا لوگ بخل کا الزام دھریں گے اس میں شک نہیں کہ جب تک وہ حد سے متجاوز نہیں ہوتے بُرائی کو دل سے بُرا سمجھتے ہیں لیکن بہت جلد وہ ایسے از خود رفتہ اور "مستانہ باش تا غم تو دیگراں خورند" کے مصداق بنا دئے جاتے ہیں کہ رام رنگی کے سوا دنیا وما فیہا سے اُنہیں سروکار نہیں رہتا یا دولت کی دولت سے دل غنی گرہ مضبوط ہوتی ہے کوئی ہنر یا پیشہ سیکھنا

ستارۂ فلاح و اقبال اوج سے مائل بحضیض ہو جاتا ہے بخلاف اس کے اسیوقت کو کسی شے کے اکتساب کی نذر کرنے سے اسی سے حقیقی نتائج پیدا ہوتے ہیں اگر آج تم اُس شخص کے رُوئداد جرائم کی جانچ کرو جس پر دربار اخلاق میں بڑی سی بڑی فرد قسمرار داد جرم قائم کی گئی ہو تو عنوان مقدمہ یہی ہوگا کہ اُس نے اوقات تفریح میں کبھی کبھی بیکاری سے شغل کیا ہے لیکن ڈارونی دربار سے جسے نہایت اعزازی تمغۂ ارتقا ملا ہو گا اُسکے تمام کارناموں کا دیباچۂ زریں اوقات تفریح میں اکتسابی مشغلہ ٹھہرے گا۔ ع اے بادصبا این ہمہ آوردۂ تست۔

تاریخ کے جلو خانے میں جا کر دیکھو کچھ بیدار مغز عالی حوصلہ لوگ نظر آئیں گے اُن کی نشو و نما کا اوائل پھٹے حالوں میں بسر ہوا، لیکن عقل سلیم نے ابتدا سے اُن کی رہبری کی، جس کے سامنے دل کی اُمنگوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور آخر کار ترقی و اولوالعزمی کے آسمان چہارم پر چودھویں کا چاند بن کر چمکے، وہ جن کے

(حاشیہ بسلسلۂ صفحہ ماسبق) عیب جانتے ہیں سیکھیں تو سہی مگر وہ لوگ سیکھنے بھی دیں، لیکن گنج قارون بھی تو ایسے دست مُسرف کے لیے کفایت نہ کر سکے، الغرض جب تک دولت کا چھتہ چھوٹا رہا سب یار و احباب چاروں طرف سے گھیرے رہے دفعتہً فقر کا ہاتھ برامد ہوا اور گھسیٹ کر انھیں شاہراہ عام پر لا کر کھڑا کیا اور اُن کی عمر یہی کہتے کہتے تمام ہوئی۔ اکبرالہ آبادی ع

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جھمگھٹے ۔۔۔ مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے

کثرت سے صرف زر بھی ہوا صرف نقد بھی ۔۔۔ لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے

لیکن جب اُسکے اسباب و علل پر آپ نظر ڈالیں گے تو ابتدا تو یہ شخص آپ کو تفریحاً محفل سرور میں جاتا ہوا ملے گا سوچو، اگر بجائے اُسکے اخلاقی علمی یا سائنٹفک سوسائٹیوں میں یہ حصہ لیتا تو "بیک کرشمہ دوکار" کی معجز نمائیوں کے جلوے دیکھ لیتا جو ذرہ کو آفتاب بنا دیتے ہیں جس کا ایک سین تمھیں بھی دکھلایا جائے گا۔

نام کا خطبہ ایجاد و اختراع کے ممبر پر پڑھا جاتا ہے۔ ہم بنظر سہولت اُن کا نام و نشان اور اُن کے متعلق کچھ مفید معلومات ذیل کے نقشہ میں دکھلاتے ہیں۔

نمبر شمار	نام	اصلی پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱	گریٹ رٹشرڈ	حجام	پیشہ کی دوا دوش اور اندیشہ معاش سے چھٹکارا حاصل کرتا اور ایجاد و اختراع کی اُدھیڑبن میں لگ جاتا تھا۔	روئی کے مفید استعمال کا سب سے پہلا سراغ لگانے والا اور سوت کاتنے کے آلہ کا موجد
۲	ٹنٹرڈن		قانونی مشغلہ اسکے نکات پر غور و خوض مفید معلومات کا اضافہ قانونی کتب کا مطالعہ اُسکے نظام اوقات کا عنصر اعظم تھا باوجود کم سنی کے قانونی حافظہ کو وسیع کرتا تھا۔	معاملہ فہمی و قانونی دستگاہ کا شہرہ ایسا ہوا کہ قاضی القضاۃ بنایا گیا۔
۳	ایڈورڈس	معمار	کبھی پنسل (آلات تحریر) ہاتھ میں ہوتی اور کتاب جیب میں ایک منٹ کا بھی موقع ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا پیشہ کی مناسبت سے اُسکا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا۔	مشہور مہندس و ریاضی داں گذرا ہے
۴	ٹلفرڈ	"	"	"
۵	بن جانسن	"	"	"
۶	یوحنا ہنٹر	نجار	ایک معمولی درجہ کا آدمی تھا علمی جد و جہد کے ساتھ استقلال سے مشورہ لیتے لیتے کچھ کا کچھ ہو گیا۔	مشہور و معروف فن فزیالوجی کا ماہر گذرا ہے۔
۷	ہرلیسن	نجار		کرانومیٹر کا موجد۔
۸	ٹرنر	•	پختگی عزم، کوشش کی بدولت بڑھا	فن تصویر کشی میں

			وقت کی نگرانی نہایت ہوشیاری سے کرتا کچھ نہ ملتا تو زمین پر گل بوٹے دستکاری کے اعلیٰ نمونے بنا مارہتا کاغذ وغیرہ پر جب اُسکی نقل اُتارتا تو دیکھنے والے ششدر وحیران رہ جاتے۔	پر طولیٰ رکھتا تھا جذبات کیفیات کو ہاتھ سے دکھلانا اُسی کا کام تھا غیبی تعلیم بے سیکھے ... کے ساتھ کرتی ہے یا از خود مطالعہ نے اُسکے ساتھ کی۔
۹	سر کلوسکی شوکل	زراعت پیشہ	فن سپہ گری کی مشق کرتا دریائی مشاغل میں بہت دلچسپی لیتا اور پھر کسانی کے فرائض بھی انجام دیتا لیکن جس نے آسمان عروج پر چمکایا وہ وہی مشاغل اوقات بیکاری تھے۔	بہت بڑا دلیر وجانباز امیر البحر گذرا ہے۔
۱۰	ڈاکٹر الفنسٹن		جذبات کی تصویر الفاظ میں اُتارا کرتا	بیکاری کی مشق سے ایسا بڑھا کہ ملک الشعرا کا خطاب دربار شاعری سے حاصل کیا
۱۱	ولنسن		طیور سے اُسے خاص دلچسپی تھی رنگ برنگ کے طیور پالتا تھا۔	اس سرسری دلچسپی نے یہ تحقیقات کیں کہ اس فن کا واعد معلم تسلیم کیا گیا۔

یہ چند[1] وہ مغربی ہیرو ہیں جن کے کمال و شہرت کا دیباچہ زریں یہ ہے کہ اپنا وقت عزیز اُنھوں نے زر و جواہر کی طرح سمجھ بوجھ کر صرف کیا تھا جس کے بدلے خود جواہر ریزہ بن گئے لیکن ذیل کی فہرست میں ہم چند اولوالعزم عالی حوصلہ اسباب قلم کے نام درج کرتے ہیں۔

[1] ان مغربی مثالوں سے تمھیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ مشرق ایسے نمونے پیش کرنے سے عاجز ہے بلکہ جو طبعی موانست مغربی دنیات ہو گئی ہے اُس نے اُن مثالوں کے پیش کرنے کی سفارش کی ورنہ یہ واقعہ ہے کہ آسمان کمال پر مشرقی بھی باکمال مہروماہ بن کر چمکے ہیں

آسمان ریزہ کردہ آفتابش کردہ نام ۔ لعل از آو دہ گوشِ شب بیداے من

جنھوں نے نام آوری وشہرت کا سبق چل پھر کر لیا ہے نقشہ نمبرا میں جن کے نام درج ہیں اُنھیں خیر سے زیادہ نہ سہی تو وہی گھڑیاں خاطر جمعی کی مل جاتی تھیں جنھیں خلوت میں بیٹھکر فکر آیندہ کی نذر کرتے تھے بخلاف اسکے ہمارے ذمقوی الارادہ ہیرو جن کے نام نقشۂ نمبر۲ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے ناساعدت ایام نے کبھی اُنھیں ایک جگہ کھڑے ہوکر دو حرف نہ پڑھنے دیے بلکہ رستہ کی ٹھوکریں کھا کھا کر اُنھوں نے اپنے علمی حدود وسیع کیے جن سے آگے چل کر خراج شفقت وصول کیا، آفریں صد آفریں! اُن کی اُن سخت سی سخت مشقتوں اور دل توڑ کوششوں پر جن کی عدیم الفرصتی کے کارنامہ دیکھکر پڑھنے سے بڑا جفاکش ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور اُس کے خیال میں اُن کی وقعت دو بالا ہو جاتی ہے۔

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل
۱	ڈاکٹر ماسن گڈ	اثنا راہ آمد و رفت بغرض معائنہ مرضا	
۲	ڈاکٹر ڈارون	"	اُسکے پاس تقسیم اوقات میں تصنیف و تالیف کے لیے بجز اسوقت کے کوئی وقت نہ تھا چنانچہ اسکی بیشتر تالیفات اسی وقت مشقت کی ہیں۔
۳	ڈاکٹر برنی	موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے جاتا تھا اور چند شاگردوں کے یہاں قلیل عرصۂ آمد و رفت میں۔	فرنچ اور اٹالین زبانیں سیکھیں اور اُن پر عبور حاصل کیا۔
۴	کرک ہوایٹ	عدالت کے کام سے فراغت حاصل کرکے۔	یونانی زبان لے کر اُسمیں مہارت تام حاصل کی۔
۵	ڈاکٹر سو[illegible]	اوقات طعام میں لقمہ چباتے وقت	کھانوں کے اقسام پخت وغیرہ کے طریقے

			اور اُنکے متعلق لطیف و لذیذ معلومات ایک ضخیم جلد میں نہایت شرح وبسط سے دکھلائی ہیں جو بذات خود خوان پُر الوان ہے اُس شخص کی خوش مذاقی و ذکاوت قابل داد ہے کیونکہ وقت تصنیف اور موضوع تصنیف میں اُس نے کیسا دلچسپ تناسب پیدا کر دیا ہے
۶	مڈام دی جنلی	ایک معزز لیڈی کو پڑھانے جایا کرتا تھا اُسکے کاشانۂ عظمت پر پہنچکر اوقات انتظار بجائے انتظار کے ترتیب خیالات میں گذارتا۔	اس کی چند مبسوط تالیفات اسی وقت کی زیور ترتیب سے مرصع ہوئیں۔
۷	یو برٹ	ہمیشہ آہنگری کرتا تھا جب سودے کی خرید و فروخت کے لیے گھر سے نکلتا اپنے شوق کا سودا گھر سے ہی خرید لیتا۔	اس اولوالعزم آہنگر نے ۳۸ زبانیں (جدید و قدیم) حاصل کیں جن میں سے ہر زبان میں کافی مشق رکھتا تھا۔

ایک نوخیز تجربہ و عقل کا انسان ان فرق عادات سے انکار کر بیٹھے گا لیکن اُسکے مقابل ان روایتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

(۱) لحظات کے تواتر سے گھنٹے اور گھنٹوں کے تواتر سے ایام بنتے ہیں بڑے بڑے سر بفلک پہاڑوں کی ترکیب ایسے ذرات سے ہے جو بغیر آلۂ مکرسکوپ نظر نہیں آ سکتے۔

(۲) اور یہ عظمت و بلندی اُنھیں تدریجاً حاصل ہوتی ہے جس کا احساس نہیں ہوتا پس جو لوگ وقت فرصت کو قیمتی سمجھکر حسب قرارداد سابق اُس سے سبق لیتے ہیں

اُن کے استقبال میں ایک عجیب شان بے نیازی و دلکشی پیدا ہو کر اُنھیں وہ جوہر ذات ودیعت کرتی ہے جو بذات خود اُن کو پارس بنا دیتی ہے ان نایاب اور خوشنما اصول نے محض ناداروں اور مفلسوں ہی پر اعجاز مسیحائی نہیں دکھلایا بلکہ اعلےٰ فرائض انجام دینے والے ارباب نظر کو بھی اُس نے اپنا مفتوں بنایا جس کے بعد اُنھیں اُن مناصب سے علٰحدہ ہو کے بھی معراج ارتقا نصیب ہوئی اُس سے زیادہ عیش اُٹھائے اور باکمالوں کے زمرہ میں گنے گئے اور جنھوں نے موجودہ خوشحالی پر اعتماد کیا ترقی کا پیچھا نہ کیا۔ وہ سر بقدم ہو گئے۔

الغرض مضمون بالا سے ان مسائل پر پوری روشنی پڑتی ہے کہ ہم اپنی سخت سے سخت مصروفیت کے زمانہ میں بھی کسی مفید مشغلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ دماغی تفریح کا کام بھی تمھیں کسی ہنر باکمال سے لینا چاہیے جسکی خلاف ورزی میں بہت سے قبائح اور اُس پر کاربند ہونے میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

ہم کسی کام کی طرف جھکیں تو ہمیں عزم وارادہ سے مدد مانگنی چاہیے جس کے ساتھ مزاولت شرط ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

چہرہ کیسے [illegible] افشانی رفتار رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

جواد علی خاں عالی

سودائے خام

(۱)

نصیر کے لیے "باغ عام" کے چکر ایسے بیکار تو ثابت ہوئے نہیں کہ جیسا کچھ لوگ وہ سمجھا تھا۔ آخر اسکی قسمت ایک برق جگر سوز سے ٹکرائی۔ ایسی ٹکرائی کہ جنوں روز افزوں ترقی پر رہا۔ چوبیس گھنٹے باغ عام کی بادیہ پیمائی میں وقف رہنے لگے لیکن شرف تکلم کی عزت حاصل کرنے میں اسکی قسمت نے تائید نہیں کی۔ البتہ دور ہی سے اپنے دیدۂ دیدار طلب کی تمنا پوری کر لیا کرتا تھا۔ اور اپنے دل کو آیندہ کامیابی کے بھروسے ہمیشہ دھوکا دیتا رہا۔ اسکول کا جانا یا تو والدین کے خوف سے یا اپنے اُن اغراض کے صدقے میں کہ جن میں کسی کافرہ کے دید کی دلی خواہش مزید پوشیدہ تھی باقی رہا۔

دن میں سوٹ۔ متواتر اوقات سے گرگٹ کے رنگ کی طرح اس خبط میں کہ شاید یہی کسی کے پسند خاطر ہو اور عجب نہیں کہ اپنے داعیات دلی دیوانہ سری کو لبیک کہے۔ بدلا کرتا لیکن اسکا سوٹ ہمیشہ انگریزی کٹ کا ہوتا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا کہ جیسا کوئی دہقانی طرز معاشرت سے یہ متمدن زندگی سے۔

مجنون الفت یا گرفتار محبت بیچارہ نصیر مجبور تھا۔ اگر اسکے بس کا ہوتا تو وہ باغ عام ہی کے کسی گوشہ میں کوئی جھونپڑا اپنی رہائش کے لیے تیار ہی کر لیتا۔

ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اس کا جواب دہ ذمہ دار نصیر ہے۔ کہ وہ ہمیشہ ہر روز گھنٹوں۔ پہلی ہی جگہ سے سرگرم تکلم رہا کرتا ہے۔ اور اس قتالۂ عالم اس پتلۂ حسن و وفا نے اس کو کچھ امید افزا امیدیں بندھائیں۔ وہ تمنائیں دلائی ہیں۔ اور یہ امیدیں آنیوالی لائف کا مسرت خیز دیباچہ۔ متاہلانہ زندگی کا پیش خیمہ ہیں جس سے یہ دونوں ایکٹر ہیں اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ پُر لطف ڈراما اپنے مخصوص دوستوں کو کبھی نہ کبھی دکھلائے گا۔

لیکن جہاں تک غور کرتے ہیں اُس کے چہرہ سے ایک محرومیت - ایک مایوسی ہمیشہ دکھلائی دیتی ہے جس کو وہ افکارات کی وجہ بتا کر خیالات کو باطل کرنے میں کوشش بلیغ کرتا ہے۔

بیمار - غیر شفا، بیماری میں مبتلا بیمار - غریب نصیر دھوکہ میں ہے اور اپنے دل کو دھوکہ دے رہا ہے - سراب سے پانی کی امید نمک سے مرہم کی توقع - خیال خام آرزوے یاس آمیز - اس لیے کہ یہ قوس قزح کی پریاں - ریشمی ساڑیوں کی پوٹ - سوسائٹی کے درخشندہ ستارے اپنی برق تبسم کو نصیر جیسے بدبخت - بے بضاعت - فریب خوردہ پر کیوں صرف کرنے چلیں کیونکہ وہ اپنے اداے دلربایانہ سے ایک عالم کو قتل کرتی - حالت مذبوحانہ میں چھوڑتی رہیں لیکن مقتول تیغ ادا کو پلٹ کر دیکھنے میں - اپنی سخت توہین خیال کرتی ہیں - اگر ایسا نہ کریں توازن کی کائنات ہی بدل جائے - اس لیے کہ وہ تابع نیچر ہیں - منشاء نیچر بھی یہی ہے کیونکہ انداز تغافل منت کش رحم و ہمدردی کبھی ہوا ہی نہیں -

لیکن نصیر - باغ عالم کی گردشیں کرنے والا نصیر - بغل لیلے کی ہر شئے میں زیارت کرنے کا عادی نصیر اس فلسفہ کے سمجھنے میں ہمیشہ قاصر ہی رہا - اور اسی دریوزہ گری - اسی دیوانہ سری کو مدعاے کامیابی سمجھ کر یہی سمجھتا رہا کہ عجب نہیں کسی کے دائمی عیش و آرام کا ضامن و کفیل ٹھہرے اس میں شک نہیں - یہ ہوتا بھی آیا ہے - دل کو دل سے راہ ہوتی ہے - لیکن ایسا دل جو سرشتِ نیاز سے بالکل ناآشنا ہو جس پر آفتاب محبت نے ضیا فشانی کی نہو - جو جانتا ہی نہیں کہ محبت کیا شے ہے اس عکس کو کیونکر قبول کر سکتا ہے اور اپنے دل کو انوار محبت سے منور بنا سکتا ہے -

(۲)

انسانی دستکاریوں و دماغی صنعت آفرینیوں نے جہانتک جسقدر ممکن تھا - باغ عالم کو اچھا خاصہ - روح پرور - مسرت افزا - دلفریب مرقع - بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی جس پر نیچر کی صناعیوں کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ اس نیچر فزا نظارہ نے نصیر پر اُلٹا اثر کیا - اور اُس کا سوداے خام بجاے کم ہونے کے اور بڑھا - اتنا بڑھا کہ

وہ انتہائی حد تک پہنچ چکا۔ آخر وہ زلف گرہ گیر کا اسیر کہلانے لگا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو اُس سے بہت کچھ متمتع ہوتا اور دایۂ نیچر کے اُن دلفریب۔ دلربا۔ عارضی کھلونوں پر اسقدر فریفتہ نہوتا کہ آخر زندگی کبھی کبھی اجیرن دکھائی دیتی! ایک انتہائے محویت۔ ایک عالم استغراق میں وہ دیوانہ وار گردشیں بے سود بیکار گردشیں صبح و شام کرتا۔ آہ کتنے ہونہار نوجوان ہونگے! جو اپنے دماغ۔ اپنے دل۔ اپنے عزیز اوقات کو نذر لہو لعب کرتے ہوں! پھر بیچارے نصیر کا قصور آخر وہ بھی تو اُسی سوسائٹی۔ اُسی خون و پوست کا بنا ہوا ہے۔ کہ جس سانچہ میں دوسری کافور کی مورتیں ڈھلی ہیں!

(۳)

نصیحت کیا شے ہے۔ آئندہ ترقی و کامیابی۔ گو بجز محبت و الفت کے نہ جاننے والے نصیر نے کبھی کان دھر کر سنا نہیں۔ آخر سیکل کے ٹائروں نے مدت کی رفاقت سے منہ موڑ لیا کہ یہ کٹھن منزل اب تو ہم سے کاٹے نہیں کٹتی۔ یہ دوسری مصیبت تھی جو جان ناتواں پر آ پڑی۔ کیونکہ پیادہ روی کی زحمت تلاش یار میں کار صعب تھی۔ گرنا ہی کیا ٹائروں کی مرمت کی لیکن اُن کا وہ بچّا نکلا کہ اپنی حاضری میں کبھی فرق آنے نہ دیا۔

(۴)

زمانہ پر لگائے اُڑا جا رہا ہے۔ انقلاب دہر اٹل ہے لیکن آہوے رم خوردہ رام نہیں ہوا۔ اس لیے کہ غنچہ نیم شگفتہ پر ابھی عندلیب شیدائی حق زمزمہ سرائی رکھتے تھے اور وہ ترنم ریز تھے۔ مجبور لاچار نصیر کی صدائے یاس کا شانۂ ناز تک کس طرح بار پا سکتی اور وہ اپنا رنگ کیونکر جما تی۔ وہ اپنے آلام عاشقانہ نہایت بے لفظوں میں بیان کرتا۔ اور ہمدردی کا طالب ہوتا۔ وہ زندگی کو سرور محویت۔ عالم بیخودی میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس ریشمی گون کے ایک پُر نزاکت سرسراہٹ پر اپنی زندگی عزیز کی قربانی چڑھانے کو آمادہ ہے خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ ورنہ اس میں شک نہیں کہ وہ دیوانوں کی طرح دریا پر جبہ سائی کے لیے تیار۔ سوسائٹی مہذب سوسائٹی نصیر کے لیے پُر عذاب سوسائٹی۔ اس طرح کی علانیہ خدمت گزاری کو کیونکر جائز سمجھتی۔ اسلیے اس نے بھی نظر ہی نظر حالانکہ یہ سب کچھ دیکھنا۔ کہ یاس و ناامیدی کے بادل اُمنڈ رہے ہیں حسرت و مایوسی کا طوفان اُٹھ رہا ہے لیکن پھر بھی نصیر کی آنکھیں آفتاب وصال کی آٹھوں پہر منتظر! تھکن۔ گردش

پامالی کو ڈکشنری میں کبھی نہ دیکھنے والے نصیر نے اس کی پرواہ نہیں کی اپنی سعی لاحاصل کار بے سود میں برابر جاری رکھی۔

(۵)

نصیر کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ اب وہ کسی قدر جھک رہا ہے مگر منزل مقصود کا ہنوز پتہ نہ تھا۔ وہ نہایت غمگین ہوتا جب کسی اور پر اس غارت گر صبر و ایمان کی نظر اٹھتی۔ اگرچہ وہ صورت شکل میں اچھا نہیں تو برا بھی نہ تھا۔ والدین نے جس ناز و نعم سے پالا اسکی قدر شاید اس کا دل ہی کرتا ہو تو کرتا ہو۔ مگر بظاہر وہ اس سے ضرور انحماض کر رہا ہے۔ وہ بھوکا ہے۔ اسکا خانۂ دل خالی ہے۔ مہمان کا امیدوار ہے کہ میزبانی کا لطف اٹھائے لیکن یہ امید امید گریزاں۔ یہ تمنا تمنا سے پامال رہی۔

غالباً اپنی لائف میں اس پر غور کرنے کا موقع ملا ہی ہوگا کہ صنف نازک کی رنگ دام رنگینیں شفا غیر کیا شئے ہیں ان میں طوطا چشمی کس قدر ہے۔ ان سے برتاؤ کس طرح برتا جائے وہ سب کو ایک نظر دیکھنے کا متمنی نظر آ رہا ہے۔ پھر ستم ہے کہ دوسرے بھی اسی کا آرزومند آج نصیر بہت زیادہ اداس ہے۔ آج اس کے ہونٹوں کی ہلکی سی مسکراہٹ غائب ہے اس لیے کہ آج اسکا سوغات رد کر دیا گیا۔ اور شہرت قبولیت سے محروم رہا۔ یہ صدمہ سوہان روح ہے انکار تلاطم حیات ہے جس کو وہ بظاہر برداشت کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اسکا دل نہایت مجروح ہے۔ پامال جفا ہے۔

(۶)

بہت دنوں سے نصیر دکھائی نہیں دیا۔ باغ عام کی حاضری میں بھی فرق آ رہا ہے اسکے مخصوص دوستوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ غریب سوغات کے رد کیے جانے سے نہایت شکستہ دل ہو چکا تھا۔ کہ اس پر اسکی حیات افزا امید نے بے وفائی کا اظہار کیا۔ نصیر کے ہوتے ہوئے اپنا دل کسی اور کو دیدیا اور بیچارے نے ہمیشہ کے لیے مایوس العلاج ہو کر معاشرتی جلسوں۔ زرق برق سوسائٹیوں سے بیزار ہو کر کنج عافیت گوشۂ عزلت کو اپنا مسکن بنا لیا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ نصیر سے ملوں اسکی کہانی دیرینہ۔ اسکا افسانۂ سوز و آہ۔ اسی کی زبان سے سنوں۔ دیکھوں کہ اب اس کا فلسفۂ خیال کیا ہے۔

بسمل (حیدرآباد دکن)

غالب اور شعراء فارسی

جہاں تک خیال ہے اس وقت تک کسی ریختہ گو شاعر کو یہ درجہ اور یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا جیسا کہ میر تقی میر اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کو ہوا ہے جس طرح میر کا درد اور فصیح البیانی سلاست زبان وغیرہ مسلم ہے اسی طرح غالب کی نکتہ سنجی مضمون آفرینی باریک بینی کا ایک زمانہ قائل ہے۔ یہ غالب ہی کو شرف نصیب ہوا ہے کہ اُن کے اُردو کے دیوان کی جو چند جزو سے زائد نہیں ہے مختلف شرحیں لکھی گئیں اور ہر ایک شرح میں کچھ نہ کچھ نئی بات ملی۔ یہ قبول عام غالب کا ہی حصہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُن کو نصف صدی کے قریب دنیا سے دنی کو خیرباد کہے ہوئے گذر گیا۔ مگر ہر رسالہ آج تک اُن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ ہم نے مختلف رسالوں میں مرزا صاحب کی بابت مضامین دیکھے مگر سوائے تنقید کلام کے کسی مضمون نگار کی اس طرف توجہ نہ دیکھی کہ وہ ان کے کلام پر کلیتہً نظر ڈالے۔ جن صاحبوں نے ان کی اُردو شاعری پر نظر ڈالی وہ یہ کہکر چھوٹ گئے کہ ایک اُردو تذکرہ نویس کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان کے فارسی خیالات پر بحث کرے۔ حالانکہ جس قدر اُن کے فارسی کلام کے دیکھنے سے اُنکے اخلاقی حالات وغیرہ وغیرہ کا سراغ ملتا ہے اُردو سے ہرگز نہیں ملتا جیسا کہ خود مرزا مرحوم کا یہ قول تھا کہ اُردو کو نہ وہ عزت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ اُردو ان کے واسطے مایۂ ناز ہے وہ ایک فارسی گو شاعر ہیں اور دراصل اُنکے کلیات فارسی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی بابت اُردو شاعری کے لیے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے ان کے فارسی کلام کو دیکھتے ہوئے اردو کی وقعت دلوں میں باقی نہیں رہتی۔ انھوں نے

جو کچھ کہا وہ فارسی میں کہا اُردو کی شاعری کی طرف یا احباب کے مجبور کرنے یا زمانہ کے رنگ بدلنے سے اُنھوں نے خفیف سی توجہ کی۔ گو اس میں بھی فارسی تراکیب اسقدر ہیں جنھیں اگر غالب جیسے شاعر کے ساتھ وہ نامزد نہ ہوتیں تو آج اردو کہنے والے ہرگز پسند نہ کرتے۔ اور نہ خود اُردو کی زبان اُن کی متحمل ہوتی۔ مگر یہ سمجھ لینا غلطی ہے کہ غالب نے دانستہ اُن مشکل ترکیبوں کا استعمال کیا۔ نہیں بلکہ اس سے صاف صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ اُن پر فارسی رنگ اسقدر چڑھ گیا تھا۔ کہ وہ اسے اپنی طبیعت سے دور کرنے پر مجبور را اور قطعی مجبور تھے۔ ورنہ اُن کی اُردو کی نازک خیالیاں اور سلاست بیان بھی مشہور عام ہے جن پر بہت سے نقادوں کی وسیع نظریں پڑ چکی ہیں اس لیے اُس پر کچھ لکھنا بالکل بیکار اور تحصیل حاصل ہے۔ ہمیں اس بات پر بحث کرنی ہے۔ کہ غالب مرحوم باوجود اس کے کہ اُردو کو اپنا ننگ سمجھتے تھے مگر پھر بھی اُنھوں نے اپنے اس شعر کو کہاں تک سچ کر دکھایا ہے اور کیا کیا احسانات اُردو پر کیے ہیں۔

جو کوئی کہوے ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یوں

ہمیں اپنے مضمون میں اس بات کو نظرانداز کرنا پڑے گا۔ کہ اُن کی مستعملہ کون سی ترکیب مانوس ہے اور کون سی غیرمانوس ہے۔ بلکہ دکھانا صرف یہ ہے کہ اُردو پر اُن کے احسانات کیا ہیں۔ اور کہاں تک اپنے قول کو نباہا ہے یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جس طرح فارسی شاعری عربی سے فیضیاب ہوئی۔ اسی طرح اُردو شاعری کی بنا فارسی خیالات پر رکھی گئی اور آج تک اُسی رنگ میں شرابور ہے۔ فارسی شعرا نے جو جو پاکیزہ خیالات اور بہترین جذبات دکھائے ہیں اُن سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے جب اُردو شاعری فارسی پر مبنی ٹھہرائی گئی تو وہی خیالات یا ویسے ہی پاکیزہ

خیالات کا اُردو میں ہونا لابد اور ضروری تھا - اور ضروری ہے - ہم یہ نہیں کہتے کہ اُردو کی شاعری کا رنگ اب پختہ ہوگیا اور وہ ایرانی شاعروں کے کلام سے ٹکرانے لگی، یا نہیں ہاں یہ کہے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ غالب کے دور شاعری تک اُردو شاعری ہرگز فارسی کی مدمقابل نہیں ٹھہرائی جاسکتی تھی - اور یہ فارسی خیالات کی دست نگر تھی - اور اسے ویسے ہی نازک خیالات کی ضرورت تھی جیسے کہ فارسی میں تھے - کیونکہ یہ اُسی کی ایک فرع تھی - اس کے لیے ضرور غالب جیسے شاعر کی ضرورت تھی جس نے جہاں تک ہوسکا اپنی دماغی قابلیت خود اُردو کے خیالات میں وہ نزاکت پیدا کردی جو فارسی کے ٹکرانے کے قابل ہوگئی صرف زبان کی توسیع کے لیے اُنھوں نے فارسی شاعری کے باغ سے وہ وہ خوشنما پھول چُن لیے جو زیب چمن تھے اس میں شک نہیں ہے کہ فارسی سے اُنکے معاصرین نے بھی مدد لی اور ناسخ وغیرہ نے بھی اکثر خیالات کو نظم کیا - مگر آگے چل کر ہم آپ کو دکھائیں گے کہ اس میں غالب نے جس قدر حصہ لیا وہ کسی نے بھی نہیں لیا - اُنھوں نے بہترین شاعروں کو چھانٹ لیا اُن کے کلام پر نظر ڈالی اور جو خیال نازک اور بہترین مضمون پایا - اُسے نہایت صفائی کے ساتھ اُردو میں نظم کردیا - جسے دیکھ کر تمیز ہی نہیں ہوسکتی کہ یہ غالب کی جدت طرازی ہے یا کیا - اُردو زبان کے محدود ہونے کی وجہ سے بعض جگہ اُنھیں دقتیں پیش آئی ہیں مگر پھر بھی اُنھوں نے اُس خیال کو اردو میں نظم کرکے دم لیا ہے اور بیشتر مشکل تراکیب کی ایک یہ بھی بڑی وجہ ہے جو اُن کے کلام میں پائی جاتی ہیں - اور اسی واسطے ہم اُنھیں اس میں معذور ٹھہراتے ہیں۔

اول تو یہ انتخاب (کہ فارسی میں کون شاعر ایسا ہے جس کے خیالات کو اُردو کا جامہ پہنایا جائے تو اُردو کے واسطے وہ مایۂ ناز ہوں) مشکل اور نہایت

مشکل ہے۔ کیونکہ فارسی کے ایک معمولی شاعر کا دیوان دیکھنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بڑا لغز گو ہے۔ مگر غالب جو خود ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ ؎

طالب و عرفی و نظیری را | دامن از کف کنم چگونہ رہا
ہر کہ طے کردہ ایں موافق را | چہ شناسد قتیل و واقف را

ان شعروں کے نقل کرنے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ غالب نقاد سخن تھے۔ معمولی کلام کی وقعت اُن کی نظر میں نہ تھی۔ اسی لیے اُنھوں نے توسیع زبان کے لیے سعدی۔ عرفی۔ خسرو۔ فیضی۔ حافظ۔ عالی۔ صائب۔ خاقانی بیدل۔ نظیری۔ ظہوری وغیرہ کے کلام کو بہتر سمجھا ان سب میں سے بعض بعض کے کلام سے غالب کے خیالات کا استنباط ہم دکھائیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ کہدینا بھی ضروری ہے کہ بعض بزرگوار یہ سمجھ لیں گے کہ غالب سرقہ کرنے والے شاعروں میں سے ہے۔ مگر نہیں ہرگز نہیں۔ غالب کی شان اس سے ارفع و اعلےٰ ہے۔ فارسی کے کلیات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ خاقانی۔ عرفی نظیری۔ صائب۔ بیدل۔ ظہوری وغیرہ مشاہیر کے غزلوں پر غالب نے قصائد لکھے ہیں۔ اور وہ کہیں کسی سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ عرفی وغیرہ سے ہمیشہ اُن کے خیالات ٹکراتے رہے۔ مگر زمانہ کی ناموافقت نے غالب کو کبھی اُبھرنے نہ دیا۔ اور وہ ہمیشہ یہی تمنا کرتے رہے کہ کاش اُن کے کلام کا کوئی ظہوری او نظیری سے موازنہ تو کر لیتا۔ ذوق مشہور ہوئے۔ اول اُستاد بادشاہ قرار پائے۔ مگر غالب کو اُس وقت حسن قبول کا خلعت جناب ایزدی سے عطا نہیں ہوا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرا کلام اس قابل ہے کہ وہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ مگر میرے بعد ایسا ہوگا چنانچہ ایک جگہ نہایت حسرت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

تا نہ دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن
این مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن

کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است
شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

ہم سواد صفحہ مشک سودہ خواہد بختن
ہم دواتم ناف آہوئے ختن خواہد شدن

سطر از شعرم بہر بزمے کہ خواہد زد نوا
چاکہا اشیار جیب پیرہن خواہد شدن

حرف حرفم در مذاق فتنہ جا خواہد گرفت
دستگاہ ناز شیخ و برہمن خواہد شدن

پھر ایک جگہ افسوس سے کہتے ہیں ؎

سے چہ میگویم اگر انیست وضع روزگار
دفتر اشعار باب سوختن خواہد شدن

مگر آسمان اہل کمال کا دشمن ہے اس میں کسی کا اجارہ نہیں۔ انھوں نے ہمیشہ کوششیں کیں مگر وہ ناکام رہے۔

غالب نے اپنی کلیات نظم فارسی میں زیادہ تر ظہوری کو مانا ہے۔ مگر اکثر جگہ عرفی کی بھی تعریف کی ہے جیسے کہ کہتے ہیں ؎

چوں بہ ناز دسخن از رحمت خویش بہ دہر
کہ بردعرفی و غالب بہ عوض باز دہد

عرفی ایک مسلم الثبوت استاد تھا۔ اُس کی شاعری اور اُسکے تخیل کو اگر اُردو کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ تو بیشک اُردو کے لیے وہ مایۂ ناز ہیں۔ غالب نے اس شعر میں جو کچھ کہا ہے اُس میں عرفی کا مد مقابل آپ کو ٹھہرایا ہے۔ اور بالکل سچ ہے اپنی نازک خیالی سے انھوں نے اُردو میں وہ گل کھلائے ہیں کہ عرفی کی شاعری کا خاکہ آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتا ہے۔ مگر عرفی کے خیالات کو جس طریقے سے اُردو زبان میں دکھایا ہے وہ بھی قابل تحسین ہے اور اسکے واسطے غالب جیسے مشاق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

عرفی۔ نوبت بمن افتاد بگو نیا کہ دوراں
آرایش از نو بکند مسند جسم را

غالب۔ ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جب جہاں میں جام جم نکلے

بادی النظر میں دونوں خیالات علیحدہ ہیں مگر در اصل استنباط اور استفاضہ اسی کا نام ہے۔ غالب کو یہ خیال ضرور عرفی کے شعر سے سوجھا ہے۔ مگر اپنی اجتہادی قوت سے اُسے بالکل علیحدہ کر دیا ہے اور ملاحظہ ہو۔ چونکہ ذیل کا خیال نہایت بلند ہے اس لیے مرزا صاحب مرحوم نے چاہا کہ اُسے بجنسہ اُردو شاعری میں داخل کر دیا جائے مگر بندش ایسی چسپت ہے کہ ترجمہ کی شان اس میں نظر نہیں آتی مضمون کو بالکل اپنا بنا لیا ہے۔

عرفی۔ غم ہمرہِ جاں رفت نہ رفتیم بہ منعش … بادے ز ازل آمدہ و ہمسفر اوست

غالب۔ قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں … موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

عرفی۔ نالہ ام پرورش آموزِ نہال اثر است … در بہارت بنمایم کہ سراپا ثمر است

غالب۔ دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے … مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

عرفی۔ حلہ ہا سوختہ اند اہلِ بہشت از غیرت … تا شہیدانِ تو گلگوں کفنے ساختہ اند

غالب۔ اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں … پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

عرفی۔ امید ہست کہ بیگانگیِ عرفی را … بدوستیِ سخنہائے آشنا بخشند

غالب۔ غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست … مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

عرفی۔ ز فروغ آفتابم نبود خبر کہ بے تو … چو دو زلف تست یکساں شب و روزِ ما سیاہی

غالب۔ جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا … وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

عرفی۔ بیار بادہ کہ جانم دمے ز نالہ بر آید … ہزار زمزمہ از دل بیک پیالہ بر آید

غالب۔ پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار … رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

عرفی۔ ہماں بہ است کہ عرفی بہ بزمِ درویشاں … سفال جوید و مست از جامِ جم نہ کشد

غالب۔ اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا … جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

عرفی۔ بکیشِ برہمناں ہم کسی ز شیخ بہ است … کہ در عبادتِ بت رو بہ بر زمیں میرد

غالب۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے　مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

عرفی۔ گمو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند　کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوش اند

غالب۔ محرم نہیں ہے توہی نواہاے راز کا　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

مندرجۂ بالا شعروں کو دیکھ کر مذاق سلیم رکھنے والی طبیعتیں اندازہ کر سکتی ہیں کہ مرزا صاحب مرحوم نے کیسے کیسے نازک خیالات کا زبان اُردو میں اضافہ کیا ہے ۔ اور کس قدر انھیں ادنیٰ تغیر کے ساتھ عرفی کے خیالات سے علحدہ کر دکھایا ہے یہی کمال شاعری ہے اُنھوں نے توسیع زبان کو صرف عرفی ہی کے خیالات پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ خسرو فیضی۔ بیدل۔ نظیری ظہوری وغیرہ کے یہاں سے بھی اُنھوں نے اکثر مضمون لیے ہیں اور اس طرح اُردو زبان میں داخل کر دیا ہے کہ شعب سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ترجمہ ہے ۔ یا کسی اور زبان سے یہ خیال لیا گیا ہے۔　(باقی آئندہ)

عبدالباری آسی

یاد وطن

اپنی ہستی کا جہاں میں ہمہ تن راز ہوں میں　اک ہیولاے فنا خانہ برانداز ہوں میں

شرح بیر بطی ہر تار رگ ساز ہوں میں　نغمہ سنج گرہ رشتۂ آواز ہوں میں

ساکن منزل غربت ہوں سبکدوشی ہے

دل ہے ہمراہ مرے اور مری خاموشی ہے

نگہ دیدۂ دل صرف پریشانی ہے　فکر جمعیت خاطر بصد عنوانی ہے

آئینۂ زار زمانہ مری حیرانی ہے　پست ہے ہمت دل راہ جو طولانی ہے

قلزم فکر میں گم کشتیِ ویراں ہوں میں

گاہ بیٹھی ہوئی گردِ رہِ امکاں ہوں میں

اپنے مطلب کا کروں کیا میں زباں سے اظہار   زندگی ہوگئی ہے یادِ وطن سے بیکار
ضعف سے سانس کا لینا بھی ہوا ہے دشوار   لب پہ رُک جاتی ہے آ آکے فغاں سو سو بار

خُو پرستِ نگہِ چشمِ فسوں ساز ہے دل
رازدارِ اثرِ سُرمۂ آواز ہے دل

کاہشِ جاں ہو نہ کیوں ہجرِ مراعاتِ وطن   دامنِ روح سے وابستہ ہوئی ذاتِ وطن
وقفِ جذباتِ دلی ذوقِ مولاتِ وطن   غیر ممکن ہے کہ مٹ جائیں خیالاتِ وطن

دل مشتاق ہے تمہیدِ تماشائے امید
نقشِ تصویر بنا داغِ سویدائے اُمید

میں وہ بلبل ہوں گرفتارِ فریبِ صیاد   جس کی بیتابیِ دل بڑھ گئی ہے حد سے زیاد
خوف ہے ؟ اب تو بہت لطفِ چمن آتا ہے یاد   مرکزِ ضبط سے ہٹ جائے نہ پاسِ فریاد

لائقِ افسوس کے کیوں ہو نہ مری نوحہ گری
رنجِ تنگیِ قفس ہے غمِ بے بال و پری

داغِ سوز نفس ہے اظہارِ مری شامِ وطن   صبحِ غربت ہے اک آئینۂ آلامِ وطن
محفلِ یاس میں ہو خیر سرانجامِ وطن   مار ڈالے گی تپِ دوریِ آرامِ وطن

کُھل نہیں سکتا کہ ہے عقدۂ لاینحل
مجمعِ فکر ہے اک سلسلۂ طولِ امل

میں ہوں اور پیشِ نظر ایک بیاباں پُرگرد   ہے بہت شرحِ طلب مسئلہ گرم و سرد
اُڑ کے ہر بار بتاتا ہے یہ رنگِ رخِ زرد   نشترِ غم ہے جو دل میں تو جگر میں بھی ہے درد

طبع ہے مُظہرِ تالیفِ فنِ اندازۂ دل
ہے رگِ خوابِ عدم رشتۂ شیرازۂ دل

آج صحرا میں ہوا کون عدم کا سفری　　کچھ تو کہنی ہے بگولوں سے نسیم سحری
دلِ ہر سنگ ہے خمیازہ کشِ نوحہ گری　　ہوش اوڑا سے لیے جاتی ہے پریشاں نظری
دل میں ارمان وطن لے گئے مرنے والے
کر گئے نام وفا دہر میں کرنے والے

قصدِ رفتار کو مانع ہیں تدابیر وطن　　کس قدر پاؤں سے وابستہ ہے زنجیر وطن
اللہ اللہ اثر جذبۂ تاثیر وطن　　رگ دل بن کے ابھر آئی ہے تصویر وطن
ان سے وابستہ ہیں اجزائے پریشانی سب
ہر نفس جادۂ رہ منہج امید ہے اب

صورت نقشِ کفِ پا ہوں رہ غربت میں　　زندگی ہوگئی دشوار غم الفت میں
اتفاقاً جو قضا آگئی اس صورت میں　　چین آئے گا نہ اک لحظہ مجھے تربت میں
دیدۂ شمع سے خود ہوگا عیاں درد وطن
قبر کے پھولوں سے آئے گی سدا بوئے وطن

السلام اے اثر الفتِ یاران وطن　　تجھ سے وابستہ نہ کیونکر ہوں خیالات محن
جذب میں ڈوبے ہوئے ہیں ترے اخلاق حسن　　سبز و شاداب رہے تجھ سے تعلق کا چمن
کیا کہیں ایسی جگہ پر ہیں بہت دور ہیں ہم
آ نہیں سکتے ہیں کچھ ایسے ہی مجبور ہیں ہم

دلِ بیتاب میں محبت ہے تری روح رواں　　ہم سے بیماروں کا ہے تو ہی مسیحائے امکاں
چند جذبات تھے لے آئے ہیں وہ ہم کو یہاں　　جلد آ پہنچے جیسا ہو ہوئے کچھ ساماں
کشش ہستی دل تا حد امکان رہے
اپنے مرکز پہ بھی لانے کا ذرا دھیان رہے

شمالی امریکا کے وحشی

عربی مقولہ ہے کل شی یعرف باضدادھا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دن نہ ہوتو رات کے مضار و مفاد کا کسی کو علم نہ ہو اور دنیا ناواقفیت کے اندھیرے گڑھے میں گری پڑی رہے۔ اسی طرح وحشت نہ ہو تو تہذیب کے محاسن اور بھلائیوں کو کوئی نہ جان سکے اور انسانیت کا معیار بہت تنگ ہو جائے۔ چنانچہ آج بیسویں صدی عیسوی میں جبکہ یورپین تہذیب و تمدّن کا اثر دنیا پر چھا گیا ہے ایسا خیال کسی کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا ہوگا کہ کوئی ایسی جگہ بھی ہے جو تہذیب سے نا آشنا اور وحشت کا مسکن کہی جا سکے ایسے ممالک بھی ہیں جہاں تہذیب کا اثر ذرا بھی نہیں، وہ تمدنی خوبیوں سے ایسے ہی کورے ہیں جیسے مہذب ممالک وحشت و جہالت سے نا آشنا سمجھے جاتے ہیں جہاں کے رہنے بسنے والے انسان بہیمیت کے مجسمے اسی آن بان سے نظر آتے ہیں جیسے کئی ہزار برس پہلے کے آدمیوں کو تصور کیا جا سکتا ہے۔

ایک یورپین سیاح مسٹر ہسکہ لدر نامی نے اپنے بحری سفر کے حالات مضمون کی صورت میں شائع کیے تھے جو دلچسپ، عجیب خیز اور حسرتناک معلومات کا ذخیرہ ہونے کی بنا پہ بہت مقبول عام ہوئے اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے کہ غیر زبانوں مثلاً ترکی اور فارسی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ اور اب اُردو دان اصحاب کی ضیافت طبع کے لیے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

سیاح مذکور لکھتا ہے۔

"میں موسم بہار میں خلیج ہڈسن Hadson Bay[1] کے ساحلی مقامات کی

---

[1] ۱۸۶۹ء میں اس خلیج کے علاقہ کو کنیڈا میں ملحق کیا گیا۔

جو براعظم شمالی امریکا (North America) میں واقع ہے سیر و سیاحت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ یہ مقامات گرین لینڈ[1] (Green Land) کی مملکت میں شامل ہیں۔ یہاں کے اصلی باشندوں کا ذریعۂ معاش صرف سمندر کی مچھلیاں ہیں اور ان لوگوں کو اسکیمو (Eskimo) کہتے ہیں۔ مغربی ساحلی مقامات پر ڈنمارک وغیرہ کے باشندے بہ تقریب ماہی گیری آباد ہیں۔ جس جہاز کے ذریعے میں نے سفر کیا وہ ہالینڈ کے ماہی گیروں کا تھا اور جس جگہ جہاز ٹھہرا وہاں بھی ہالینڈ کے آدمی رہتے بستے تھے۔ خوش قسمتی سے میرا ایک رفیق سفر پیدا ہو گیا جو امریکن تھا مگر انگریزوں میں دنوں تک رہتے سہنے کی وجہ سے انگلش بلا تامل بول لیتا تھا اور کسی قدر فلمنک زبان ڈیولیک (Dalemic) بھی جانتا تھا اور ہالینڈ کے آدمیوں سے بھی روشناس اور مانوس تھا۔

اس جگہ ٹھہرنے سے میرا مطلب یہ تھا کہ آس پاس کے ساحلی مقامات کی سیر کر کے وحشی باشندوں کے حالات، واقعات، رسم و رواج، اخلاق و عادات سے واقفیت حاصل کروں۔

آخر کار ایک دن جہاز پر سوار ہو کر مچھلیوں کو شکار کرتا اور سمندر کے قدرتی مناظر کا لطف اٹھاتا راس سوبل دے پل (Sablel) کے دہانے پر جا پہنچا جو مغربی ہڈسن کے ساحلوں میں سے اور میرے مستقر سے مغرب کی جانب تھا۔

جہاز لنگر انداز تھا۔ رات کے بارہ بجے تھے میں میٹھی نیند سو رہا تھا یکا یک دل لرزا دینے والی چیخ پکار اور ہیبت ناک آواز نے چونکا دیا۔ میں گھبرا کر آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ یہ وحشت خیز شور و غل مردم خوار وحشیوں کے ایک گروہ کا تھا

---

[1] جس زمانہ میں اس ملک کا الحاق ہوا اس وقت لارڈ گرین ویل کولونیز کے سکرٹری تھے اس بنا پر نام گرین لینڈ رکھا گیا۔ (محاربات عظیم)

جو ہم سے تھوڑے فاصلہ پر ہم پر حملہ کرنے کی فکر میں تھا۔
ان کی حرکتوں اور قرائن سے جہاز کے آدمیوں نے تاڑ لیا کہ یہ ہمیں شکار بنانا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنی اپنی بندوقیں تان کر قلع قمع کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور جب وحشی بڑھتے بڑھتے بندوقوں کی زد میں آ پہنچے تو اُن پر گولیاں برسانا شروع کیں اور ایک دم باڑھ ماری۔ ان لوگوں نے غالباً بندوقوں کی آوازیں کبھی نہ سُنی ہوں گی پریشان ہو گئے، شیرازہ بکھر گیا، بدحواس ہو کر بھاگے اور ہمارے جہاز والوں کو فتح نصیب ہوئی۔
میں جہاز کے بالائی حصہ پر کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا اور مزید حالات کے معلوم ہونے کے لیے ماہی گیروں کی واپسی کا بے چینی سے منتظر تھا اتنے میں ماہی گیروں کے آگے آگے ایک سیاہ چیز بے ساختہ دوڑتی ہوئی دکھائی دی جس کو میں بھینس کا بچہ سمجھا مگر یہ بھینس نہ تھی بلکہ ایک وحشی تھا جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر ماہی گیروں میں گھر گیا تھا اور کسی طرف راستہ نہ پاکر بے تحاشا بھاگ رہا تھا جب سمندر کے کنارہ پر آ پہنچا تو ماہی گیروں نے اسے دیکھ کر پکڑ لیا اور چاہا کہ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ یہ حال دیکھ کر میں چلایا کہ خبردار قتل نہ کرنا۔ زندہ میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میرے کہنے کے مطابق جب لوگ میرے پاس لائے تو اس کی عجیب حالت تھی یعنی مارے ڈر کے مرا جاتا تھا میں نے چاہا کسی طرح ڈر کم ہو تاکہ بے تکلفی سے بات چیت کر سکے اس لیے میں نے اس سے نرمی سے گفتگو کرنی شروع کی لیکن میری یہ تدبیر بے سود ثابت ہوئی وہ یہی سمجھتا رہا کہ یہ میرے کھانے کی فکر میں ہیں آخر کار دیر تک بہت کچھ دم دلاسا دینے کے بعد میں اپنی کوشش میں کسی قدر کامیاب ہوا۔ اُس کے حواس ذرا بجا ہوئے۔
اس کی عمر اندازاً چالیس برس سے کم نہ ہو گی لیکن اسکے قویٰ نوجوانوں کی طرح

مضبوط تھے اور وہ بلا کا چست چالاک اور توانا معلوم ہوتا تھا۔
میں جیسا پہلے بیان کر چکا ہوں اپنی واقفیت کی غرض سے اس سے گفتگو کرنا چاہتا تھا مجھے دیکھنا تھا کہ اُن کی عمر کیسے بسر ہوتی ہے عقل و فکر سے کس طرح کام لیتے ہیں اور تہذیب و تمدن سے کس قدر دور ہیں۔
میرا رفیق سفر بھی امریکن وحشی تھا مگر صحبت کے اثر سے کچھ آدمیت سیکھ چکا تھا اسلیے میں نے اسے ترجمان بنانا مناسب سمجھا تاکہ میری اور اُس کی باتوں کو سمجھا دیا کرے۔ جب اُسے نوگرفتار وحشی نے دیکھا تو خوش ہوا اور کیوں خوش نہ ہوتا ؎
کند ہمجنس با ہمجنس پرواز ۔ کبوتر با کبوتر باز با باز
تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اپنے سمجھ کے موافق اُسکی عزت کی مگر اسکے باوجود بھی غیظ و غضب کے آثار اُسکے چہرے سے نمایاں تھے
میرے رفیق سفر نے اس سے باتیں کیں لیکن یہ وحشی مدت سے اپنی قوم سے بچھڑ کر زبان بخوبی نہیں سمجھتا تھا۔ تاہم کچھ نہ کچھ مطلب نکال ہی لیتا تھا۔
میرے ساتھی وحشی نے کہا ڈرو مت، یہ تم کو جان سے نہیں ماریں گے۔
اُس نے کہا۔ کیوں؟ کیا یہ گوشت نہیں کھاتے۔
اس بات سے میں سمجھا میری جانب سے اُسکے دل میں یہ بدگمانی بھی ہوئی ہے کہ میں اسے کھا جاؤں گا۔ غرض کہ میں ترجمان کے واسطہ سے حسب ذیل گفتگو کرنے لگا
میں۔ کیا تم آدمیوں کو کھا جاتے ہو۔ معاذ اللہ
وحشی۔ بیشک! ہمیں اس میں مزا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک بار بھی آدمی کے گوشت کو کھا لیتے ہیں تو عمر بھر زبان چٹخارے لیا کرتی ہے۔
میں۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ کیا اور حیوانوں کا گوشت مزے دار نہیں ہوتا کسی مذہبی حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے ہو۔
وحشی۔ واہ! آپ اتنا بھی نہیں جانتے۔ یہ مذہبی بات ہے خاص خدا کا حکم ہے۔
میں۔ خدا کا حکم؟ ایں یہ کیا کہا، کیا یہ خدا کا حکم ہے کہ انسان کا گوشت انسان کھائے۔
وحشی۔ اسمیں تعجب کی کون سی بات ہے۔ جس طرح ریچھ، بھیڑیے۔ شیر وغیرہ خدا کے

حکم سے چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی کھاتے ہیں۔ آخر ہم بھی تو انھیں کی جنس سے ہیں۔
میں۔ (بے ڈھنگے جواب سے اُکتا کر) تو اس پر عمل درامد تم خدا کے حکم سے کرتے ہو۔
وحشی۔ اور کیا۔ یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ اور جو نہیں کرتے اُس کو خدا کا حکم نہیں سمجھتے۔
اس گفتگو سے میں نے خیال کیا یہ لوگ اگرچہ مذہباً وجود خدا کے قائل ہیں مگر انسان کو فاعل خود مختار نہیں سمجھتے۔
میں۔ تھوڑی دیر کے لیے تمھاری بات سچ مان لی جائے تو یہ بھی تو سوچو کہ ہم بھی انسان ہیں۔ ہم کیوں ایک دوسرے کو نہیں کھا جاتے۔
وحشی۔ بات یہ ہے۔ تم سب اک رنگ ہو۔ جسقدر سفید چمڑے کے لوگ ہیں وہ تمھاری قوم سے ہیں۔ اس لیے تم ایک دوسرے کو نہیں کھاتے۔ مگر کیا کسی دوسری جنس کو بھی نہیں کھاؤگے۔
میں۔ ہاں ہم تو کسی آدمی کا گوشت نہیں کھاتے۔
اتفاق سے اس جگہ کھونٹی پر سوکھے گوشت کا ٹکڑا لٹک رہا تھا اُسکی طرف اشارہ سے بتا کر کہنے لگا۔
وحشی۔ یہ کیا ہے۔
میں۔ ہاں ؟ یہ گوشت ہے مگر انسان کا نہیں حیوان کا ہے۔
وحشی۔ (متعجب لہجہ سے) کیا ہم حیوان نہیں ہیں۔ اور کیا طوطے، مینا، کبوتر، ریچھ، بھیڑیے، بندر، سانپ، بچھو، مچھلی، مگر کا گوشت ایک گوشت نہیں ہے۔
اس بات چیت سے میں نے سمجھا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہندوؤں کی طرح یہ بھی ہر ذی روح کو بلا استثنا ایک حیوان سمجھتے ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ ہندو ہر جاندار کا گوشت اپنے لیے حرام سمجھتے ہیں اور یہ وحشی حلال۔
میں۔ اچھا اس جھگڑے کو جانے دو۔ یہ بتاؤ تم نے ہم پر شبخون کیوں مارا۔

وحشی - تمہارا لذیذ گوشت کھانے کے لیے۔ مگر ناکامی کا افسوس ہے ہم تم کو پکڑ نہ سکے اور بخلاف اسکے تم مجھے کھانا چاہتے ہو۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں یہی کچھ کو جب ہم پکڑتے ہیں تو کھا جاتے ہیں اور جب وہ ہمیں پکڑتا ہے تو وہ کھا جاتا ہے۔

میں - خواہ مخواہ دوسرے کو ستانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔

وحشی - (مسکراتے ہوے) دوسرے کی بھی خوب کہی۔ کیا وہ حیوان کی جنس سے نہیں ہے۔

میں - (رفیق سفر کی طرف اشارہ کرکے) دیکھو ہم تمھاری قوم کے اس شخص کو کیسی اچھی طرح رکھتے ہیں۔ اور کھاتے بھی نہیں۔

وحشی - معلوم ہوا تم نے اسے بھائی بنا لیا ہے جبھی اسکا گوشت تم پر حرام ہوگیا ہے۔

میں - تم بھی اگر میرے پاس رہو تو میں تمھیں بھی اپنا بھائی بنا لوں اور عمدہ سلوک کروں۔

وحشی - اگر یہ بات سچ کہتے ہو تو مجھپر تمھارا یہی بہت بڑا احسان ہوگا کہ مجھے چھوڑ دو۔

میں - اگر ایسا نہیں چاہتے کہ میں تمھیں اپنا بھائی بناؤں تو تم مجھے اپنا بھائی بناؤ۔

وحشی - ہرگز نہیں۔ نہ میں تمھارا بھائی بن سکتا اور نہ تمھیں اپنا بھائی بنا سکتا ہوں کیونکہ تم میری غذا کا تر لقمہ ہو۔

اس گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ نہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ تالیف قلوب جانتے۔ اور جس شخص کو بھائی یا دوست بنا لیتے ہیں اس کا گوشت حرام سمجھتے ہیں۔

میں - ضد کو چھوڑ دو میرے بھائی بن جاؤ میں تمھارے گھر چلوں وہاں کسی لڑکی سے میری شادی کر دینا۔

شادی کا نام سنتے ہی اُسے بیحد غصہ آیا آگ بھبوکا ہوگیا جسم کانپنے لگا آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور ڈانٹ کر کہا۔

وحشی - کیا ہماری ماں بہن بیٹیوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے۔

میں۔ نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔
وحشی۔ تو پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ جب ہماری مستورات کو تم گرفتار کرو گے تو ان کی حالت تمھارے رحم پر ہوگی چاہے کھاؤ چاہے جو کچھ کرو۔

ان باتوں سے میں نے سمجھا اس سرزمین کی وحشی قوموں میں شادی بیاہ کی رسم نہیں ہے بلکہ جب ایک قبیلہ دوسرے پر غالب ہو جاتا ہے تو کسی لڑکی سے بجائے کھا جانے کے زبردستی تعلقات زوجیت قائم کر لیتا ہے۔
میں۔ دیکھو میرے پاس کیسی اچھی اچھی بندوقیں اور طمنچے ہیں ان سے میں ہر جانور کا بآسانی شکار کر سکتا ہوں۔ مجھے بھائی بناؤ تو تمھیں بھی شکار کر کرکے خوب کھلاؤں گا۔
وحشی۔ تم سفید حیوان ہو میں سیاہ تھا۔ میرے بھائی بندی ممکن نہیں اور بندوق سے تم ہمارا ہی شکار کرکے کھاؤ گے۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔
میں۔ لاحول ولا قوۃ میں کیا ہوں تم کیا سمجھتے ہو۔ میرے نزدیک انسان کا شکار بہت معیوب ہے۔
وحشی۔ اینچ پینچ کی ضرورت نہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہم تمھیں کھانا چاہتے ہیں
میں۔ اب اسکو میں کیا کروں کہ تمھیں یقین نہیں آتا۔ ارے بھائی کہو تو حلف اٹھاؤں کہ تمھیں نہیں کھاؤں گا۔ میرا مطلب تو تم سے میل جول اور محبت بڑھانے کا ہے؟ نہ کہ کھانے کا۔
وحشی۔ میں ابھی نہیں سمجھا کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ انسان اگر اپنی بیوی کو پیار کرے تو مناسب بھی ہے میں بھی مرد تم بھی مرد ایسی صورت میں تم مجھ سے کیا محبت کروگے جو ایک بے تکی بات ہے۔

اس تقریر سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ لوگ بیوی بچوں کے سوا اور کسی کی محبت نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے بھی درپے آزار رہتے ہیں۔
میں۔ ہم لوگوں کو دیکھو کتنے بہت آدمی ہیں اور کس خلوص و محبت سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور رہتے سہتے ہیں۔
وحشی۔ تمھارا یہ طرز عمل کھلا ہوا فریب اور دھوکا ہے۔ اگر سب آدمی بھائی بھائی ہوں

تو ایک دوسرے کو کھائے کیوں۔ اور آپس میں دشمن کیوں رہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہو کے رہنا بیوقوفی ہے کیونکہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرکے اپنی کوششوں سے بے پروا ہو جاتا ہے جس سے حفاظت خود اختیاری اور خودداری کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

میں۔ ہم تمھاری طرح نہیں ہیں کہ تن تنہا زندگی بسر کریں۔ ہم یہ طریق عمل اختیار کریں تو زندگی تلخ ہو جائے اور تمام آرام آسائش تہذیب تمدن خاک میں مل جائے

وحشی۔ اخاہ! اب میں سمجھا۔ تم لوگ ڈرپوک، بزدل اور ناتمام درجہ کے کاہل معلوم ہوتے ہو تم قوندوزوں[1] کی طرح ہو اگر شیر یا ریچھ کی طرح مضبوط اور بہادر ہوتے تو ایسی بیان جنیں کی باتیں نہ بناتے۔ اب تک جو باتیں مجھ سے اور وحشی سے ہوئیں ان کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا اور اس وجہ سے میں اسکے خیالات کی اصلاح سے مایوس ہو گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ ان وحشیوں میں بہیمیت اس درجہ جم کے بیٹھی ہے جس کا کوثر و زمزم سے بھی دھویا جانا ممکن نہیں

میں۔ اگر میں تم کو چھوڑ دوں تو تم مجھ سے خوش ہوگے۔

وحشی۔ خوش کیا۔ شکرگزار ہوں گا۔

میں۔ تم اگر کبھی مجھے اکیلا پاجاؤ تو میرے ساتھ کیا سلوک کروگے۔

وحشی۔ وہی جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو یا کرنے والے ہو۔

میری طبیعت وحشیانہ بات چیت سے اب اسقدر گھبرا گئی تھی کہ میں نے پھر کبھی ملنے کا وعدہ لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اور اس طرح اس وحشی سے اپنا پنڈ چھڑایا۔

اس وحشی اور حیوان مطلق میں کوئی فرق نہ تھا اور باوجود اسقدر سر مغزی کے اس کا دل ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوا۔ نوع انسان کی یہ تباہ حالت دیکھکر میرا دل بھر آیا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور انتہا سے زیادہ افسوس ہوا۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

---

[1] قوندوز ایک ذو معیشتین جانور ہے جو خشکی اور پانی دونوں جگہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بہت ڈرنے والا اور ہمیشہ جمعیت کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔ — مترجم ترکی

حُسن و محبّت

ستارہ میں نے دیکھا کل سرِ شام ایک نُورانی
فروغِ دیدۂ خورشید ہو جس کی درخشانی

جھلک ایسی نمایاں تھی کچھ اُسکے رُوئے سیمیں سے
خجل تھی جسکے آگے چاند کے عارض کی تابانی

چمک ظاہر تھی اُسکے دیدۂ بیدار سے ایسی
ہو جس کو دیکھکر چشمِ ثریّا محوِ حیرانی

ذرا سی چیز میں موجود وہ شانِ تبسّم تھی
کہ غائب خندۂ زہرہ کی ہو جس سے گُل افشانی

عجب انداز تھا۔ غمزہ تھا۔ عشوہ تھا۔ کرشمہ تھا
ہے آنکھوں میں ابھی تک حُسن کا منظر وہ لاثانی

مگر یہ یاد رکھ۔ اے میرے دل کو پالنے والے
ستارے میں کہاں جس شے کی ہے تجھ میں فراوانی

عبارت کہہ رہی ہے صفحۂ ترے مصحفِ رخ کی
ہے مضمونِ ولا کی روشنائی میری رخشانی

تری آنکھیں محبت کی ہیں وہ پُر نور قندیلیں
کہ چشمِ جاں کی ہو کافور جن سے تیرہ سامانی

تبسّم یوں لبِ نازک پہ تیرے رقص پیرا ہے
ہو برگِ گُل میں جیسے رنگ و بو سرگرم جولانی

ستاروں میں نشاں ڈھونڈھے سے بھی اُسکا نہیں ملتا
دفورِ حُسن کی تجھ میں جو کیفیت ہے طوفانی

مگر وہ چیز جس سے فرق ہے تجکو کواکب پر
نہ ہے چہرے کی تابانی۔ نہ آنکھوں کی درخشانی

ترے پہلو میں دل ہے اور دل میں جذبۂ اُلفت
یہ وہ شے ہے کہ جس سے حُسن تیرا۔ حُسن لاثانی

فنا انجام ہے دنیا ستاروں کی۔ مگر جاناں!
نہ تم فانی۔ نہ ہم فانی۔ نہ پیمانِ وفا فانی

غلام محمد طُور ایم۔ اے

سید مرزا صاحب تعشق لکھنوی مرحوم

آپ کا نام نامی سید مرزا تھا اور بعض لوگ صرف سید صاحب کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں آپ کے والد میر محمد مرزا انس تھے جو لکھنؤ کے اساتذہ میں غیر معمولی شہرت و وقعت حاصل کر چکے ہیں۔ میر عشق صاحب جن کی مرثیہ گوئی مستغنی عن التعریف ہے آپ کے بھائی تھے اور جہاں تک صحیح معلوم ہوتا ہے سید صاحب مرحوم نے انھیں سے اصلاح لی ہے۔ بعض مورخین تعشق صاحب کو بوستان ناسخ کا ایک خوشنما پھول بتاتے ہیں۔ مگر خود اُن کا کلام اسکی تردید کرتا ہے۔ مؤلف صاحب خمخانۂ جاوید کو ان کے سلسلۂ تلمذ کے لکھنے اور معلوم ہوتے میں غلطی ہوئی۔ اور انھوں نے سچ جھوٹ کا بوجھ راوی کی گردن پر ڈال کر لکھدیا جس سے کہ ہم اُن کو کسی صورت سے مورد اعتراض نہیں ٹھہراتے۔ بہر حال سید صاحب بحر بے پایان شاعری کے ایک آبدار موتی اور گلستان سخن کے ایک خوشنما خوشبودار پھول ہیں جن کی آب و تاب میں جس جوہری نے حصہ لیا اور جن کی آبیاری میں جس باغبان نے کام کیا وہ بہر صورت مستحق تحسین ہے۔ سید صاحب درویش صفت آدمی تھے نہ کسی سرکار سے اُن کا دامن حال وابستہ تھا نہ کسی دربار سے اُن کو سروکار تھا اُنھوں نے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ مقامات مقدسہ کربلائے شریف وغیرہ میں صرف کیا اور یہی باعث اُن کے کلام کی گمنامی کا ہوا لیکن بالآخر لکھنؤ ہی کی زمین میں پیوند زمین ہوئے۔ منکسر مزاجی۔ اور خلق آپ کا خاص حصہ تھا اور اسی وجہ سے اُنھوں نے باوجود فن تغزل کے کمال کے اپنے آپ کو زمرۂ شعرا میں بہت شامل کرنا نہ چاہا۔ اب ہم ایک نظر آپ کے کلام بلاغت نظام پر ڈالتے ہیں اور ممکن ہوا

تو بعض دیگر اساتذہ کے پاکیزہ جذبات کو آپ کے ضمن شاعری میں بیان کردینگے۔
جوش عقیدت میں حضرت عزیز لکھنوی نے یہ فقرہ لکھدیا تھا۔ کہ اکیلے تعشق
کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ بلکہ شعراے ماضی و حال و اساتذۂ دہلی کے
کلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وسیع نظریں اس فقرہ کی کوئی خاص وقعت
نہیں کرتیں۔ مگر اس خلاف واقعہ بات سے یوں تاویل کرکے اپنے دل و
دماغ کو تسلی دے لیتی ہیں کہ لکھنؤ میں کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جسکے
کلام میں اس قدر درد پایا جائے۔ مراثی کے کوچہ کو چھوڑ کر جب تغزل پر
نگاہ ڈالی جاتی ہے تو بلا استثناء ہمیں اساتذۂ لکھنؤ کے کلام میں تشبیہات
اور مراعات النظیر کا گورکھ دھندا نظر آتا ہے۔ تعشق مرحوم بھی گو اس
دہرتی ہوا سے بچ نہیں سکے ہیں تاہم اُنھوں نے اپنی قادرالکلامی اور
ماہرفن ہونے کی وجہ سے باوجود رعایت الفاظ اور تشبیہات کے درد کی
ایسی چسک پیدا کردی ہے جو لکھنؤ کے دوسرے مشاہیر کے کلام میں نہیں
پائی جاتی اور صرف یہی بات اکثر نقادوں کو دھوکے میں ڈال کر ماسبق
فقرات کے کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

سید صاحب مرحوم مرثیہ گوئی کے مرد میداں تھے اور تغزل میں بھی
اپنی سحر بیانی کی وجہ سے واقعات و جذبات حسن و عشق کی تصویر کھینچ
دیتے تھے۔ سوز و گداز ان کے کلام کا حصہ ہے فصاحت اور بلاغت وغیرہ
کی بھی آپ کے کلام میں ایک نہایت ہی دلکش جھلک نظر آتی ہے مضمون آفرینی
پختہ کلامی کے نمونے جابجا آفتاب تاباں کی طرح اُن کی غزلیات میں چمکتے ہیں
مگر اردو ادب کی بدقسمتی ہے آپ کا کلام سوا اُسکے نہیں پایا جاتا جو
اہالیان معارف معلوم نہیں کن کن جانکاہیوں سے ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں

پبلک میں پیش کیا ہے۔ سید صاحب مرحوم نے غالباً اپنے کلام کو فراہم کرنے کی طرف بہت ہی کم توجہی سے کام لیا ہے۔ سُنا ہے کہ عرصہ تک اپنے کلام کو جمع کیا پھر اس پر خود ہی نظر ڈالی منکسر مزاجی کی وجہ سے (جو اہل کمال کا بہترین حصہ اور نمونہ ہے) اپنے کلام کو دریا برد کر دیا۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ تعشق صاحب بھی تشبیہات و تمثیلات سے اپنے کلام کو پاک نہ رکھ سکے۔ ابتداءً ہم اسی کلام پر ایک نظر ڈالتے ہیں وھوھذا

۵۱ گھبراتے ہیں وہ سرخ جب آجاتی ہے آندھی　　دیتا ہے ہوا زخم دل زار کسی کا

۵۲ اے جنوں تیری بنہاتے تھے انھیں ہم ہر برس　　جب سے منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا

۵۳ گلوں کے ہجر نے نکہت بنایا جسم لاغر کو　　بہت سے بوریا موج ہوا کا میرے بستر کو

۵۴ چلا گھر سے وہ بحر حسن اللہ رے شش دل کی　　عجب قطرہ ہے جو کھینچے لیے جاتا ہے دریا کو

علی حیدر صاحب نظم طباطبائی نے ضلع وجگت کے الفاظ کے التزام کی بُرائیاں شرح دیوان غالب میں اکثر جگہ دکھائی ہیں۔ اور اگرچہ اکثر اُن میں سے بے محل ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہی ایک ایسی بُرائی ہے جس کے التزام سے فصیح و بلیغ کلام پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات پاکیزہ جذبات لطیف خیالات چیستاں اور معمہ بلکہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ متقدمین نے اسکو صنائع کلام سے رکھا تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ شاعر اس رعایتی کے پھیر میں پڑ کر اپنے جذبات کو خراب کرے یہ مرض لکھنؤ میں زیادہ اور دہلی میں کم ہے اور اسی سے دہلی اور لکھنؤ کے اساتذہ کے کلام میں بڑا فرق ہے مثلاً مندرجۂ بالا اشعار کو لیجیے۔

شعر نمبر ۵۱ کا مطلب صرف اتنا سا ہے کہ وہ مکافات ظلم کے خوف سے گھبراتے ہیں۔ سرخ آندھی ہوا زار وغیرہ رعایت الفاظی ہے۔ جیسے کہ شعر میں بجائے درد وغیرہ پیدا ہونے کے اہمال کا شک ہوجاتا ہے۔

نمبر۲۔ بیڑی۔جنون۔منت سلسلہ بڑھنا۔وغیرہ یہ سب رعایت لفظی کے تحت میں آتے ہیں ماسوا اس کے نہ شعر میں درد ہے نہ سوز گداز۔ بلکہ اس میں ایک اعتراض بھی پیدا ہوتا ہے۔کہ ہم بیڑی پہناتے تھے۔

ایسے ہی مضمون کو حضرت جاوید لکھنوی نے ایک نہایت ہی پاکیزہ طریقے سے بیان کیا ہے ؎

منت کا ذکر کیا یہ اسیروں کا صبر ہے   اپنے گلے میں آپ نے زنجیر دیکھ لی

یا خود جناب تعشق مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

خون ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے   نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست

رعایت الفاظ کا اس میں بھی بڑا حصہ ہے۔مگر اس سے پاکیزہ جذبات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور اسی حد تک یہ ایک صفت ہے ورنہ قباحت۔

نمبر۳ میں بھی رعایت الفاظ ظاہر ہے۔خیال اچھا ہے۔مگر معیار شاعری کے موافق نہ اس میں انبساط ہے نہ انقباض۔گل نکہت جسم لاغر (بوریا) صرف بُو کی لفظ کی وجہ سے لایا گیا۔موج ہوا بستر۔

نمبر۴ میں صنائع بدائع کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ بچوں اور ربتدیوں کے یہاں بھی اسی قسم کے بہت سے شعر ملتے ہیں۔سید صاحب کے یہ ایسے شعر مایۂ ناز نہیں ہو سکتے

سید صاحب نے اس کوچہ سے ذرا بھی جدا ہو کر جہاں کہیں نغمہ سرائی کی ہے وہ ایک لحن داؤدی ہے جس کے سننے کے طیور و حوش۔جن و انس سب مشتاق ہیں اگر انھوں نے اُس میں درد پیدا کر دیا ہے تو چوٹ کھائے ہوے دلوں پر وہ جذبات سنان و نوک نشتر کا کام دیتے ہیں اور اگر انبساط کا ارادہ کیا ہے تو آنکھوں میں کشت زعفران کی بہار کا نقشہ کھنچ جاتا ہے مثلاً

شب ہجر تھی اور میں رو رہا تھا   کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا

واقعات شب ہجر کا یہ شعر ایک مکمل فوٹو ہے جس سے بہتر مشکل ہے۔
بیسروسامانی۔ بےبسی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں۔

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہوگیا — چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگیا

سعدی کے شعر کا اس سے بہتر اردو میں ترجمہ نہیں ہوسکتا۔

"دوچارۂ کار بندہ داند — چوں ہیچ وسیلتش نہ ماند"

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہوجائیگا — ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدا ہوجائیگا

سچ ہے کہ اہلِ درد جہاں ہوتے ہیں وہیں سوگ پھیل جاتا ہے اسی مضمون کو اپنے رنگ میں میر درد ادا فرما گئے ہیں اور کیا خوب فرمایا ہے۔

نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغض ہووے — دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو

ایضاً فارسی — در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را — افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

تعشق — دل جو مرجائے ہمارا تو کرے کون آہیں — سوگیا جاگنے والا شب تنہائی کا

سبحان اللہ ایسے پاکیزہ جذبات کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مصرعہ ثانی اسقدر لطیف ہے کہ ہزار بار پڑھ کر بھی جی نہیں بھرتا

تھا کبھی دور اسیرانِ قفس کا صیاد — اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا
ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد — عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر
کل نہ ہم ہونگے مسیحا نہ یہ بیماریِ دل — آج بس اور بھی تکلیف پرستاریِ دل
لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا — آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں
جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رویوں کو — رہیں ٹھنڈے دل اُنکے آگ جو گھر گھر لگاتے ہیں

اسی مضموں کو کسی دوسرے شاعر نے بھی ادا کیا ہے

خدا خوش رکھے دل میں اپنے روبرو کرانے والے کو — زمانہ بھر کی راحت دے مرے تڑپانے والے کو

دونوں مذکورہ اشعار عاشقی کی شان اور عشق کا معیار کہے جانے کے مستحق ہیں عاشقی

اور بوالہوسی کے درمیان ایک ضروری تفریق پیدا کر دیتے ہیں۔

تعشق۔ مر کے بدنام کیا نام محبت میں نے — منھ پہ کچھ ڈال دو کوئی کہ حیا آتی ہے

ایک اسی قبیل کے مضمون کو مرزا غالب مرحوم ادا فرماتے ہیں۔

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں — ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

تعشق۔ بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کیلیے — روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لیے

ہم بہل جاتے ذرا زندہ جو ہوتا آج قیس — دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رولانے کے لیے

ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں — برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اٹھانے کے لیے

مندرجہ بالا اشعار کے درد۔ سوز گداز کی تعریف غالباً فضول اور بیکار ہے یہ خود وہ نشتر ہیں کہ جن سے دل زخمی ہو جاتے ہیں۔ سید صاحب کے تھوڑے سے کلام میں اسی قسم کے اشعار درد انگیز اور بھی ہیں جو بخیال طوالت نہیں لکھے جاتے۔ اب ہم آپ کو اُن کے اُس کلام کا نمونہ دکھاتے ہیں جو بخیال معانی اور بلاغت کے دنیائے شاعری میں ستارہ بن کر چمک رہے ہیں۔

سہو۔ الٹی ہر خانۂ صیاد سے گلشن کیسا — ناز پرورد قفس ہوں میں نشیمن کیسا

لا اعلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ — آنکھ ہی کھولی ہے ہم نے خانۂ صیاد میں

تعشق۔ یوں تو حرف خط تقدیر نہیں مٹنے کا — آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

دل پُر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے — پھول دیکھا ہے کبھی لالہ صحرائی کا

تشبیہ بالکنایہ نے شعر میں ایک خاص بات پیدا کر دی ہے۔ لالہ سے پھول کی مطابقت ایک معمولی بات ہے مگر لالہ صحرائی دوسرا رنگ دے رہا ہے۔

کشاں کشاں مرا لاشہ تو لیگئے احباب — نکل کے رہ گئی قالب کے یار میں روح

خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی — ہم ایک قطرہ خوں تھے زبان خنجر پہ

یاد ہے تشنہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کس کی — غش تجھے اے دل بیمار چلے آتے ہیں

وحدانیت کا مضمون۔ اور تمہید۔ آلٰہی کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں۔ ؎

مجھ سے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو — میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

وحشت کے مضامین اگرچہ بالعموم سب شعرا لکھتے ہیں مگر سید صاحب نے ایک خاص رنگ اُن میں پیدا کیا ہے ملاحظہ ہوں۔ ؎

دلِ وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز وحشت زا — بغل میں تیرے دیوانے لیے پھرتے ہیں صحرا کو

ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی — اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

سید صاحب کے اشعار میں جتنا کہ انقباض کا پہلو موجود ہے اسقدر اُن کی شاعری میں انبساط کا لطف نہیں ہے اور اگر ہے تو شاذ جو کالمعدوم ہے حالانکہ یہ صنف بھی بعض مشاہیر کا خاص رنگ ہے مگر اسکے سوا بھی دوسرے شعرا کے یہاں دوسرے رنگ بھی موجود ہیں اور شوخی و ظرافت کا ان کے یہاں موجود نہونا کچھ تعجب سے نہیں ہے اس واسطے کہ عموماً مرثیہ گو شعرا کی شاعری میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے۔

معشوق کی حیاداری اور رشک رقابت کو ایک خاص طرز کے ساتھ ادا فرماتے ہیں ؎

زخم اے جراح ہیں اس شرمگیں کی تیغ کے — آئیو منھ پھیر کر ٹانکے لگانے کے لیے

اسی طرح کے ایک مضمون کو مرزا غالب مرحوم ادا فرماتے ہیں۔ غالب

نظر لگے نہ کہیں اُسکے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

نقش۔ چنکے افشاں بام پر آیا جو تولے رشک ماہ — چاندنی میلی ہوئی ہے تو تارے ہو گئے

ظفر دہلوی۔ چن کے افشاں بام پر مت جائیو بہر خدا — چاندنی چھو جائے گی میلا بدن ہو جائیگا

چونکہ دونوں مضمون کچھ آپس میں متحد ہیں اس واسطے ہم نے یہ شعر لکھدیا ہے اس سے مقابلہ مراد نہیں ہے بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دو اُستاد جب ایک مضمون کو باندھتے ہیں تو قوتِ متخیلہ صفت ممیزہ اس میں کیونکر پیدا کر دیتی ہے۔ اور غالب

رنگ کیا فرق ظاہر کر دیتا ہے سید صاحب کے ایک زبردست شاعر ہونے میں شک کرنا کفر شاعری ہے مگر یہ کہ دہلی کے کسی اُستاد نے اُس اچھے طریقہ سے ان کے مضامین کو ادا ہی نہیں کیا۔ اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ چند شعر اس طرح کے اور بھی لکھ دیں تعشق مرحوم نے ایک شعر لکھا ہے اور اسمیں اُنھوں نے خاکہ کھینچ دیا ہے بلکہ محاکات شاعری کا اُسے بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اُسی کے بعد دہلی کے ایک اُستاد کا اسی زمین میں شعر لکھیں گے

تعشق راہ میں صاحب اکسیر کھڑے ہیں مشتاق — خاکساران در یار چلے آتے ہیں
دہلوی۔ جھومتے جھامتے میخوار چلے آتے ہیں — بھیگتے بھاگتے سرشار چلے آتے ہیں
تعشق۔ اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں — درد دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی
غالب۔ رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
تعشق۔ فرش ہو جاتی ہیں تم پاؤں جہاں رکھتے ہو — ادب آموز محبت ہیں ہماری آنکھیں
تصویر دہلوی۔ تو نے جس جا پہ قدم رکھ کے اُٹھایا ظالم — رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر

ہم اس قسم کے بہت سے اشعار نقل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مگر چونکہ اس سے طوالت مضمون کا اندیشہ ہے اسلیے صرف اس مختصر فقرۂ عبارت پر مضمون کا خاتمہ کرتے ہیں۔ سید صاحب مرحوم ایک فصیح زبردست شاعر تھے جودت تخئیل۔ سوز و گداز درد۔ حسینی مضامین روزمرہ محاورات استعارات و بدیع تشبیہات سب کچھ ان کے کلام میں موجود ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اُنکے مثل اساتذۂ دہلی میں کوئی نہیں ہوا۔ دہلی والوں کی دل آزاری کے سوا اور کچھ نتیجہ نہیں رکھتا۔ فوق کل ذی علم علیم۔

اُن کا جس قدر کلام موجود ہے وہ اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہے۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدیدست صنادید عجم را

منور دہلوی

خیالاتِ معرفت

خواب غفلت سے خبردار ہو کچھ سعی کرو — غیبی امداد کے خواہاں رہو بہرِ اتمام
اپنی ہستی پہ نظر ڈالو ذرا غور کرو — اپنے مرکز کی طرف آؤ کہ ہو نیک انجام
اپنی ملت کے فرائض کو کرو دل سے ادا — نہ رکھو غیر کی تقلید سے ہرگز کوئی کام
دوڑو میدان ترقی میں مگر یوں دوڑو — صورت سبزہ نہ پامال ہو مذہب تہِ گام
رہتے ہو دفتر منسوخ میں جو یا جن کے — وہ تمہاری ہی کتابوں میں ہیں موجود احکام
زعم میں اپنے سمجھتے ہو جسے تم مذہب — یہ ہے کچھ اور ہی شے اسکا ہے کچھ اور ہی نام
جادۂ منزل مقصود سے کوسوں ہو دور — دیکھو یہ نقش قدم ہیں کہ ہیں نقشِ الزام
کون مسجد میں سنے شورِ اذاں کا جا کر — تم کو دنیا طلبی سے خبر صبح نہ شام
ناتواں بن گئے کاہیدہ ہوئے شکل ہلال — عذر بیجا سے بھلا یا درِ ماہِ صیام
چند محتاجوں پہ چھوڑا ہے خدا کے گھر کو — بیٹھے ہو اپنی جگہ چین سے با صد آرام
بھلا ہو کیا یہی ہے حد کمالِ تعلیم — دل میں باقی نہ رہے خوف خدائے علام
قوم پر اپنی فدا ہو مگر اس طرز سے ہو — جو کہ جاری کیے محبوب خدا نے احکام
تم سے روحانیت اسلام ہوئی کوسوں دور — کہنے کو ہے زباں لیتے ہیں اللہ کا نام
سنگ بنیاد رکھو مدرسۂ علم کا جب — دل سے گرتی ہوئی مسجد کا نہ جائے اکرام
ہائے معذور ہوئے عذر انانیت سے — ہفت اقلیم شریعت کے ہیں جو جو احکام
دست بوسی کا تو کیا ذکر وہ دور آ پہنچا — ہاتھ اٹھتا ہی نہیں دور سے بھی بہر سلام
ہو گئے آج بہتر سے زیادہ فرقے — ایک توحید پرستی میں ہزاروں ہیں کلام
جب طبائع میں ہوں یوں فرق تو پھر میل کہاں — یکدلی کیسی یہی ہے جو ہجوم اوہام
نقص معبد کے ہمیں دیتے ہیں فتوے چھپ کر — ہیں مسلم ہمیں یا بندہ رہنا سے اصنام
محشر اس دور میں کب تک کوئی خاموش رہے — تا کجا ضبط فغاں اور ہجوم آلام

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
خود مسلمانوں کی گردن پہ ہے خونِ اسلام

[illegible]

تلاشِ عیش

(سلسلے کے لیے گزشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۴)

نئی بات کی اچھائی برائی فوراً نہیں معلوم ہوتی۔ ایک طرز زندگی کو بدل کر انسان دوسرا طرز زندگی اختیار کرتا ہے تو فوراً نہیں کہہ سکتا کہ پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ۔ مطالب علمی سے نکلکر انسان جس وقت دنیا کے کاموں میں داخل ہوتا ہے اس کو دنیا کی تکالیف و پریشانیوں کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض چیزیں جو شروع میں خوشگوار نظر نہیں آتیں کچھ دنوں بعد باعث اطمینان و مسرت ہو جاتی ہیں نئی چیز سے مقابلہ کے وقت انسانی دماغ میں ایک قسم کی ہلچل و بیچینی ہوتی ہے۔ اپنی اصلی کیفیات دماغی کے ساتھ نئی چیز جانچی نہیں جاتی بلکہ کسی فوری کیفیت کے اثر سے وہ اچھی یا بُری نظر آنے لگتی ہے۔

مولوی فریدالدین جوان بیوی پاکر کچھ دنوں بالکل ہی فریدالدین ڈپٹی کلکٹر رہے۔ یہاں تک ہوا کہ اپنے جوان کمسن سالوں سے دل لگی تک کرنے لگے دنیا گواہ ہے کہ یہ حرکت اپنی زندگی میں انھوں نے اس سے قبل کبھی نہیں کی تھی کچہری کے اوقات میں بھی اب وہ خوش و خرم نظر آتے تھے۔ گواہوں تک سے بعض وقت مذاق کر بیٹھتے تھے۔ چونکہ فن لطیفہ گوئی اور مذاق سے طبیعی مناسبت نہ تھی اس لیے ان کی دل لگی نہایت بھونڈی اور بے مزہ ہوا کرتی تھی لیکن کچہری والے اسی کو بہت غنیمت سمجھتے تھے ہنسی نہیں آتی تھی تاہم ہنستے تھے۔

مولوی فریدالدین کی زندگی کا یہ ایک نیا رخ تھا۔ یہ رخ انسانی زندگی کا

جتنا کہ مضحک ہے اتنا ہی ترس کے قابل بھی ہوتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اپنے کو ایسا بنا کر دکھائے جیسا کہ وہ نہیں ہے۔ یہ کوشش ناکامیاب ہوتی ہے۔ کچھ بنائے نہیں بنتا۔ مولوی صاحب چاہتے تھے کہ بیوی کی ایسی جوان طبیعت کا میں بھی ہو جاؤں تاکہ رشتہ بے جوڑ نہ معلوم ہو۔ حسینہ ذرا ذرا سی بات پر ہنستی تھی اور دل کھول کے ہنستی تھی۔ یہ حرکت ان کو تو معلوم ہوئی مگر سمجھے کہ سن کا اقتضا ہے کوشش شروع کی کہ مجھے بھی ہر بات پر ہنسی آئے ظاہر ہے یہ کوشش کیونکر کامیاب ہوسکتی تھی۔ بجائے ہنسنے کے یہ ہوا کرتا تھا کہ جا اور بیجا سوکھے ٹھٹھے لگایا کرتے تھے اور ٹھٹھے کے بعد فوراً تو کی ایسی سنجیدگی چہرہ پر آجاتی تھی۔ ایک صحیح اور تندرست قہقہہ یکایک نہیں رکتا ترتیب کے ساتھ اسکی آواز اور چہرہ پر کا اثر کم ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کی ہنسی ایسی تھی جیسے سوکھی لکڑی کو کسی نے توڑ ڈالا۔ چرسے آواز آئی اور کچھ نہ تھا۔ غرض یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنی بیوی کے حسن و جوانی کو پسند کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسکا چاہنے والا بنوں۔ مگر محبت کی قوت و قابلیت بھی ان میں اول تو فطری طور پر نہ تھی پھر زندگی نے اس قابل بھی نہ رکھا تھا کہ بہروپ قائم رکھ سکیں مگر اس میں شک نہیں کہ دو سال مولوی صاحب نے نفس پر دل کھول کے جہاد کیا۔ ہر چیز سے دلچسپی لینے کی کوشش کرتے تھے جو ان کے واسطے بالکل نئی اور عجیب بات تھی۔ اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ حسینہ کو ان سے نفرت نہیں ہونے پائی۔ بعض وقت تو ترس اور رحم آجاتا تھا۔ ایک روز حسینہ نے اپنی ہمجولیوں کو بلایا۔ باتچیت دل لگی ہنسی میں رات کے دس بج گئے۔ مولوی صاحب نو بجے سو رہنے کے عادی تھے کوشش یہ کی کہ سب کے ساتھ میں بھی جاگوں۔ اعضا نے جواب دیا۔ گردن میں استرخا پیدا ہونے لگا۔ منٹ منٹ پر اونگھ آتی تھی اور سر

زانو پر گر جاتا تھا۔ لڑکیوں کی یہ حالت تھی کہ ہنسی کے مارے لوٹی جاتی تھیں۔ حسینہ کو شرم آئی۔ میاں کا شانہ ہلا کے کہنے لگی "تم جا کے سو کیوں نہیں رہتے"

مولوی صاحب۔ نہیں ابھی تو کوئی ایسی رات نہیں آئی۔ تم لوگ بیٹھی ہو میں بھی بیٹھا رہوں گا۔

بیوی۔ نہیں تو اس سے فائدہ کیا۔ نیند کے مارے جھونکے لے رہے ہو۔

میاں۔ مجھے تو ابھی نیند نہیں آئی۔

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ لڑکیوں کو مولوی صاحب نے خود کوشش کر کے گستاخ کر لیا تھا اس لیے انھیں بھی کوئی بات کہنے میں باک نہ ہوتا تھا۔ ایک کہنے لگی "دولہا بھائی آپ بیٹھے رہیے۔ حسینہ کو بکنے دیجیے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ہم لوگ تماشا نہ دیکھیں"

مولوی صاحب۔ تماشا کیسا۔

لڑکی۔ یہی کہ آپ جھوم رہے ہیں۔

یہ بات مولوی صاحب کو بہت ناگوار ہوئی۔ کہنے لگے "تم لوگ بہت بیباک ہو گئے ہو" بلکہ کچھ ایسی نیلی پیلی آنکھیں دکھائیں کہ کل لڑکیاں اتر گئیں اور فوراً ایک خاموشی پوری صحبت پر طاری ہو گئی۔

اس واقعہ کے بعد سے مولوی صاحب نے لڑکیوں سے ہنسنا بولنا ترک کر دیا اور ان کی زیادہ آمد و رفت کو بھی اچھی نظر سے وہ نہیں دیکھتے تھے مگر بیوی کی خاطر سے کچھ کہتے نہ تھے۔ بیوی کے دل پر اس واقعہ کا اثر گہرا نہ تھا اس نے اس کو معمولی بات سمجھا۔ لڑکیاں بھی کچھ دنوں بعد بھول گئیں بلکہ ایک طور پر تو خوش ہوئیں کہ ان کی صحبت زیادہ آزاد اور زیادہ یک رنگ ہو گئی مولوی صاحب کی شرکت سے سب کے دل جیسا کہ چاہیے نہیں کھلتے تھے حسینہ کو

اس کا خیال تک نہ گذرا کہ یہ بظاہر حقیر واقعہ اُس کی اور اُس کے شوہر کی باہمی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے والا بن جائے گا۔

دو سال تو اس نئے رنگ میں کٹ چکے تھے۔ ایک سال اور بھی اسی رنگ میں کسی نہ کسی طرح گذرا۔ مگر پہلے دو سال عروج کے تھے تیسرا سال زوال کا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ طبیعت کے خلاف باتیں برداشت تو کی گئیں مگر جبر و اکراہ کے ساتھ۔ اس سال بیوی کو بعض باتوں پر چشم نمائی بھی کی گئی۔ اسکی دل کی خوشی میں رکاوٹیں بھی پیدا کی گئیں۔ اور بھی طرح طرح کی باتیں ظاہر ہوئیں جن سے رنگ غیر حقیقی کے زائل ہونے کے آثار نمایاں تھے۔ اس پچھلے سال میں نوی صاحب میں ایک ایسی چیز کا اضافہ ہوا جو اس سے پیشتر ان کی طبیعت میں نہ تھی یا کم سے کم نمایاں نہ تھی۔ وہ کسی جوان مرد کی صورت بغیر دلی تکلیف کے انہیں دیکھ سکتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ کوئی جوان بیوی اپنے میاں کا ذکر تعریف کے ساتھ کرے تو انھیں ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ بلقیس سے وہ اسی وجہ سے ناخوش تھے کہ وہ اپنے شوہر اکبر کا ذکر حسینہ سے بہت زیادہ کرتی تھی۔ بلقیس نئے زمانہ کی جوان عورت تھی۔ اس میں نئے زمانہ کی خوبیاں بدرجۂ کمال موجود تھیں لیکن شوہر کے اثر سے وہ خوبیاں اپنی اصلی صورت میں بہت کم ظاہر ہونے پاتی تھیں۔ اکبر علیگڈھی دور کا نوجوان تھا۔ علیگڈھی دور سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا آغاز علیگڈھ کالج کے افتتاح کے وقت سے ہوا۔ اور جو انشاء اللہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ اس دور کی پیداوار وہ اصحاب ہیں جو ترقی انسانی کا معیار یہ سمجھتے ہیں کہ بہت سا روپیہ کمائیں صرف اس واسطے کہ انگریز بننے میں سہولت ہو۔ اس دور کو انگریزیت پرست دور کہا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔

اس دور کے خصوصیات عجیب و غریب ہیں مثلاً ایک یہ کہ اچھے کام بُری غرض

کے واسطے کیے جاتے ہیں۔ تعلیم اس واسطے حاصل کی جاتی ہے کہ انگریز تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اگر تعلیم نہ حاصل کریں گے تو انگریزوں کے ایسے نہونگے جسمانی ورزش کھیل کود وشکار اس لیے مرغوب ہے کہ انگریز اس پر جان دیتے ہیں۔ قومی ترقی کے کاموں میں شرکت کا شوق اس لیے ہے کہ انگریز محب وطن اور شیدائے قوم ہوا کرتے ہیں۔ غرض کہ جو تحریک اور جو کام ہے وہ صرف اس لیے کہ انگریزیت اس میں ہے۔ اکبر اپنے ہم زمانہ لوگوں کی طرح چھچھورہ آدمی تھا مگر دلچسپ اور خوبصورت۔ اس کے دماغ میں عمق نہ تھا۔ اچھائی بُرائی یا خوبصورتی بدصورتی کا خیال اسکے دماغ میں اپنا ذاتی نہ تھا۔ جو انگریزوں یا انگریز نما ہندوستانیوں کا خیال تھا وہی اس کا بھی تھا۔ بیوی اسکو پسند کرتی تھی مگر دل سے قدر نہیں کرتی تھی مولوی فریدالدین میں اگرچہ اعلےٰ دماغی شائستگی نہ تھی لیکن چھچھوراپن اور مصنوعی بے مغز انگریزیت نہ تھی۔

اکبر سے وہ بیزار اسلیے تھے کہ وہ جوان اور خوبصورت آدمی تھا اور اسکی بیوی اسکو چاہتی تھی مگر ظاہر یہ کرتے تھے کہ وہ اس وجہ سے اُسے پسند نہیں کرتے کہ وہ چھچھورا ہے اور انگریز بنتا ہے۔ اس کی ہر بات انھیں بُری معلوم ہوتی تھی اور دلی خواہش یہ تھی کہ وہ گھر میں نہ آیا کرے۔ مگر مجبور تھے ان کی حقیقی بہن کا بیٹا تھا اور اس نئی شادی سے پیشتر وہ اس کو چاہتے بھی تھے۔ اس کا باپ بھی بڑے درجہ کا آدمی تھا۔ ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر ایک ریاست میں وزارت کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اکبر اپنے ماموں کے گھر میں جا کر حسب معمول شیخی کی باتیں کیا کرتا تھا ایسی جو عام طور پر عورتوں کو پسند ہوا کرتی ہیں مثلاً یہ کہ میری بیوی نے ایک پارٹی دی جس میں بڑی بڑی میمیں آئیں۔ فلاں انگریز میرا دوست ہے اس کی بیوی نے انگریزیں سمجھیں۔ میں نے اپنی بیوی کے واسطے ایک موٹر کار لے دی ہے۔

میرا تو دل چاہتا ہے کہ وہ خود چلا یا کریں جبتک شام کو میاں بیوی ہوا خوری کے واسطے نہ نکلیں اس وقت تک زندگی کا لطف نہیں ہے۔ میں تو اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ پردہ کی رسم کو ترک کریں۔ اس پردہ کی وجہ سے مجھے اپنے انگریز دوستوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔ حسینہ ان لطف کی باتوں سے مسرور ہوتی تھی۔ ہر جوان عورت مزے دار زندگی کو پسند کرتی ہے۔ ایک روز اکبر اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ مولوی صاحب دوسرے کمرہ میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے۔ ان باتوں سے دل ہی دل میں جل رہے تھے۔ میاں اکبر زوروں میں جو آئے تو کہنے لگے کہ ان بڈھوں کی وجہ سے ترقی نہیں ہو سکتی" مولوی صاحب سے اب صبر نہ ہو سکا بے تحاشا کمرہ سے باہر نکل آئے اور اپنے اصلی غصہ کے چہرہ کی جھلک دکھائی اور کہنے لگے "تم نالائقوں کا اگر بس چلے تو اپنی بہنوں اور بیویوں کو انگریزوں کے سپرد کر دو کہ اپنی بغلوں میں لیے گھومیں"

اکبر۔ ماموں جان تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ "بھئی تم میرے گھر میں ایسی بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں نہ کیا کرو"

اکبر۔ خفگی اور غصہ کی تو دوسری بات ہے کوئی عقلی وجہ تو اسکے خلاف مجھے نظر نہیں آتی۔

مولوی صاحب توجیہات عقلی کا مصرف صرف قانون لگان اور تعزیرات ہند میں ضروری سمجھتے تھے۔ گھریلو زندگی اور معاشرتی مسائل میں اس کی ضرورت کبھی انھیں محسوس نہیں ہوئی تھی اس لیے اکبر کا مقابلہ نہ کر سکے حالانکہ اکبر کے دلائل زیادہ مستحکم نہ تھے۔ مجبور ہو کر انھوں نے اپنے کہے ہوئے جملہ کو دہرایا کہ "میرے گھر میں ایسی بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں نہ کیا کرو"

اس میں یہ اضافہ کردیا کہ تمہارا طرز عمل عقلی طور پر کتنا ہی ٹھیک ہو لیکن میں اُسے نہایت درجہ ناپاک اور شرمناک سمجھتا ہوں۔

اکبر۔ یہ تو جناب ماموں صاحب قبلہ ایک شریف آدمی کو اپنے گھر میں ذلیل کرنا ہے۔ انگریزوں میں کوئی شخص ایسی بات کسی کی بابت کہدے تو ریوالور نکل آئیں۔

مولوی صاحب۔ میں تو آپ جانتے ہیں کہ انگریز نہیں ہوں اور نہ آپ کو انگریز سمجھا تھا۔ اب معلوم ہوگیا آیندہ سے احتیاط کروں گا۔

(باقی آیندہ)　　عبدالوالی

"دیکھنا نہیں چاہیئے"

تقریباً آج سے آٹھ سال قبل رسالہ مخزن میں بہ عنوان " آہ یہ نظرین " ایک مضمون ہماری نظر سے گذرا مضمون کیا تھا دہکتے انگاروں کا ایک انبار تھا جس کے بھڑکتے شعلوں نے ایک نہیں کئی بیسیوں نہیں سینکڑوں مظلوم و معصوم سچے محبت بھرے دلوں کو جلایا تھا۔ اُف اُف اس وقت کا اندازہ اب نہیں ہو سکتا کہ اس تحریر کے ایک ایک فقرے نے بلکہ ایک ایک لفظ نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ تپش وہ سوزش وہ بے چینی و لاعلاج درد پیدا کردیا تھا جس سے بیتاب ہو ہو کر ان بیدردوں (مردوں) نہیں اپنے باپ بھائی بیٹوں کیلئے دعائے سلامتی وخیر منگوائی تھی۔ بیقرار و مضطرب ہو ہو کر شادی شدہ بیبیوں نے اپنے شوہروں (اس لئے کہ عام طور پر ہندوستانی مردوں کی اخلاقی حالت بہت ہی ابتر و قابل نفرین ہو رہی ہے جس سے سینکڑوں ہزاروں گھر دوزخ کا نمونہ بن رہے ہیں)

کو کوسا نہیں ان کے حق میں بد دعا نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ محبت کی دعائیں کرائیں
اور اپنی قابل افسوس و ترحم حالت پر آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا۔ کیونکہ تقریباً سب ہی
عفت مآب و جان نثار بیبیاں اس ظلم کا شکار ہو رہی ہیں۔ اس تحریر نے اون کے
پکے ہوئے دلوں کو ٹھیس لگا دی تھی ان کے زخموں پر نمک پاشی کی تھی زیادہ یوں
کہ ہم اعلےٰ تعلیم پھیلنے سے خوش ہو رہی تھیں کہ اب ہمارے دن پھر ینگے۔ تعلیم یافتہ ہوکر
ہماری قسمتوں کے مالک ہمارے حقوق ادا کرنے لگیں گے۔ ہماری محبت سچی وفاداری
و ثابت قدمی ہمدردی و جان نثاری کی قدر کرتے ہیں اپنے دلوں میں جگہ دینگے
ہم تو یہ خوشیاں منا رہے تھے کہ آہ اپریل ۱۹۰۹ء کے رسالہ مخزن نے ہمارے پُر
حسرت و پُر امید دلوں کی تمناؤں کو یاس سے بدل دیا۔ اور ہمیں سمجھ لینا پڑا کہ آج
سے پچاس سال قبل جو حالت تھی وہی ہے اور آئیندہ رہیگی۔ اعلےٰ تعلیم کی روشنی
سے ملک منور ہو جائیگا۔ جہالت کی گھٹا ہندوستان سے ہٹ جائیگی۔ مگر آہ ہمارے
بخت سیاہ کی ظلمت نہ ہٹیگی۔ کیونکہ آجکل کے یلدرم کوئی کم عقل جاہل نہیں ہیں
بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ سمجھدار روشن دماغ۔ زمانہ شناس ریفارمران قوم میں ان کا شمار
ہوتا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ جس یلدرم کی نگارشِ قلم نے اک قتالۂ عالم کی
تعریف کی ہے وہ بھی کوئی اعلےٰ تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی دقیق تحریر اس کی
قابلیت علمی و شاعرانہ مذاق کا بھی اظہار کرتی ہے۔ خدا نے [illegible] کو ایک محبت سے
لبریز محبت کا قدردان و سچا چاہنے والا دل عطا کیا ہے۔ [illegible] عصمت
مآب فرشتہ خصلت کو چاہتا تھا) مگر افسوس کہ ملک کی بگڑی ہوئی اخلاقی حالت نے
اوسے بھی آلائش زمانہ سے پاک و صاف نہ رہنے دیا۔ [illegible] کا قدردان ہوا
ساتھ ہی گانے والی پر عاشق۔ وہ خود اچھے برے کو سمجھتا اور ہر طرح کی تمیز کرسکتا ہی
مگر دل سے بے قابو ہے۔ یہ سوچ سوچ کر ہم اس مضمون کی [illegible] الیاں خوب

روئیں - شاید پوچھا جائے کہ تم کیوں روئیں؟ روئے تو اس کی بیوی - اوروں کو کیا؟ یہ درست - مگر ہم سب یوں روئیں کہ یہ نمونہ ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ گروہ کا زندہ نظیر ہے تعلیم پاکر بھی نہ سنبھلنے والے سنگدل و بے سمجھ ہمارے قسمت کے مالو نکی - اب ہم کیا امید باندھیں؟ اور کسی اچھے آنے والے زمانہ کا انتظار کریں؟ آہ ظلم کی بھی ایک حد ہے صبر کا بھی ایک وقت - ہم کب تک صبر کریں؟ صبر کے بعد آخر کیا ہے؟ قبر - ہم اس لئے روئیں - اس لئے بیقرار و مضطرب الحال ہوئیں تھیں کہ اس تحریر نے ہمارے پُرامید دلوں کو پامال کر دیا تھا -

اس مضمون کے کچھ عرصہ بعد "مجھے دیکھا کیوں" کے ہیڈنگ سے ایک اور آرٹیکل نکلا - اس کو بھی ہم سب نے لکھنے والے کے حق میں دعائے خیر کر کے پڑھا اور چپ ہو رہیں - یوں تو ہماری دعائیں بے اثر و آہیں نارسا ہیں ہی - مگر خدا نے اس دنیا سے حق و انصاف کو ابھی بالکل نہیں اٹھالیا - یوں تو ہزاروں لاکھوں یلدرم کے ہمخیال وہم مشرب اشخاص ہیں لیکن حق و انصاف بھی ابھی ناپید نہیں ہو گیا ہے - اس بگڑے و راہ راست سے بھٹکے ہوئے مردوں کے غول میں کچھ راست گو و حق پسند و منصف مزاج انسان بھی موجود ہیں - خدا عمر نوح عطا کرے اور ترقیٔ درجات دے ہمارے خیر خواہ بھائی "رجالی" کو جس نے یہ جتا دیا کہ ابھی ایمان دنیا میں باقی ہے پورے آٹھ سال بعد آج رسالہ تمدّن میں ہمیں وہ تحریر دیکھنے کو ملی جس نے کھلے ہوئے مجروح دل کے زخموں پر مرہم کا کام دیا ٭

اس وقت سینکڑوں نہیں ہزاروں مظلوم دلوں کی دعائیں نکلیں اس ایماندار خوش اخلاق نیک اللہ کے بندے رجالی کے حق میں جس نے جانی نہیں روحانی دشمن مُغنیہ نہیں لعینہ کے حُسن و اخلاق و کمال موسیقی پر بہت اچھا اور مناسب حال ریویو کر کے اپنی صدہا مظلوم بہنوں کو زیر بار احسان کیا ہے - آہ ہم مر رہے ہیں تباہ ہو رہی

ہیں ہماری دولت جس کے ہم حقیقی مالک ہیں۔ ناحق اُسی گروہ بازاری کے ناجائز مصرف میں آ رہی ہے۔ وہ دل جن میں ہماری محبت بھری ہونی چاہئے تھی۔ اُن کی ناپاک الفت سے لبریز ہو رہے ہیں۔ ایک نیک بی بی چاہنے والی جان دیتی ہے۔ جس کی پرواہ نہیں اور اور ایک بدکردار بے وفا قطامہ کے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔ اچھی سے اچھی نیک بخت وفادار حسن کی دیویاں بیٹھی رو رہی ہیں۔

سلگ سلگ کر زندگی کاٹتی ہیں۔ اور شوہر بے حیا بے وفا طالب زر بدعورتوں کے دام فریب میں گرفتار ہیں۔ اس مصیبت کا اندازہ ایک مرد کا دل نہیں کر سکتا لیکن ایک پتھر سے پتھر دل کا فرسینہ عورت ہی بخوبی کر سکتی ہے۔

عزیز بھائی "رجالی" خدا نے تم کو ایک عورت کا دل دیا ہے تم اپنی بہنوں کے حق میں فرشتۂ رحمت ہو۔ مگر مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے اُس بدکردار مغنیہ کے جواب میں تم نے کہا ہے "ہاں دیکھا" یہ ٹھیک نہیں۔ اس جواب سے ایک طرح کی ڈھٹائی و بیحیائی پائی جاتی ہے۔ گو مدت کی دیدہ دلیری و بےشرمی کو رواج دے لینے سے ناشایستہ و ناجائز کام مردوں کے لئے اسقدر معیوب نہیں خیال کئے جاتے جسقدر کہ عورت کیلئے لیکن اگر غور کرو تو شرعاً مرد کو بھی ویسا ہی باعصمت اور نیک چلن رہنا لازمی ہے جیسے عورت کو۔ مگر چونکہ تمہارے فرقے میں پردہ لازمی نہیں ہے اس لئے زیادہ بیحیائی و بیباکی و خود مختاری سے فرقۂ ذکور میں زیادہ عیوب کا دخل ہو گیا۔ اور وہ اسقدر عام ہوا کہ ذرا معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔ ہاں مردوں نے اپنی خود مختاری سے اسقدر ناجائز فائدہ اٹھایا کہ بیچاری اپنی دست نگر و محکوم عورت کو بالکل ناحق کر دیا۔ اور اب یہ زور و ظلم ہے کہ "ہم بُرا کریں تو تم بُرا نہ مانو۔ ہم ماریں تم اُف نہ کرو" خیر عورت نے سہا اور سہلیگی۔ مگر نصیحت کرنے والوں کو تو یہی سمجھانا اور بتانا چاہیئے جو خدا اور رسول کریم نے فرمایا ہے بھائی "رجالی" بجائے اس کے کہ تم نے "ہاں دیکھا" لکھا "دیکھنا نہیں چاہئے"

کی نصیحت کرنی چاہئے تھی۔ بُرے کاموں میں پھنسکر نیک رہنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے
ناچ مجرے کے بُرے نتایج کی سینکڑوں تباہ شدہ مثالیں نظر آتی ہیں +

جس گھر کے وارث نے اس کوچہ برباد گریں قدم رکھا اُس کا گھر ویران اور بال بچے تباہ ہوئے۔ اس قسم کے عبرتناک حالات کا مفصل بیان کرنا فضول طوالت ہوگی سب جانتے ہیں۔ وعظ کرنیوالوں کو یہ منادی کرنی چاہئے کہ ناچ اور ناچنے والی کو دیکھنا جیسے شرعاً حرام ہے۔ ویسے ہی تعلیم یافتہ مہذب۔ مرد بھی خلاف تہذیب وعقل خیال کرکے ناجائز قرار دے لیں۔ نہ اُس دشمن ایمان فرقہ کی ہوش رُبا و دلفریب شکلیں دیکھیں اور نہ ان کی سحر آفرین آوازسنیں۔ تب تو اس بلائے بے درماں کے زخم دہ پنجوں سے ہماری جانیں بچ سکتی ہیں۔ اور ہماری صحت و دولت وعقل محفوظ۔ ورنہ کسی طرح ممکن نہیں۔ کیا دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ ایک نیا گھر بنتا ہوا اُجڑا یعنی اس کی سچی خوشی کھوئی گئی۔ دُلہن دولھا میں اول دن سے نفاق پیدا ہوا۔ وجہ یہی کہ شادی میں تباہ کن پابندی کے خیال سے ناچ رنگ ہوا۔ قرض لیکر بڑی بڑی نامی اچھی گانیوالیاں بلائی گئیں۔ جن کے دام تذویر میں اور تو اور خود نوشہ ہی گرفتار ہو گئے۔ اور دلھن بیچاری کے اول دن سے دشمن +

اسی طرح کے سچے چشم دید واقعات لکھنے کو تو اتنے ہیں کہ ایک موٹی کتاب بنجائے۔
حقیقت حال یہ ہے کہ ملکی وقومی بہبودی و سرسبزی کیلئے جہاں اور لاکھوں تدبیریں کی جارہی ہیں۔ سب ناکمل رہینگی جبتک کہ سب سے اول قوم کے اخلاق نہ سدھارے جائینگے ہمارے مردوں کی اخلاقی حالت سخت قابل افسوس وملامت ہے۔ کتنی ہی کانفرنسیں بنیں اور دنیا بھر کی اصلاحیں کریں کوئی کارگر نہ ہوگی۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر "صیغہ اصلاح تمدن" قایم ہوجانے سے ہم نے ایک اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اور پھر اپنے اچھے دنوں کی امید لگائی تھی۔ مگر کوئی کیا کرسکتا ہے۔ جبتک ہمارے بختوں کی سیاہی نہ مٹے۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ شعبہ کانفرنس بھی نیست ونابود ہوگیا جس سے ہمارے

ناتوان دل بالکل ہی لوٹ گئے۔ اب نہ اس اصلاح کے لئے کوئی انجمن ہے نہ کوئی اسکا مخالف فرقہ۔ بعض آدمی اپنے تئیں ریفارمر قوم ثابت کرنے کے لئے اپنے یہاں کی تقاریب شادی پر ناچ رنگ نہ کرکے اس کی اطلاع اخبارات میں دیکر تعریف کے مستحق ہو جاتے ہیں لیکن انہیں اصحاب کے متعلق پھر یہ سننے میں آجاتا ہے کہ پرائیویٹ دعوت میں بے تکلف دوستوں کے لئے خفیہ طور پر ناچ و مجرا کرایا گیا۔ افسوس ہے ہماری حالت پر۔ جس قوم کا اخلاق اسقدر بودا ہوگا۔ اس نے کب ترقی کی۔ اے ریفارمران قوم پہلے ہم بے زبانوں کی سنو اور سب سے اول اس کا انسداد کرو۔ اگر یہ کہا جائے کہ قوم موسیقی کی زیادہ شایق ہوگئی ہے تو اس کی طرف بھی خاص توجہ کرو۔ اور مثل دیگر ترقی یافتہ اقوام کے اپنے گھروں میں اس فن لطیف کو رواج دو۔ علم موسیقی جیسی قابل قدر شئے کی کیسا ذلت ہو رہی ہے۔ وہ ایک ردی خلایق و قابل لعنت فرقہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ انتظام ہونا چاہئے کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اپنی بہنوں بیٹیوں کا علم موسیقی میں بھی دخل ہو۔ وہ اسکولوں میں اور گھروں پر ہارمونیم و ستار اور پیانو وغیرہ بجانا سیکھیں جس سے بعد بیوی بننے کے اپنے موسیقی کے مذاقی شوہروں کو محظوظ کرسکیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرز عمل سے بہت کچھ فائدہ ہوگا +

بھائی رحانی آپ اس سبجکٹ پر خامہ فرسائی جاری رکھیں۔ اور دیگر ناظرین تمدن سے رائے لیں۔ گو بہت کچھ آپ کی مخالفت ہوگی۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ موافق بھی نکل آئیگا۔

اس سلسلہ کا نفس مضمون ناچ۔ مجرے کی برائی اور اُس کا بد نتیجہ ہونا چاہئے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے۔ میں اس دعا پر ختم کرتی ہوں۔ فقط

خاکسار
عظمت آرا بیگم

نشاط

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

شام کو جب میں تھیٹر گیا میں نے دیکھا ایک ذلیل ڈراپ سین میرے چہرہ کو تک رہا ہے۔ ادھم تم جانتے ہو کہ کیا تماشا تھا؟

ادھم۔ رہا ہو گا خوبصورت بلا یا دل فروش وغیرہ۔

نشاط۔ نہیں۔ رومیو۔ اور جولیٹ کا تماشا تھا۔ مجھکو یہ دیکھکر سخت تکلیف ہوئی کہ شکسپیر کا بہترین پلے ایسے ذلیل تھیٹر میں ایکٹ کیا جانے والا ہے۔ تاہم مجھکو کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی۔ بہرحال میں نے پہلے ایکٹ تک بیٹھنے کا ارادہ کرلیا۔ پیانو نہایت ذلیل سینری نہایت مبتذل تھی۔ رومیو ایک بھدا۔ بدنظر اور کبیر السن شخص تھا لیکن جولیٹ۔ ہائے تصور کرو۔ ایک لڑکی بہ مشکل ہفدہ سالہ مع اپنے چہرہ گلگوں۔ اپنے رخسار رنگیں اور اپنے طرہ ہائے زلف سیاہ کے۔ اس کی آنکھیں سرچشمہ تسخیر۔ اسکے لب برگہائے نازک گل۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسی خوشنما اور حسین چیز نہیں دیکھی۔ تم نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ سوز وگداز سے تم متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن وہ حسن۔ وہ حسن محض تمہاری آنکھوں کو پرنم کردینے کیلئے کافی تھا۔ ادھم میں اُس لڑکی کو وفور اشک کی وجہ سے بہ مشکل دیکھ سکا۔ اور اس کی آواز۔ میں نے ایسی آواز کبھی نہیں سُنی۔ وہ آواز پہلے پست ومفرور تھی۔ رفتہ رفتہ بلند اور مرکب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نغمۂ ترنم سے لبریز ہوکر صدائے چنگ سے مشابہ معلوم ہوتی تھی۔ اہمیں اس تمام وجد لرزان کی کیفیت تھی جو سپیدۂ صبح کے قبل نغمۂ عندلیب میں ہوتا ہے۔ ادھم تم جانتے ہو آواز انسان کو کیونکر بیقرار کرسکتی ہے۔ تمہاری آواز اور سبلے کی آواز۔ یہ دو چیزیں ہیں جو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ جب میں آنکھ بند کرتا ہوں۔

دونوں آوازیں سنتا ہوں لیکن ہر ایک کا موضوع ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کی تقلید کروں۔ میں اسے کیوں نہ چاہوں۔

ادھم میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ مرے لئے ماحصل حیات ہے۔ ہر شب کو میں اس کا پارٹ دیکھنے کے لئے جاتا ہوں۔ ایک دن وہ روز الانڈ Rosalind ہے۔ دوسری شام کو (Imogen) میں نے اس کو اپنے عاشق کے لبوں سے زہر چوستے اور اٹلی کے ایک مقبرہ تاریک میں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اس کو امرد حسین کے لباس میں صحرائے Arden میں سرگردان و پریشان پھرتے ہوئے پایا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ معصوم ہے لیکن دست سیاہ رقابت نے اسکے گلوئے بیدآسا کو دبا کر اُسے مار ڈالا ہے۔ غرضکہ میں نے اسکو ہر زمانہ اور ہر لباس میں دیکھا ہے۔ معمولی عورتیں تخئیل کو مسخر نہیں کر سکتیں۔ وہ اپنی صدی تک محدود ہیں۔ کوئی صیقل انکو لباس واقعیت سے معرا اور زیورِ افسانویت سے مزین نہیں کر سکتا۔ انکی حقیقت کا انکشاف آسانی سے ہو سکتا ہے۔ انہیں کوئی راز نہیں ہوتا۔ انکا تبسم رسمی منجمد۔ انکے اداب سکلف و غیر متغیر۔ وہ بالکل مرئی و غیر نہاں ہوتی ہیں۔ لیکن ایک ایکٹرس! وہ کتنی مختلف ہوتی ہے۔ ادھم تونے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز دیکھنے کے قابل ہے تو وہ صرف ایک ایکٹرس ہے

ادھم۔ کیونکہ میں ان میں سے اکثروں سے محبت کر چکا ہوں۔

نشاط۔ جی ہاں آپکی موضوع محبت معلوم۔ خواتین مہیب مع اپنے رنگے ہوئے بالوں و غازہ مالیدہ چہروں کے

ادھم۔ رنگے ہوئے بالوں و غازہ مالیدہ چہروں کو ذلیل نہ سمجھو بعض اوقات انمیں ایک غیر معمولی تسخیر ہوتی ہے۔

نشاط۔ کاش سلمیٰ کے متعلق میں نے تم سے کچھ نہ کہا ہوتا۔

ادھم۔ تم مجھسے کہے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے تھے۔ نشاط تمام عمر میں جو کچھ تم کروگے مجھسے ضرور کہوگے۔

نشاط۔ ہاں ادھم یہ تو سچ کہتے ہو۔ میں تمسے کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھ پر تمہارا ایک عجیب اثر ہے۔ اگر میں نے کبھی کسی جرم کا ارتکاب کیا تو بھی میں یقیناً آؤنگا اور تم سے اقبال کرونگا۔

ادھم۔ تمہارے جیسے لوگ۔ آفتاب حیات کی اضطراری شعاعیں۔ ارتکاب جرم نہیں کرتے لیکن

باوجود اسکے میں تمہاری اس تعریف کا مشکور ہوں۔ میں سمجھتا ہوں سلمی کسی نہ کسی دن تمہاری ہو رہیگی جب کوئی شخص محبت کرتا ہی تو ابتدا میں خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہی آخر کار دوسرے بھی اس دھوکہ میں آ جاتے ہیں۔ یہ ہی جس کو دنیا افسانہ کہتی ہے۔ بہرحال تم سلمی کو خوب جانتے ہو۔

نشاط۔ بیشک میں سلمی کو خوب جانتا ہوں پہلی شب کو جب میں تھیٹر گیا۔ وہی ہیبتناک بڈھا یہودی تماشا ختم ہونیکے بعد میرے پاس آیا اور کہا کہ چلئے سلمی سے آپکا تعارف کرا دوں میں اس سے بجد نا واقف ہوا اور کہا کہ سلمی تو مدتیں ہوئیں مر چکی اور Romeo کی سنگ مرمر کے مقبرہ میں مدفون ہو چکی ہی۔ اسکی سادہ نگاہ تحیر سے مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ شاید یہ سمجھا کہ میں آج شراب حد سے زائد پی گیا۔ تب اسنے مجھسے پوچھا جناب آپ اخباروں میں کچھ لکھتے ہیں میں نے کہا میں نے کبھی اخبار پڑھا ہی نہیں۔ یہ سنکر وہ بیحد مایوس ہوا اور مجھسے بصیغہ راز کہنے لگا کہ تمامی ناقدین فن ڈراما نے میرے خلاف اک سازش کی ہی انکو کسی نہ کسی طریقہ سے توڑنا چاہیئے۔

آدم۔ مجھکو اسکی صحت بیان میں فی الحقیقت شک نہیں لیکن اسکے برعکس اگر ان ناقدین کے قیافہ سے اندازہ کیا جائے تو ان میں سے اکثر ارزاں ثابت ہونگے۔

نشاط (ہنسکر)۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ انکی قیمت اس کی حیثیت سے زائد ہے۔

اب اسوقت تھیٹر میں روشنیاں گل کیجا رہی تھیں۔ اسنے کچھ سگار پیش کئے لیکن مینے لینے سے انکار کیا۔ دوسری دن میں پھر تھیٹر پہنچا جیسے ہی مجھکو دیکھا اسنے جھککر سلام کیا اور کہنے لگا کہ جناب آپ فنون لطیفہ کے نہایت فیاض و فراخدل مربی ہیں۔

اب تیسری شب آئی سلمی Rosalind کا پارٹ پلے کر رہی تھی۔ میں فوراً گیا اور کچھ پھول اسکی طرف پھینکے اس نے میری طرف دیکھا۔ یا کم از کم مینے یہ خیال کیا کہ اسنے دیکھا۔ یہودی بیحد مصر تھا۔ وہ اسپر تلا ہوا تھا کہ مجھکو پسِ پردہ لیجائے۔ آخر کار میں راضی ہوگیا۔ سلمی ہائے وہ کیسی شرمیلی اور نازک تھی آہیں لڑکپن ہی تھا جسوقت مینے اسکے پارٹ کو متعلق اس سے باتیں شروع کیں اسکی آنکھیں تحیر لطیف کے ساتھ وا ہوگئیں۔ وہ اپنی استعداد سے بالکل ناواقف تھی ہم دونوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ تھی۔ یہودی دروازہ پر کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ ہم دونوں کھڑے ہوئے بچوں کی طرح ایکدوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ مجھکو باصرار "راجہ صاحب" کہتا تھا مجھکو مجبوراً سلمی سے کہنا

پڑا کہ میں راجہ یا اس قسم کی کوئی چیز ہرگز نہیں ہوں۔ اُسنے مجھ سے نہایت بھولے پن کے ساتھ کہا۔ آپ
تو شاہزادہ معلوم ہوتے ہیں میں آپ کو شاہزادہ جان بیت کیوں نہ کہوں۔

ادہم۔ سلمٰی خوب جانتی ہے کہ ستائش کیونکر کی جاتی ہے۔

نشاط۔ ادہم تم اسکو نہیں سمجھتے ہو۔ اسنے مجھکو ڈراما کا ایک کیریکٹر تصور کیا۔ وہ زندگی کو متعلق کچھ نہیں جانتی۔ وہ اپنی
ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسکی ماں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اچھے دن دیکھے ہیں۔ یہودی مجھ سے اسکی
ماں کی تاریخ بیان کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے یہ کہکر روکدیا کہ مجھکو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔

ادہم۔ تمنے خوب کیا۔ دوسروں کی داستان ماتم میں کوئی نہ کوئی شے ہمیشہ انتہائی کمینہ پن کی ہوتی ہے۔

نشاط۔ مجھکو صرف سلمٰی کی ذات سے سروکار ہے۔ اس سے کیا غرض کہ اسکا سلسلہ نسب کیا ہے۔ از سرتاپا وہ بالکل
حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ میں اسے ہر شب دیکھنے جاتا ہوں لیکن ہر روز اسکا حسن پہلا گذشتہ سے بہتر نظر آتا ہے۔ میں اسکو دیکھکر
یہ شعر پڑھتا ہوں اور وجد کرتا ہوں شعر دارد جمال روئے تو ہر شب تماشائے دگر یا آنکہ من می بینمش بہتر ز شبہائے دگر

ادہم۔ تو یہ وجہ ہے کہ آجکل آپ میرے ساتھ کھانا نہیں کھاتے لیکن یہ بھی میرے حسب توقعات ہرگز نہیں ہے
اچھا نشاط آج تم میرے ساتھ کھانا ضرور کھانا۔ **نشاط۔** (مسکراکر) آج کی رات رومیو Romeo ہے اور کل وہ جولیٹ
ہوگی۔ ادہم۔ اور سلمٰی وہ کب ہوگی۔ **نشاط۔** کبھی نہیں۔ **ادہم۔** میں تمکو مبارکباد دیتا ہوں۔

نشاط۔ تم کیسے بیرحم ہو۔ وہ تمام مہ جبینان عالم کو اپنی ذات احد میں مجتمع رکھتی ہے۔ وہ ایک ہستی سے کہیں زیادہ
ہے۔ تم ہنستے ہو لیکن میں تمسے کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ وہ فن مجسم ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اسکو
بھی مجھ سے محبت کرنا پڑیگا۔ تم جو تمامی اسرار حیات سے واقف ہو۔ مجھکو بتادو کہ سلمٰی کو میں کیونکر [illegible] کر سکتا ہوں میں
لیلیٰ خیالی کی محبت میں بیتاب ہو کر قیس عامری کو آتش حسد سے جلانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ عالم کے تمام عاشقان
رحم ہمارے خندۂ شیریں کو سنیں اور سنکر ملول و مضطرب ہوں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرے اس [illegible] کا
ایک نفس انکی استخوان رمیم میں ادراک پیدا کردے اور انکی خاکستر خوابیدہ کو احساس الم سے بیدار کردے۔

اوہ میں اسے بیحد چاہتا ہوں میں تو اسکی پرستش کرتا ہوں۔

نشاط تمام کمرہ میں ٹہل ٹہل کر باتیں کر رہا تھا اسکے رخسار سرخ تھے۔ اسکو قیامت کا جوش تھا [illegible]

خفی کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا نشاداب کتنا مختلف ہو اس شر میلے خوف زدہ لڑکے سے جس سے بار دوں کو
تصویر خانہ میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اسکی طبیعت نخل گلاب کی طرح شگفتہ ہوگئی تھی اور شعلہ اہر کی
مانند کونپلیں پھوٹ رہی تھیں ✣ (باقی دارد) آرٹسٹ

غزلیات

حضرت حسرت موہانی

ہم پر تیری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں — ہی بھی نہ آگے چل کے ہو تو عجب نہیں
صادق نہیں وہ عشق جسے از رہ نیاز — ملحوظ ناز حسن کا پاس ادب نہیں
تھے لب کہ دل پہ زیر محبت کے واقعات — کچھ کچھ وہ اب بھی یاد ہیں مجکو جو سب نہیں
مسرور یار ہے کیا تیری سادگی — ایدل یہ شام ہجر ہے عشرت کی شب نہیں
کیونکر کہوں نہیں انہیں پروائے عاشقاں — کیا حسن ہو سو شاں بھی تماشا طلب نہیں
کیوں عشق میں ابھی سے نہو جائیں ہم فنا — کیا جانئے کہ موت کب آتی ہو کب نہیں

حسرت جفائے یار تو اک نام تھی ادا
اظہار التفات مگر بے سبب نہیں

حضرت سید کی شاہجہانپوری

مجرم عشق ہے دل اس کو پشیمانی ہے — اب بھی گر سمجھے تو یہ نادانی ہے
چارہ گر حاصل تدبیر پشیمانی ہے — وال پہنچا اسباب پریشانی ہے
اک مصیبت ہو محبت میں تو روئیں اسکو — باز آئے جو ستم سے تو پشیمانی ہے
تم سمجھتے ہو کہ سجدوں کے نشاں ہیں جو یہ — گر مٹے بہر خدا ہیں یہ میرا خط پیشانی ہے

کیوں وہ آئینہ میں مصروف تماشا نہ رہیں — جنبشِ موجِ نگہ برق کی جولانی ہے

کیا نئی طرح چراغاں ہے مری بزمِ خیال — دل کا جو داغ ہے اک چہرۂ نورانی ہے

ہو گیا چارہ گروں کو بھی جنوں کیا کہئے — اسکی زلفوں کا تصور بھی پریشانی ہے

دوست کو دوست جو سمجھے تو کوئی بات نہیں — سخت دشوار سمجھے دل کی نگہبانی ہے

شکوہ جو سہو اس بت نے ہو منھ پھیر لیا — یہ تغافل ہے الٰہی کہ پشیمانی ہے

یہ مثل سچ ہے کہ جب دل نہ رہا غم نہ رہا — اب نہ مشکل ہے محبت ہیں نہ آسانی ہے

ہر تمنا کوئی اک ساتھ نکالے کیوں کر — ہجر سے بڑھ کے شبِ وصل پریشانی ہے

چھوٹ سکتی ہے کہیں سر کے اوڑا دینے پر — وہ ملاقات کہ جو آپ سے روحانی ہے

ہے یہی فرق فقط عشق و تصور میں کہ — وہ مقامی ہے مری روح یہ سیلانی ہے

جور کے بعد یہ انداز تغافل دیکھو — کوئی دیکھے تو کہے ان کو پشیمانی ہے

در و دیوار کی کیوں قید ہے زنداں کے لئے — پھر یہ کیا ہے اگر دشت میں ویرانی ہے

ہجر میں آئینہ رہ رہ کے نہ دیکھوں کیونکر — اک ادا جلوۂ معشوق کی حیرانی ہے

[illegible] ہے نہ پوچھتی ہے کہ کیوں اسکی نہیں — آنکھ باقی ہے تو مژگاں قلم باقی ہے

شانِ اظہار ہے جو پائے محبت ورنہ — یوں تو پانی ہے ہوا اور ہوا پانی ہے

اختیاری تو نہ تھی مرگِ محبت بیباک
کیوں مٹے جاتے ہو کیوں اتنی پشیمانی ہے

حضرت صفت مرزاپوری

آئینہ ہے کہ ہے نازش سے مقابل قاتل — سمجھے یہ ڈر ہے کہ لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

کھینچ کے تلوار کی صورت نگہ پر قاتل — اس طرح ہاں کہ نئے دیکھے ترا دل قاتل

تیرے ہوتے ہوئے کیوں جان کروں نذر اجل — نیم جاں چھوڑنے سے کیا تجھے حاصل قاتل

ہو جائے اکسیر نہ وہ ذبح کچھ آغوش میں آن — خون ہی ہو جائیگا پابند سلاسل قاتل

دست نازک کی طرح تیغ بھی نازک ہی بہت　　تجھ سے آسان نہ ہوگی مری مشکل قاتل
اتنی مہلت بھی نہ دی تیغ ادا نے مجکو　　کہ دکھاتا تجھے اپنا جگر و دل قاتل
قتلگہ بان سے ہنسنا نہ ذرا محشر میں　　نظر آئیں گے وہاں سیکڑوں بسمل قاتل
ہم سوئے منزل مقصود چلے بھی جو کبھی　　جادۂ شمشیر بنا دوری منزل قاتل

کشتۂ ناز ہے وہ حسن بشیر عید کا دن
اپنے صفدر سے ذرا آج گلے مل قاتل

حضرت دل شاہجہانپوری

دل سے مریض کو نگہ یار چاہیے　　یعنی کہ چارہ گر کوئی ہشیار چاہیے
اک زخم خونچکاں پہ چھڑکنے کے واسطے　　تھوڑی سی خاک کوچۂ دلدار چاہیے
جو بوالہوس ہیں مہر و وفا کی ہوس کریں　　جیسا بھی ہے مجھے تو مرا یار چاہیے
عاشق کی زندگی کا اسی پر مدار ہے　　سیدھی نگاہ سے تو نہ انکار چاہیے
آنکھوں میں دم ہے چشم محبت سے دیکھلو　　کچھ تو تسلیٔ دل بیمار چاہیے
پردہ نشیں کے عشق میں چھپ چھپ کے رویئے　　شغل فغاں نہ یوں سر بازار چاہیے
پہلے پہل یہ شوق ہوا ہے گراں نہ ہو　　نازک سی ان کے ہاتھ میں تلوار چاہیے
یہ چشم خشمگیں تو ستم کی دلیل ہے　　دیکھو مشاہدہ سے نہ انکار چاہیے
کیا جانے کب نکل کے وہ ہنگامہ خیز ہوں　　محشر لگا ہوا پس دیوار چاہیے
اے چارہ گر یہی ہے مقدر کا فیصلہ　　اب درد کی جگہ مجھے تلوار چاہیے
ہے اس نگاہ لطف کی گردش سکون دل　　ہم کو تو چارہ ساز بھی بیمار چاہیے
پہلے وہ اپنی ساعد سیمیں کو دیکھ لیں　　پھر اس کے بعد ہاتھ میں تلوار چاہیے
مانا وہ بے وفا ہے مگر اے وفا دل　　ان بیوفائیوں کا نہ اظہار چاہیے
دل میں جگہ نہ دو مجھے اس کا گلہ نہیں　　پڑ رہنے کو جگہ پس دیوار چاہیے

اتنے بھی پارسا نہ بنو اے جنابِ دل
وہ بھر کے جام دیں تو نہ انکار چاہیے

حضرت وفاؔ شاگرد حضرت جلیلؔ

تیغ کیا میان سے نکالی ہے — تم نے مُردوں میں جان ڈالی ہو
کوئی جچتا نہیں ہے نظروں میں — جب سے تجھ پر نگاہ ڈالی ہو
لو لگائیں نہ اُس سے پروانے — شمع دم بھر میں بجھنے والی ہو
ابروے یار کا یہ ایما ہے — آج تلوار چلنے والی ہو
تیغ ابرو سے قتل کر کے مجھے — ہاتھ دکھلا دیا کہ خالی ہو

اے وفاؔ حشر دیکھئے کیا ہو
بت کافر پہ آنکھ ڈالی ہے

حضرت قمرؔ لکھنوی

وحشتیں زور پہ ہیں آپ کے دیوانوں کی — دھجیاں خود ہوئی جاتی ہیں گریبانوں کی
آرہی ہیں جو گلستاں سے ہوائیں ٹھنڈی — بدلی جاتی ہیں نگاہیں ترے دیوانوں کی
سینکڑوں پھنکے یونہیں رونہ بگڑ جاتے ہیں — کچھ خبر ہے تری زلفوں کو پریشانوں کی
اے صبا اب تو غبارِ درِ جاناں میں ملا — ہڈیاں گل تو چکیں قید میں دیوانوں کی
یہ تصور ہے کہ جس سمت جنوں میں دیکھا — سامنے کھنچ گئی تصویر بیابانوں کی
شمع فانوس میں کیا آئی قیامت آئی — لاش پہ لاش گری پڑتی ہے پروانوں کی
خود الگ ہو گیا زلفوں کو بنا کر وہ حسین — چوٹیں چلوا دیں مگر آئینوں نے شانوں کی
شب غم ختم ہوئی بجھنے کو ہے شمع حیات — نیند ہوتی ہیں کتابیں مرے افسانوں کی

اے قمرؔ دل کو بھی درکار ہے فرصت کی نظر
حالتیں دیکھ چکے سیکڑوں دیوانوں کی

ایک نظر

اردو کانفرنس کے متعلق غلط فہمی:- اردو کانفرنس کا اجلاس حسب قرارداد سابق ۲۹-۳۰ جنوری کو قیصر باغ بارہ دری لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد معقول تھی سب سے پہلے نواب ذوالقدر جنگ صاحب صدر استقبالیہ کمیٹی نے اپنی تقریر پڑھی جو ہر طرح سے موقع اور ضروریات کے مطابق تھی اسکے بعد صاحب صدر جناب نواب نصیر حسین خانصاحب خیال نے اپنا خطبہ صدارت پڑھنا شروع کیا جو طویل ہونے کے باعث پورا نہ پڑھا جا سکا۔ نوابصاحب موصوف کا خطبہ صدارت اردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اسمیں اردو کی تاریخ اسکے عروج کے منازل اور سب سے زیادہ اسکی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ آپکا ایڈریس بہت طویل ہے تاہم آئندہ نمبر سے ہم اسکے بعض حصے ناظرین "تمدن" کی خدمت میں پیش کرینگے۔ اس جلسہ کے متعلق ایک سخت غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی جس نے کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں اپنا اثر دکھایا۔ اور وہ یہ تھی کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کانفرنس اس غرض سے منعقد کی گئی ہے کہ "انجمن ترقی اردو" یا "اردو کانفرنس" کے نام سے ایک جداگانہ آزاد انجمن قائم کرے۔ واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ اردو کانفرنس کا یہ اجلاس انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ کا اجلاس تھا اس غلط فہمی کا سب سے بڑا اثر دہلی کی نیابت پر پڑا جو اردو کانفرنس کو ایک جداگانہ کانفرنس خیال کرکے (جیسا کہ استقبالیہ کمیٹی کے اکثر جلسوں میں اظہار بھی ہوا) ایک نیابت مرتب کرکے لائے مگر انکو یہاں آن کر معلوم ہوا کہ وہ ایک آزاد کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ محض اتفاقیہ کی شکار محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ میں شریک ہونے کیلئے آئے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے دہلی کی طرف سے جو کارروائی کانفرنس میں کرنے کیلئے طے کی تھی وہ نہ کی علاوہ اسکے یہ دیکھ کر انسے بہت زیادہ سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔ اور انمیں سے کسی شخص کے نام کوئی ریزولیوشن تک نہیں کہا گیا بعض حضرات اس بے توجہی کا الزام حضرات لکھنؤ کے سر ڈالتے ہیں مگر یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ سختی دہلی کی اس نیابت کی توہین اہل لکھنؤ یا اہل لکھنؤ کیطرف سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی ذمہ داری انجمن ترقی اردو کے بعض کارکنوں پر عاید ہوتی ہے جو بعض روایات کے مطابق حضرات دہلی کی نیابت کو اس وجہ سے کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتے تھے کہ کہیں وہ لوگ اپنے خیالات کا اظہار نہ کریں جنکے ماتحت وہ نیابت مرتب کرکے لائے ہیں۔ بہرحال اس کانفرنس سے جو توقعات وابستگی گئی تھیں ہرگز پوری نہیں ہوئیں۔ اگر بعض حضرات خاص کوشش کرتے تو اس بارہ میں جو قدرتی طور پر بعض حضرات کی کارروائی سے اس کانفرنس کے متعلق پیدا ہو گئی تھی بہت کچھ کمی ہو جاتی لیکن یہ ریزولیوشن پیش ہو کر پاس نہ ہو سکا کیونکہ ایجنڈا میں درج نہیں تھا۔ یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ انجمن ترقی اردو کو ایسے پائیتک مرکز دہلی کی بلا بر ملی میں لا نے کیلئے کہ وہ اردو کو اسکی شان کے موافق مختلف قسم کی امداد سے ترقی و تقویت دینے کی قابل ہو مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر کیجا کی۔ اسوقت اس ریزولیشن پر کوئی عمل درآمد نہیں کیا گیا ہے اس کمیٹی کا کوئی جلسہ نہیں منعقد کیا گیا ہم نہیں سمجھتے کہ اردو کانفرنس کے متعلق بہ نیابت نے واقعات کو نظر انداز کرکے یہ روش کن وجوہات کی بنا پر اختیار کی ہے ہم اس معاملہ میں "صداقت" "پنجاب" اور "ہمدم" سے واقعات کو صحیح روشنی میں لانیکی درخواست کرتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں اردو کانفرنس ایک آزاد کانفرنس کی حیثیت سے قائم ہو۔

اردو پریس کانفرنس:- اردو پریس کانفرنس کا اجلاس زیر صدارت اڈیٹر صاحب "ہندوستان" نہایت کامیابی سے ۳۱- دسمبر کی رات کو منعقد ہوا۔ اور اکثر ضروری ریزولیشن پاس کئے گئے جن لوگوں کو آل انڈیا پریس ایسوسی ایشن کے جلسہ میں شرکت کا موقعہ ملا ہو وہ اس جلسہ کو نا کامیاب کہہ سکتے ہیں یا ہندوستان کا مشہور ترین "پیسہ اخبار" اس جلسہ کو ناکامیاب بتا سکتا ہے جس کی اخباری وسیع نگاہ اسے "تمدن" کو بھی ایک تازہ ترین پرچہ خیال کرنے پر مجبور کرتی ہے جسکا اجراء آج سے ۶ سال قبل ہوا تھا۔

شعرائے عرب کا مشاعرہ:- افسوس ہے کہ شعرائے عرب کے مشاعرہ کا سلسلہ اس نمبر میں درج نہیں ہو سکا کیونکہ مولوی خواجہ الیاس صاحب

جو کثرت طاعون کیوجہ سے حیدرآباد سے چھپرا سنہ پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور اسکے متعلق جن کتب سے مدد لیتے تھے وہ آپکے ہمراہ نہیں ہیں

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیا گاؤں۔ لکھنؤ

قابل دید کتب

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور انھیں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہو سکتیں

ناول

ناولہائے قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول شاہد رعنا، جو دو بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے لطف یہ ہے کہ مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت عہ

زہرا۔ ایک ترکی ناول کا ترجمہ [illegible] صاحب بی۔ اے۔ قیمت ۸؍

ثالث بالخیر۔ ایضاً قیمت ۴؍

تیر گمی و سیہ بیوہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النسا کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب صفحات ۲۳۲ رعایتی قیمت ۴؍

گودڑ کا لال۔ ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا طبعزاد افسانہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ مصنفہ جناب محترمہ ادارہ صاحبہ سیدہ محمد افضل صاحب بی۔ اے۔ حصہ اول و حصہ دوم صفحات ۲۴۹ قیمت ہر دو حصہ عہ

[illegible]۔ اس ناول میں عجیب روحانی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اس کی وفات کے وقت ایسا مجبور کر دیتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور دوسرا [illegible] کو زندہ کر کے اس کے ذریعہ سے بہت سے روحانی مسائل کے حل کرنے کا کام لیتا ہے صفحات [illegible] قیمت عہ

آشنا سے دشمن۔ مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی [illegible] قیمت [illegible]

[illegible] آتش زدگی [illegible]

حکایات دلچسپ۔ یہ ان حکایات کا اردو ترجمہ ہے جن کو [illegible] نے شیکسپیئر کے منظوم کھیلوں سے زبان انگریزی کے مشہور مصنف ادیب چارلس لیمب نے نہایت لطافت کے ساتھ نثر میں تحریر کیا ہے اور اب یہ حکایات شائقین کی ضیافت طبع کے لئے اردو میں نہایت قابلیت کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہیں [illegible]

حاجی بغلول مصنفہ جناب منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ ۴؍

احمق الذی۔ ایضاً ۲؍

الٹوپیا۔ اس ناول میں سراسر [illegible] نے ایک

خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے۔ ۴ر

آولیس۔ روما الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے۔ قیمت ۸ر

وکرم اُروسی۔ یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مرتبہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ قابل دید کتاب ہے عہ

قاسم و زہرا۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ نیچرل کیفیات و جذبات میں از سر تا پا ڈراما ڈوبا ہوا ہے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ۸ر

انتخاب زوج۔ دہلی کی ایک مشہور انشا پرداز خاتون کے زور قلم کا یہ تازہ کارنامہ ہے اسمیں قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے جنس ذکور کی خدمت میں اپیل کیا ہے کہ شوہر کے انتخاب میں اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کرلیا جایا کرے۔ ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ ۳ر

دغا۔ یعنی بگلا بھگت اور اس کی بھی ناول کے پیرایہ میں ایک سچے واقعہ کا بیان قیمت ۴ر

اتالیق بی بی۔ جس میں شوہروں پر عورتوں کی بے سنے بحثہ چینی اور بے جا نکتہ چینیوں کا بہت چاخاکہ دکھایا گیا ہے۔ ۸ر

وصال۔ منشی درگا سہائے صاحب مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

تواریخ

تاریخ اودھ۔ نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے واجد علی شاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں یہ مستند و نایاب کتب تواریخ سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کے مولف جناب نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح تاریخ اخذ کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ جس پر زبان اردو کو بجا ناز ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کی دربار کی پوری تصویریں دکھاتی ہے۔ مکمل چار جلدوں کی قیمت علاوہ محصول چھ روپے۔ ۶ے

یادگار دربار اسلام۔ جلد اول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم کے سوانحات عمر صفحات ۵۲۸ جلد دوم۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم خلفائے اول و دوم کے مفصل سوانحات عمر معہ فتوحات۔ انتظامات و ذاتی حالات وغیرہ کی پوری تحقیق کے ساتھ طبع ہوئے ہیں قابل دید کتاب ہے۔ صفحات ۴۶۰ قیمت ہر دو حصہ علاوہ محصول ۳ے

تاریخ اندلس۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت یورپ میں لاجواب کتاب ہے۔ ضرور ملاحظہ فرمایئے عہ

علمائے سلف۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جس میں علمائے اسلام کے حالات درج

ملنے کا پتہ:۔ دفتر تمدن ۔ نیا گاؤں ۔ لکھنؤ

ہیں اصل قیمت ایک روپیہ رعایتی ۸ ر

شباب لکھنؤ ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمایئے ۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں مترجمہ منشی احد علی صاحب بی ۔ اے ۱۲

قدیم ہندوستان کی تہذیب ۔ مشہور فاضل مسٹر آر سی ۔ دت کی بے مثل تاریخ سویلائزیشن آف انشینٹ انڈیا کا اردو ترجمہ ۱۲

مکمل محاربات روس و جاپان حصہ اول و دوم قیمت فی حصہ ۱۲ ار

تاریخ مذاہب ۔ اس میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابل اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ ر مجلد ۱۰ ار

جمیع حالات جاپان ۔ جس میں ملک جاپان کی ہر قسم کے حالات مادی ۔ مذہبی ۔ تعلیمی وغیرہ ۔ جاپان کی ترقی کی تاریخ اور جاپان کے شہنشاہ نامور مدبرین ۔ سپہ سالاران و امیر البحران وغیرہ کے حالات درج ہیں ۔ مجلد رعایتی قیمت ۸ ر

علوم طبیعیہ کی تاریخ ۔ علوم طبیعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا ۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے ۔ مضامین کی وضاحت کے لئے مسد ا

تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد ۱۲ مجلد ۱۴

تاریخ یونان ۔ سلطنت یونان کے عروج و زوال کے اسباب ۔ نظام سلطنت ۔ معرکہ آرائیاں اور فتوحات وغیرہ کے مفصل حالات قیمت ۸ ر

تاریخ مصر ۔ جس میں قدیم زمانہ کے مصریوں کی رسم و رواج ۔ طرز معاشرت ۔ عادات و خصائل ۔ تیوہاروں ۔ معبودوں ۔ علم الاصنام ۔ نظام سلطنت معرکہ آرائیوں اور فتوحات ۔ عروج و زوال کے اسباب ۔ علم و فنون وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں ۔ با تصویر کتاب ہے ۔ قیمت ۸ ر

تاریخ روم ۔ اس نادر کتاب میں مستند مصنف نے سلطنت روما کی ابتدا سے شروع کر کے روم کے تاریخ جلیل القدر قیاصرہ کے عہد و انتظام بحیثیت الزوام کے اختتام تک بڑی دلچسپ صورت میں قلمبند کیا ہے ۔ قیمت ۸ ر

تاریخ تمدن ۔ یعنی مسٹر ہنری طامس بکل کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف سویلائزیشن" کا ترجمہ مترجمہ مرحوم مغفور منشی محمد حالی صاحب بی ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل بی ۔ وکیل ۔ قیمت ۱۲

تذکرہ بہادران اسلام ۔ یہ ایک لاجواب اور قابل دید کتاب ہے ۔ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ میں رہنا ضروری ہے ۔ تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف رہ سکے صفحات ۲۸۵ رعایتی قیمت ۱۲ ر

گنجینۂ شاہنشاہان ۔ قدیم شاہان ایران سے لیکر اس وقت تک کی دنیا بھر کی سلطنتوں ریاستوں وغیرہ کے سونے چاندی تانبے کے سکوں کی دو نول رخوں کی اعلیٰ تصویرین معہ حالات و تشریح وغیرہ قیمت ۸ ر

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

سوانحات عمری

الہارون - سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ و منظر دارالخلافہ بغداد ۱۲؍ار

حیات نورالدین محمود - یعنی ملک العادل سلطان نورالدین زنگی نورالله مرقدہ فاتح شام و جزیرہ و مصر کی مفصل سوانحعمری قیمت ۸؍ر

یادگار سعدی - یعنی سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری اور ان کی جملہ اخلاقی تصانیف نظم اردو خلاصہ اور ناصحانہ اشعار و حکایات کا انتخاب ۸؍ر

حیات حافظ - جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۸؍ر

بنت الرسول صلعم - سیدۃ النسا حضرت فاطمہ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کے لئے لکھا ہے ضخیم ۱۴۴ صفحات قیمت رعایتی ۵؍ر

جہان آرا - شاہجہان بادشاہ کی فاضل بیٹی جہان آرا بیگم کی سوانحعمری اس کے مارل سوشل اور پولٹیکل کارنامے مورخین یورپ کی نکتہ چینیوں پر محققانہ نظر کاغذ دبیز ۱۰؍ رعایتی قیمت ۸؍ر

مشاہیر بہی خواہان آدم - یعنی ان ہمدردان بنی نوع انسان کی سوانح عمریوں کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے ہر شخص حب انسانی سے بھر جاتا ہے ۲؍ر ۶

مشاہیر عالم - اس عقد ثریا میں ان مشاہیر عالم کے اسمائے گرامی منسلک ہیں جن کی اولوالعزمیاں طرح طرح کے کارہائے نمایاں کے متعلق آسمان شہرت پر چمک رہی ہیں۔ قیمت ۸؍ر

مشاہیر مشائخ ہند - خاندانہائے عالیہ چشتیہ و سہروردیہ کے بعض مشہور مشائخ کا مقدس تذکرہ ۶؍ر

کتب متعلق اسلام

ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام } جس میں ہر ایک عقیدہ اسلام کا ثبوت علوم جدیدہ و سائنس کی رو سے دیا گیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے قیمت رعایتی ۸؍ر

چمنستان عرب غنچہ حج - اس کتاب میں قرآن شریف۔ احادیث مبارکہ۔ سیر و تواریخ سے حج کا مقابلہ کعبہ مقدسہ مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی اور جغرافیائی حالات بہت تحقیق و تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں آج تک اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں شائع ہوئی۔ قیمت ۱۰؍ر

تاریخ مسجد الحرام ۸؍ر

تہذیب الاسلام - جس میں فلسفہ یورپ کی تحقیقات موجودہ و سائنس جدید کے انکشافات کو اسلام کے مسائل ضروریہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے ۸؍ر

تہذیب الاخلاق - یعنی نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب مرحوم فاضل سکرٹری حیدرآباد و نواب محسن الملک مرحوم

بڑے شہر میں رہنے کا فائدہ بلا نقصان

اگر آپ حاصل کرنا چاہیں۔ تو لکھنؤ کے سامان کی خریداری کے متعلق ہماری ایجنسی سے کام لیں۔ ہمیں یہاں کے مال کی خریداری کا پوتھائی صدی کا تجربہ ہے۔ اور تمام بڑے بڑے تاجروں اور کاریگروں سے ہماری واقفیت ہے۔ ہم صرف [illegible] فی روپیہ اور بڑی فرمائشوں میں [illegible] اور [illegible] فی روپیہ کے کمیشن پر آپ کو یہاں کا سامان ایسا عمدہ اور کفایت سے بھیج سکتے ہیں کہ آپ خود لکھنؤ آنیکا خرچ اور تکلیف برداشت کرکے ہرگز ایسا عمدہ مال اتنی کفایت سے حاصل نہیں کرسکتے۔ یہی حالت مال کی فروخت کے متعلق ہے۔ جو ہم زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنے کا یقین رکھتے ہیں۔ اسکے متعلق ہر قسم کا اطمینان بطریق ضمانت دلایا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ کے عطر۔ تیل۔ خوشبوئیں چکن۔ کامدانی۔ فردین۔ گوٹا کناری۔ اور دیگر سامان آرائش۔ زیور۔ برتن۔ الغرض

ہر ایک چیز جس کے لئے لکھنؤ مشہور ہے

ہماری معرفت منگائیے اور اس کی عمدگی۔ پائداری۔ ارزانی کا یقین رکھئے۔ یا ہماری معرفت سامان فروخت کرائیے اور اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت ملنے کا اطمینان فرمائیے۔ آپ کے تشریف لانے پر قیام و مدارات کا انتظام ہماری طرف سے عمل میں آئیگا۔ اور آپ کے ہمراہ جاکر عمدہ مال کفایت سے دلوا دیا جائیگا۔ جائداد کی خرید و فروخت مقدمات کی پیروی۔ مکانات کی تعمیر وغیرہ میں ہم سے مدد لیجیے اور ایکمرتبہ آرڈر دیکر یا خود تشریف لاکر ہمارا کام ملاحظہ کیجیے ؂

المشتہر

حاجی نجم الدین منیجر جنرل سپلائی ایجنسی۔ رستم نگر آباد لکھنؤ

تمدن
لکھنؤ

ابو نصر فارابی

ابونصر محمد ابن محمد ارزلغ بن طرخان ایک عجمی خاندان سے تھا۔ اس کا اصلی وطن فاراب[1] تھا جہاں وہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ ایک فوجی افسر تھا اور اگرچہ خاندان میں کسی کو بھی علوم فلسفیہ سے دلچسپی نہ تھی مگر یہ ابتدا ہی سے غور و خوض کا خوگر تھا۔ اسرار قدرت کے مکاشفہ اور راز فطرت کے پالینے کے لئے اُس کے قوائے دماغیہ میں عجیب و حیرت انگیز شوق جستجو اور ذوق لازوال ودیعت کیا گیا تھا۔ اُس کے باریک بین نظارے اور نکتہ رس احساسات معمولی واقعات سے اہم و عالیشان مسائل کے استخراج کرنے میں بیچین رہتے تھے۔ گویا وہ ہر محسوس کو کسی اور ہی حاسہ سے ادراک کرتا تھا۔ وہ ایسے ذوق و شوق سے ہر عام مسئلہ پہ غور کرتا تھا کہ دیکھنے والے اُسے یکسر تماشائے بیخودی دیکھتے تھے۔ پھر جب وہ اُس

[1] فاراب ترکستان میں ماوراالنہر کے قریب مشہور شہر ہے۔

مضمون کو بیان کرتا تھا تو سننے والے حیرت و استعجاب کے عالم خاموش میں پہنچ جاتے تھے۔ ابو نصر ایک خود ساختہ غریب و فقیر تھا۔ اس کے مزاج میں زہد اختیاری اور قناعت عزیزہ کے عنصر غیر معمولی مقدار میں داخل تھے اس نے بغداد آکر ابتداء میں باغبانی کے پیشہ کو بڑی خوشی سے اختیار کر لیا اور اس طرح معاش سے اطمینان حاصل کر کے فلسفہ کی تعلیم و تحصیل میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اُس نے فلسفہ ایک شخص یوحنا[۵] بن جیلاد سے شہر حران جا کر زمانہ خلافت مقتدر باللہ عباسی میں کتاب البرہان کے آخر تک پڑھا اور شبانہ روز اُس کے تدبر میں مشغول رہا۔ فلسفہ اُس وقت ارسطو کا فلسفہ تھا۔ ابو نصر کے قوائے مدرکہ کی مناسبت ارسطو کے فلسفہ سے انتہائی شغف پیدا کر رہی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ ارسطو کی کتابیں قدردانی کے ہاتھوں کانٹے پر تُل تُل کر فروخت ہوتی تھیں۔ اور ابو نصر اپنی تنگدستی کے باعث سخت مجبور تھا کہ اپنے آپ کو فروخت کر دینے پر بھی کتابیں ہاتھ نہ آ سکتی تھیں اُس وقت اُس کے دل کی کیفیات حیرت انگیز طریقہ پر حسرت نما تھیں کہ اتفاق سے ایک اجنبی اُس کے پاس ارسطو کی کتابیں چھوڑ گیا اور اُسے گھر بیٹھے یہ دولت نصیب ہو گئی۔ اب کیا تھا ابو نصر نے اُن کتابوں کے دیکھنے کا حق ادا کر دیا۔ وہ مطالعہ و تصنیف کی ضرورت سے رات بھر جاگتا رہتا تھا۔ اتنی استطاعت کہاں تھی کہ دمڑی کا تیل چراغ میں ڈالتا اور گھر بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف ہوتا۔ غریب ساری رات اپنے گھر سے نکل کر چوکیداروں کی لالٹینوں کی روشنی میں پڑھتا تھا کثرت غور و خوض سے وہ اُس کے تمام مطالب پر حاوی ہو گیا خدا نے اُسے ایسا ذہن کیا تھا کہ تھوڑے سے ہی دنوں میں فیلسوف اعظم شمار کیا جانے لگا اور اُس نے ارسطو کے فلسفہ کو مسلمانوں کے سامنے ایسی شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا کہ اُس کے صلہ میں تاریخ فلسفہ اسلام

---

[۵] یوحنا کے باپ کے نام میں اختلاف ہے بعض خیلان اور بعض مورخ حیلان کہتے ہیں۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق جیلاد لکھا ہے یوحنا بغداد میں مقتدر باللہ عباسی کے عہد میں انتقال کر گیا اسکا ایک ہمعصر ابراہیم مروزی تھا جس کے ساتھ فلسفہ اُس نے ایک مرو کے رہنے والے سے پڑھا تھا۔

نے اُسے معلم ثانی کے لقب سے مخاطب کیا گو اس سے قبل مسلمانوں کو یونانی فلسفہ سے کافی اعتنا تھا مگر ارسطو کی نکتہ آفرینیوں اور نازک خیالیوں کو اور ہی زبان درکار تھی اور فلسفہ یونان کے اس لسان العلم کی مشکل پسندیاں ایک ترجمان کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں ارسطو جو حقیقت میں یونانی فلسفہ کا موجد گذرا ہے اگرچہ تمام قدما کی طرح فلسفہ کی عام تعلیم کا مخالف نہ تھا کہ خاص شاگردوں کے سوا کسی کو اس قیمتی جوہر (فلسفہ) کی آرزو کی بھی اجازت نہ دیتا اور ریناسے رموز واشارات میں رحیق مختوم کی طرح اس بادہ کو محفوظ رکھتا۔ لیکن اُس کے بسیط مضامین کی روشنی اور نزاکت خیال کے ذوق نو میں سامع کو نہ تو اپنا وجود نظر آتا تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو خمار بے خودی سے پہچان سکتا تھا اور گو اُس نے افلاطون الہی کی طرح ہیکل کے دروازہ پر یہ نہیں لکھا تھا کہ جو علم ہندسہ نہ جانتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے مگر اُس کے مقدمات تمہیدی اور سلسلہ خیالات کا ابھی مخاطب کے دماغ میں نشوونما بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ وحشت لاعلمی و پریشان خیالی گرد نظر بنا کر مخاطب کو خود اُس کے سامنے سے محو کر دیتی تھی پھر اُس کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اُس وقت یونانی فلسفہ عربی کے غلط ترجموں اور بے ربط و غیر مسلسل عبارتوں میں تھا جن سے فائدہ اٹھانا معلوم۔ ایسی حالت میں جبکہ حقیقی روح معانی کو نگاہ تصور بھی نہیں پا سکتی تھی۔ اور ایسی وقت میں جب تخئیل ساذج تو کیا باریک بین عقلیں بھی مصنوعی فہم و ادراک کا دعوے کرنا اپنی موت سمجھتی تھیں۔ یہ نامور وجود خاک پاک پارس سے اٹھا اور حقائق اشیا کے اظہار کا چمکتا ہوا آفتاب تمام عالم افکار میں روشن کر دیا جسکی کرنیں عرب و عجم بلکہ یوروپ کے فلاسفروں کے محفوظ و ماغوں تک پہونچ گئیں اُس نے یونانی فلسفہ کی تجلیوں کو دیکھا اور وہ اُس کے مفیض نظر سے ایسی ہو گئیں کہ آج ہم سب دیکھ سکتے ہیں۔ ابو نصر نے کندی وغیرہ مترجمین کے اغلاط و سو فہمی کی صحت کر دی اور اُن کی غفلتوں پر متنبہ کر دیا ارسطو کی کتابوں پر کثرت سے

تعلیقات لکھیں اور اُس کی اکثر کتابوں کی شرح کردی جس سے عربی بازار میں یونانی جواہر کی قدر وقیمت بہت بڑھ گئی فلسفہ عام ہوگیا اور عام وخاص اُس سے مستفید ہونے لگے فلسفہ (کہ حقائق اشیاء کے علم کا نام ہے) مشک سے بڑھکر خوشبو ہے وہ اگرچہ فلسفی دل ودماغ میں محفوظ رہتا ہے مگر فلاسفر کی ہر اک بات بلکہ ہر نفس سے نکل کر نفحات فلسفہ مشام مسامع کو معطر کرتے رہتے ہیں فلاسفر خود تنگ وتاریک غار میں سہی مگر اس کے معارف وفضایل کے چمکتے دمکتے انوار سیکڑوں دلوں کی محفلیں جگمگا دیتے ہیں۔ ابونصر اگرچہ بغداد کے کسی ایک گوشہ میں تھا مگر اس کی باتیں جہاں میں تھیں دیکھو وہ ایک گوشہ نشین جسے کل تک کوئی نہیں جانتا تھا آج اس کی یاد سے لاکھوں دلوں کی بستیاں آباد ہیں وہ غریب جو کچھ زمانہ گذرا راتوں کو چوکیداروں کی روشنی کا محتاج تھا۔ آج اُس سے لاکھوں تیرہ قسمت روشنی پا رہے ہیں۔ وہ جس کو تھوڑے دن ہوے لوگ مخبوط الحواس اور بے وقوف سمجھ رہے تھے آج اُس کے علم وفضل کے دور دور تک چرچے ہونے لگے ہیں اُس کے شاگردوں کی جماعت میں بڑے بڑے علماء وفضلاء داخل وشامل ہوگئے ہیں اب اُسکے حلقہ درس میں ہزاروں شاگردوں کے جمگھٹے لگے رہتے ہیں اور جلیل القدر امراء ورؤساء مسایل فلسفہ کی دلچسپ تقریریں اور ابونصر کا دلاویز بیان سننے کے لئے حلقہ درس میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں شدہ شدہ ابونصر کے علم وفضل کی خبر امیر سیف الدولہ کو پہنچی سیف الدولہ بڑا جوہر شناس وعلم دوست تھا اُس کا دربار علم وفضل کا دربار تھا جس نے متنبی کے دیوان میں سیفیات کو پڑھا ہے اور تاریخ میں سیف الدولہ کا حال دیکھا ہے وہ سیف الدولہ کی عظمت وشان کا اندازہ کرسکتا ہے بغرض سیف الدولہ نے ابونصر کو بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ حلب بلایا اور سیف الدولہ جیسے مغرور امیر کو ابونصر کے فضایل کا اعتراف کرنا پڑا اور اس کے دربار کے اراکین ابونصر کو دیکھنا اور اس کی گفتگو کو سننا اپنا فخر سمجھنے لگے۔ اس کے ساتھ سیف الدولہ کے خزانے اور ہی تاک میں تھے کہ جس طرح ہو سکے اُس کی

بلند نگاہ کو اجسام ترابیہ کی طرف متوجہ کریں۔ اور فانی لذتیں اُس پر غلبہ پاکر منازل نفوس باقیہ سے مہجور کردیں مگر وہ جو منظر اقدس کو دیکھتا ہے اور عالم اعلیٰ کی قمریوں کے اناشید مسکرہ و نغمہ مرقصہ و مطربہ کو سن رہا ہے طبائع اربعہ کی چار دیواری کا محصور ہوکر نہیں رہ سکتا۔ اور دنیائے دنی کی پست و مکروہ آوازیں اُس کے کان تک نہیں پہنچ سکتیں چنانچہ ابونصر نے بھی اس سخت نازک موقع پر وہی کیا جو تمام اہل کمال کی سنت عامہ اور شریعت خاصہ ہے اس نے تمام بڑے بڑے عطیات و مناصب سے کمال بے توجہی کا اظہار کیا اور خودداری کے اعلیٰ جذبات اور عزت نفس کے پاک خیال میں اس نے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے نامنظور کردیئے اور نہایت بے دردی سے انہیں ٹھکرا دیا اس پر بھی چونکہ ہوم کوینہ سے مطلقاً نجات پانا اور ان کے اسباب دلفریب و حسرت فزا سے قطعاً منھ پھیر لینا فطرت انسانی کے خلاف ہے ابونصر نے صرف بقدر ضرورت و ما یحتاج چار درم یومیہ قبول کرلئے[۱] سیف الدولہ کے یہاں سے یہی اُس کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔

ابونصر فیشن کا دلدادہ اور دنیاوی عیش و طرز معیشت کا مقلد نہ تھا۔ بلکہ وہ خود انسانی زندگی کا ایک بہترین نمونہ تھا وہ اگرچہ راہبوں کی طرح ہستی بیکار اور جسم عالم کے لئے عضو معطل نہ تھا مگر اُس کا زہد و اختیاری اُن سے کئی درجوں بڑھا ہوا تھا وہ اپنے ہر ایک قول و فعل سے دنیاوی جاہ و منزلت کی ناقدری اور بے ثباتی کا فصیح و بلیغ واعظ اور اپنے ہر علم و عمل سے ابنائے دہر کا شفیق معلم تھا اُس کی ایک ایک ادا کہہ رہی تھی

دنیائے دنی اور یہ شوق تحصیل — کیوں تم نے کیا ہے اپنی ہمت کو ذلیل
سمجھو تو سہی کس کے عوض بکتے ہو — کہتا ہے خدا متاع دنیا ہے قلیل

اُس کی زاہدانہ زندگی کی حد ہو گئی۔ مدت العمر اُس نے کوئی مکان و محل نہیں بنایا۔ اور

---

[۱] وفیات الاعیان صفحہ ۷۸ جلد ۲

کبھی اس طرف توجہ نہ کی۔ ابونصر کا زمانہ مسلمانوں کے پابندی شریعت اور عمل دینی کے انحطاط کا زمانہ تھا اس وقت جب خدا کا خوف دل سے نکل جاسے اور انسانی نظر صرف اس دنیاے فانی کے تماشوں کو اپنے شوق سیر کے لئے بس سمجھے اور عاقبت اور روحانی بادشاہت کا خیال بھی وہم وخیال ہو جائے سنت الہیہ اور خطرات ذاتی کے اقتضا پر خواہشات اور لذاید نفسانی غالب معلوم ہونے لگیں تو خدا کے فرشتے بھی اس کی بنائی ہوئی دنیا کو اور ہی نظروں سے دیکھتے ہیں اور سارے عالم میں فسق وفجور کا بازار لگ جاتا ہے شیطان اور اس کی تمام فوج انسانی لباس میں آجاتی ہے ظلم وتعدی رشوت ستانی اور طمع زر امرا کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے اور غریب آدمی ادنے ضرورتوں کو اہم واعلی سمجھ کر اپنے آپ کو اپنی نظروں سے گرا دیتے ہیں غلامی کے ناپاک گناہ اور مجنونانہ دیوانگی سجود سے پیشانی خود داری پر داغ لگ جاتا ہے ایسے وقت میں ابونصر نے پہلے یہی مناسب سمجھا کہ قضا کے عہدے کو قبول کرے اور خلافت عباسیہ کے اسباب انحطاط اور امرا کے ظلم وتعدی کو براے العین دیکھے اور مظلوموں کی فریاد ستمگران کی دستگیری کرے مگر تھوڑے ہی دنوں بعد جب اس نے دیکھا کہ مرض لاعلاج ہے اور خود اس طبقہ میں آکر اپنے آپ کو ہاتھ سے کھو دینا ہے تو اسنے فوراً استعفا داخل کر دیا ابونصر کے طلب علم اور ذوق تحصیل کا یہ عالم تھا کہ جس زمانہ میں وہ منطق وفلسفہ کا ہزاروں شاگردوں کو درس دیتا تھا اسے معلوم ہوا کہ ارسطو کے فلسفہ کے لئے فصاحت وبلاغت کی بے انتہا ضرورت ہے اور وہ خود عربی کو اچھی طرح نہیں جانتا تو اس نے ابوبکر ابن السراج نحوی سے نحو سیکھنا شروع کر دی اور اسکے معاوضہ میں اسے منطق پڑھائی کمال وترقی کی صحیح تعریف اسی لئے نہیں ہوسکتی کہ وہ محدود نہیں اور اہل کمال اسی وجہ سے ہمیشہ ترقی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کمال کا کوئی درجہ تمام نہیں اسی باعث وہ منکسر المزاج اور متواضع ہوتے ہیں اور انہیں غرور نام کو نہیں ہوتا۔ ابونصر اس پایہ کا امام فلسفہ ہونے کے ساتھ کہ تمام متاخرین آجتک اسکے مقتدی ہیں (الاماشاءاللہ)

بیحد متواضع تھا اور ذرا بھی اُسمیں غرور نہ تھا ارسطو کے فلسفہ کے دلائل میں اُس نے کس قدر عمدہ دلائل اضافہ کئے اور کس قدر مسائل کو نئے سرے سے تحقیق کیا اُن کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ پر نگاہ کرنا چاہیئے کہ جب اُس سے کسی نے پوچھا کہ تم زیادہ فلسفی ہو یا ارسطو تو اُس نے بلا تصنع برجستہ کہدیا کہ اگر میں ارسطو کے زمانہ میں ہوتا تو اُسکا ایک شاگرد رشید ہوتا[1]

ابونصر نے نہایت محققانہ بلکہ مجتہدانہ انداز سے تمام اقسام فلسفہ پر اظہار خیالات کیا ہے یہانتک کہ موسیقی[2] کا تو وہ بےنظیر اُستاد مانا گیا۔ اُسنے ایک آلہ ایجاد کیا جسکا نام قانون ہے جس کے نغمے جذبات سامع میں آگ لگا دیتے تھے حلقہ سماع میں ہنسنا۔ رونا۔ سو جانا سننے والے کے اختیار میں نہ تھا۔ بلکہ ابونصر کے ارادہ اور الحان مرقصہ و مطربہ کے اشارہ میں تھا۔ ابونصر جب بغداد سے نکلکر حلب میں امیر سیف الدولہ کے دربار میں پہنچا تو ترکی لباس میں سیف الدولہ کے سامنے جا کھڑا ہوا سیف الدولہ نے بیٹھنے کا حکم دیا تو بے ساختہ اُسنے کہا کہ کس حیثیت سے من حیث انا۔ یا من حیث انت سیف الدولہ نے کہا کہ من حیث انت سنتے ہی آگے بڑھا اور سیف الدولہ کے مسند پر چڑھ کر اُس سے بھڑ کر اُس وقت تک بیٹھا رہا جبتک کہ چوبداروں نے الگ نہ بٹھایا سیف الدولہ کے پس پشت اُس کے مسلح غلام کھڑے رہتے تھے انکے اسلحہ کی ادائیں آداب دربار کی بڑی زبردست پاسبان تھیں اُن کے ابروئے شمشیر سیف الدولہ کے ادا فہم محافظ و نگران تھے سیف الدولہ نے اُن سے گفتگو کے لئے خاص زبان مقرر کی تھی اُس نے غلاموں سے اسی زبان میں کہا کہ اگرچہ اس بڈھے نے آداب شاہی کا لحاظ نہیں کیا لیکن میں اس سے کچھ پوچھتا ہوں اگر یہ جواب نہ دیسکے تو تم اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔ ابونصر نے یہ سنکر کہا کہ صبر کیجیئے مرد آخر بین مبارک بندہ ایست سیف الدولہ کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اُسنے پوچھا کہ این تم یہ زبان بھی جانتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میں ستر[3] کے قریب زبانیں جانتا ہوں پھر علمائے حاضرین سے ابونصر کی گفتگو ہوئی

---

[1] وفیات الاعیان صفحہ ۷۷ جلد ۲ [2] موسیقی یونانی فلسفہ کی تقسیم میں ریاضی کی ایک شاخ ہے [3] علم اللسان کے فلسفہ سے باخبر اصحاب غالباً اسے مبالغہ نہ سمجھیں گے ❁

اور اُس نے ہر فن میں علمار کا ناطقہ بند کر دیا - علمار کو چپ کر دینے کے بعد اُس نے خود ہر فن میں تقریر شروع کی اور لوگوں نے لکھنا شروع کیا جلسہ مذاکرہ کے بعد سیف الدولہ نے اُس سے کھانے پینے کیلئے پوچھا جس کے جواب میں اُس نے صاف انکار کیا - سیف الدولہ نے جب کہا کہ اچھا کچھ سنو گے تو اُس نے بڑی خوشی سے اُسے پسند کیا اور سیف الدولہ کے حکم سے محفل رقص و سرود منعقد ہوئی اب تو کوئی ایسا سازندہ یا نوازندہ نہ تھا جسے ابونصر نے نہ ٹوکا ہو اور اُن کے گانے بجانے میں عیب نہ نکالا ہو سب نے اپنا اپنا کان پکڑا اور سب حضور بجا اور بجا اُستاد ٹھیک ہے - کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سیف الدولہ نے کہا کہ اچھا اب تم کچھ سناؤ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس فن کے بھی ماہر ہو - ابونصر نے کمر میں سے ایک تھیلی کھولی اور اُس میں سے کئی ایک لکڑیاں نکالیں پھر انہیں جوڑ کر اچھا خاصہ ایک آلہ بنا لیا جس کے بجانے سے نہایت دلکش نغمے پیدا ہوئے اور محفل کی محفل ہنستے ہنستے لوٹ گئی پھر اُس نے اُسے علیحدہ کر کے نئی ترکیب سے جوڑ کر بجایا تو سارے دربار کا روتے روتے برا حال ہو گیا پھر جب اُس نے تیسری دفعہ اُسے ترکیب نو سے بجایا تو سب درباری میٹھی نیند میں غافل ہو گئے دربان تک سو گئے ابونصر انہیں سوتا چھوڑ کر دربار سے چل دیا[۵۱] - ابونصر جب تک شام (دمشق و حلب) میں رہا نہروں کے کناروں کے باغوں کی سیر سے دل بہلاتا - اور وہیں کتب فلسفہ تصنیف کرتا تھا - اُس کے شاگرد اُس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور وہ انہیں چلتے پھرتے مسائل فلسفیہ لکھا دیتا تھا - اُس کی کتابیں اُسی بے سرو سامانی کی وجہ سے اکثر ناقص اور ادھوری رہ گئی ہیں جو زیادہ تر تعلیقات ہیں[۵۲] - اُس کی مصنفہ کتابوں میں فلسفہ و منطق کے تمام مطالب پر تفصیلی مباحث موجود ہیں منطق میں اُس نے جو کتابیں لکھی ہیں اُس میں تمام غوامض و اسرار و دقائق حل کر دیئے ہیں -

---

[۵۱] خلکان صفحہ ۷۷ جلد ۲ [۵۲] ابن خلکان صفحہ ۷۷ جلد ۲

"کندی" نے صناعۃ تحلیل وطریق تعلیم اصول میں جو تغافل برتا اسپر کافی بحث کی اور فصیح وبلیغ عبارتوں میں کلیات خمسہ پر کلام کیا اور ان کے استعمال کا طریقہ ظاہر کیا اور صاف بتا دیا کہ قیاس کی ہر جگہ اور ہر مادہ میں کیا کیا صورتیں ہوتی ہیں منطق کے علاوہ فلسفہ پر اسکی نادر تصانیف ہیں جن میں سے ایک کتاب میں اسنے اقسام فلسفہ اور اسکے اغراض سے بحث کی ہے اس موضوع پر ابو نصر سے پیشتر کسی نے اسکی طرح خامہ فرسائی نہیں کی یہ کتاب طالب فلسفہ یونان کے لئے چراغ ہدایت تھی۔ ایک کتاب میں اس نے افلاطون اور ارسطو کے اغراض فلسفہ سے بحث کی ہے۔ اس کتاب میں اس نے پہلے علوم و معارف کے حقائق سے کلام کیا ہے۔ اور پھر علوم کے نشو نما اور تشعب و تحول اقسام فلسفہ پر نظر ڈالی ہے اسکے بعد افلاطون کے اغراض فلسفہ پر گفتگو کی اور اسکی تالیفات پر تبصرہ کیا ہے اسکے بعد ارسطو کے فلسفہ پر بھی اسیطرح تبصرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں منطق و فلسفہ میں اسکی جتنی کتابیں ہیں ان میں سے ایک ایک کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی نسبت قفطی نے لکھا ہے لا اعلم کتاباً اجدی علی طالب الفلسفہ منہ میں اس سے بڑھکر کوئی کتاب فلسفہ میں مفید نہیں سمجھتا۔ اسکے علاوہ علم الٰہی و علم مدن میں اسکی دو بےنظیر کتابیں ہیں ایک کا نام سیاست مدنیہ ہے اور دوسری کا نام سیرت فاضلہ۔ ان دونوں کتابوں میں اس نے ارسطو کے مذہب کے مطابق علم الٰہی کے متعلق عجیب نکتے ظاہر کئے ہیں اور مبادی ستہ روحانیہ اور پھر اس سے جواہر جسمانیہ کے وجود پر نظر کی ہے پھر نظام عالم و مراتب انسانی و قوائے نفسانی پر کلام کیا ہے اور وحی و فلسفہ میں فرق بتایا ہے۔ اسی طرح تفصیل کے ساتھ علم مدن پر بحث کی ہے اسکی تمام تصانیف خدا جانے کتنی ہونگی قفطی نے مفصلاً ۶۹ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے آجکل ابو نصر کی چند کتابیں ملتی ہیں جنکا تفصیلی ذکر اور ان

[۱] اخبار الحکما قفطی ص ۱۸۲

پر تبصرہ کسی اور موقع پر محمول کیا جاتا ہے۔

ابو نصر کو جو ارسطو کے فلسفہ سے اسقدر شغف تھا اسکی وجہ سے اکثر فقہا اس سے بہت مکروہ تھے اور ارسطو کے فلسفہ کی کفریات کو ابو نصر کی کتابوں میں دیکھکر اسکی تکفیر کے قائل ہو گئے تھے[۱] اسوقت اس سے بحث کرنا ہم بیکار سمجھتے ہیں۔ لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ابو نصر نے کہیں بھی ان مسائل کو اپنے اعتقادیات میں شامل نہیں کیا اور نہ وہ انپر ایمان رکھتا ہے

ابو نصر کے معاصرین میں ایک شخص ابو البشر متی ابن یونس تھا جو اگرچہ اس سے عمر میں بڑا تھا مگر ذہن و فہم اور شہرت و تصانیف میں ابو نصر کے مقابل نہ تھا۔ متی کی وفات ایام خلافت "راضی" میں بغداد میں ہوئی[۲] منطق میں متی کی کتابیں اسوقت علما کی معتمدہ کتابیں تھیں اور بغداد میں ابو نصر شروع شروع اسکے حلقہ درس میں بیٹھا کرتا تھا۔ بعض علما کی رائے ہے کہ فلسفہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ابو نصر نے متی سے سیکھا۔ ابو نصر اسے بغداد ہی میں چھوڑ کر حلب میں سیف الدولہ کے پاس آ گیا تھا جہاں ایک مدت تک وہ تحصیل و تدریس فلسفہ میں مشغول رہا پھر اُس کے ساتھ دمشق گیا جہاں اسے ۳۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔ ابو نصر نے اسّی سال کی عمر پائی اور مرتے دم تک تعلیم فلسفہ میں مصروف رہا۔

سیف الدولہ نے اپنے ۱۵ ارا کین کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی اور شہر دمشق کے باہر باب صغیر کے پرے یہ قیمتی آفتاب زیر زمین چھپا دیا گیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ۳۰۸ھ میں ابو نصر نے مصر کا سفر کیا تھا جہاں سے لوٹکر دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں ماہ رجب ۳۳۹ھ ہجری میں انتقال کیا اور سیف الدولہ نے چار خاص اعیان دولت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔

راغب الجیلانی (بدایوں)

---

[۱] قفطی صفحہ ۱۲۹ [۲] ابن خلکان صفحہ ۷۶ جلد ۲

فصلِ گُل

ماخوذ از نظم سروجنی نائیڈو صاحبہ

نیرنگِ حسن و عشق سے ہیں بیقرار پھول
کیا کیا دکھا رہے ہیں چمن میں بہار پھول

موجیں ہوا کی نغمۂ دلکش سے کم نہیں
فرطِ خوشی سے باغ میں ہیں بیقرار پھول

آغوش میں زمین کے عروس بہار ہے
پہنے ہوئے ہیں پیرہن زرنگار پھول

آب رواں ہے محو صفِ برگ نیلوفر
بادام کے درخت پہ ہیں بے شمار پھول

سایہ پڑا ہے طرۂ دستار یار کا
انجم سے ہیں چمک میں سوا تاجدار پھول

ہر شاخ پر کھلی ہیں جو کلیاں انار کی
گویا چمن کے ہیں کلہِ افتخار پھول

خوشیاں منا رہے ہیں حسینانِ شوخ رنگ
ہوتے ہیں بار بار جو اُن پر نثار پھول

جو آئے اس چمن میں ہوئے کشتۂ چمن
کس کس ادا سے کھیل رہے ہیں شکار پھول

ہیں صبح و شام محو تماشائے فصلِ گل
گویا ہیں زینتِ چمنِ روزگار پھول

جھونکے ہیں عطر بیز نسیم بہار کے
بوئے حنا و سیب سے ہیں عطر بار پھول

اے گلرخانِ دہر اوٹھو خواب ناز سے
کہتے ہیں جھوم جھوم کے یہ بار بار پھول

چلیے وفا کے ساتھ کرو سیر باغ کی
دکھلا رہے ہیں صنعتِ پروردگار پھول

وفا صدیقی



سیدھا مسلمان

منشی شریف احمد ایک نیک مزاج اور سیدھے آدمی تھے ۔ چودھویں صدی میں پیدا ہوئے اور اسی مفسد دنیا میں رہے مگر انہوں نے آجتک چنے کا کھیت بھی نہیں دیکھا روپے کے پیسے نہیں گننا آتے تھے لیکن دل کے بہت صاف جو بات جس نے کہدی انکو یقین آگیا دوستوں نے احباب نے سیکڑوں دھوکے دئے مگر یہ خدا کے بندے ہمیشہ سچ سمجھا کئے نئی روشنی والے تو انکو دیکھکر ہنستے تھے اور اپنی صحبت کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور انکی دوستی بھی عجیب قسم کی دوستی تھی محلے کے کچھ غریب نادار انکے بھائی بند تھے شیخ بقرعیدی سے انکی صاحب سلامت میاں رمضانی سے انکی ملاقات ایسے ایسے لوگوں سے بھائی چارہ تھا ۔ آمدنی بھی معقول تھی خدا کے فضل سے مختار پیشہ تھے کم سے کم مہینے میں سو روپیہ ملجاتا تھا اچھے اچھے وکیل انکا منہ دیکھا کرتے تھے مگر وضع سیدھی سادی ہی تنزیب کا کرتہ تنزیب کا انگرکھا مارکین کا پائجامہ ڈھیلی موری کا سر پر دو بیسے والی ٹوپی پاؤنمیں چمڑوده جوتہ ہاتھ میں بانس کی لکڑی لمبی ڈارھی مونچھ ندارد سارے سر پہ بال بغل میں قانون کا بستہ موکل کے کاغذات دن بھر ایک پاؤں سے پھرنا کھانا بھی معمولی چنے کی دال ماش کی دال ارہر کی دال روٹی موٹے چاول آٹھویں دن گوشت ترکاری گھر والی کھانا پکایا کرتی تھی نہ کوئی ماما نہ کوئی نوکر ۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شریف اچھے بڑے مالدار ہونگے آمدنی تو اسقدر اور گھر میں خاک اوڑتی ہے مصیبت سے زندگی بسر کرتے ہیں یقینی دولت جمع کی ہوگی مگر یہ بات غلط تھی شریف احمد کنبہ پرور اور خدا ترس آدمی تھا اسکی دولت لوگ چپکے سے بہت کھا جاتے تھے ایکدن شیخ بقرعیدی نے کہا اسوقت مجھے سخت ضرورت ہے دس روپیہ کہیں سے دلوا دیجئے کہ آج کے آٹھویں دن

ادا کر دونگا آپ نے حوالے کر دیئے آٹھ دن کے آٹھ برس ہوگئے بہت کچھ تقاضا کیا ڈرایا دھمکایا نالش کرونگا ایک کے چار دینا پڑیں گے گھر نیلام ہو جائیگا مگر شیخ صاحب نے سماعت نہ کی روپیٹ کر بیٹھ رہے۔ گھر کے پاس میر تقی رہتے تھے بہت نیک آدمی شریف غریب ایک دن شریف احمد کے پاس آئے اور قدموں پر گر پڑے اسوقت آپ کے ہاتھ آبرو ہے ہمارے عزیزوں میں شادی ہے بہو کے پاس ایک تار نہیں ہے اگر کچھ زیور ایک رات کے واسطے دیدیجئے تو آپ کا عمر بھر کا احسان ہوگا آپ نے بیوی کو سمجھا بجھا کر سب کا سب لاکر حوالے کر دیا وہ لیکر رفوچکر ہوئے کچھ دنوں روپوش رہے اسکے بعد منہ چھپایا کئے جب سامنے سے آتے دیکھا رستہ کاٹ کر چلے گئے کچھ دنوں کترا کترا کر چلتے رہے پھر وہی ملاقات وہی بات چیت وہی صاحب سلامت مرد خدا نے منہ سے اف تک نہ کی۔

میاں بیوی کے مزاج میں تھوڑا فرق تھا میاں تھے فقیر دوست اور غریبوں سی محبت رکھنے والے اور انکی خدمت کرنیوالے اور ان سے بھائی چارہ رکھنے والے۔

بیوی چاہتی تھیں ہمارے گھر میں ایسے لوگ نہ آئیں ہم ایسے لوگوں سے ملیں جو شہر میں نامی دولتمند ہوں زمانے کا رنگ بدل چکا ہے اب عزیزداری اور قرابت تو پوچھی نہیں جاتی دولت پوچھی جاتی ہے اور زرپرستی کیجاتی ہے لالچی لوگ جسکو دیکھتے ہیں مالدار ہے اسکے یہاں ہر وقت کھڑے رہتے ہیں اسکو بڑے بڑے حصے بھیجکر حصہ داری پیدا کرتے ہیں اور امیروں سے رئیسوں سے اپنی مات داری بڑھاتے ہیں ویسی ہی عمدہ عمدہ پوشاک اچھا مکان رکھنے کی ضرورت ہے۔

یہ اپنے خالو کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھیں آمدنی تو انکو بھی سو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ تھی مگر گھر میں دو ماما ئیں باہر ایک نوکر گھر نمونہ جنت بنا ہوا قد آدم آئینے جھاڑ کنول فانوس سے آراستہ پر تکلف فرش بچھا ہوا نفیس نفیس کرسیاں باہر کا کمرہ انگریزی طرز معاشرت کے موافق سجا ہوا ایک چبوترہ پانچ پانچ مکان خالو جان کے ہاتھوں میں فیروزے کی

انگوٹھیاں سونے کا چین لگائے ہوئے آدمی گنگا جمنی خاصدان چاندی کی لٹیاں لئے ہوئے ساتھ ساتھ آج ڈپٹی صاحب کے یہاں پلاؤ سفیدے کے خوان چلے جاتے ہیں کل تحصیلدار صاحب کے یہاں کھیر کی فقلیاں بھیجی جاتی ہیں کوئی بیرسٹر کوئی وکیل کوئی ڈپٹی کوئی تحصیلدار کوئی حکیم کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں جس سے خالو جان سے دانت کاٹی روٹی نہو۔

دروازے پر روز ایک نہ ایک بگھی لگی رہتی ہے ساٹھ ستر روپیہ مہینہ انہی خاطر مدارات میں صرف ہوتا ہے بڑے بڑے جلسے کھانے میں آتے ہیں۔

بیوی نے میاں کو بھی اسی رنگ پر لانا چاہا کہا سنو صاحب امیروں سے ملنے میں بڑے بڑے فائدے ہیں دیکھو ہمارے خالو خدا رکھے تم سے آمدنی زیادہ نہیں ہے مگر کسقدر نام اور کتنی عزت کتنی شہرت ہے آج بڑے بڑے لوگ ان سے ملنے آتے ہیں آدمی کو اپنی عزت بڑھانا چاہئے پہلے اپنے مکان کی حیثیت درست کرو اپنی وضع بدلو گھر میں دو چار نوکر رکھو ماشا اللہ میری آنکھوں میں خاک تم بھی ڈیڑھ سو روپیہ مہینے سے کچھ کم نہیں کماتے ہو مگر برکت خاک نہیں چوسطے پر تو ابھی نصیب نہیں اس زمانے میں عزیز داری کا خیال رکھنا پہلی بیوقوفی ہے یہ لوگ چاہتے ہیں ہمارے جیسے یہ بھی ہو جائیں اور جہاں کسی مورکھ کو پاتے ہیں نوچ کھاتے ہیں مگر وہ کاٹے کا الو ان باتوں کو مطلق خیال میں نہ لاتا ہوں ہاں کرکے خاموش ہو جاتا اور دن رات کے طعنے سنا کرتا بارہ دو نوں میں چخ چخ ہوا کرتی۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا قرینہ بدلنا دشوار معلوم ہوتا ہے اسمیں شک نہیں کہ شریف احمد مرنجان مرنج آدمی تھا اور اپنی زبان اپنے ہاتھ سے کسی کو ایذا دینا نہیں چاہتا تھا اور غریب لوگوں سے بہت محبت سے ملتا تھا اور انکا کام کرنیمیں عار نہیں سمجھتا تھا یہ سب باتیں اس سے چھوٹنا ناممکن تھیں

(۲)

خالو جان پر فالج گرا انکی آمدنی میں فرق آگیا مکان بکنے لگے پرانے ملنے والے دو چار دفعہ تو دیکھنے کو آئے پھر اسکے بعد رسم ملاقات برطرف ہوگئی اور اب بلانے پر بھی

کوئی ادہر کارخ نہیں کرتا اپنے عزیز تو پہلے ہی سے بہرے بیٹھے تھے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی مکان اور گھر گرستی بیچ بیچ کر کھا گئے بیچارہ شریف احمد خدا ترسی کرکے آٹھویں دن انکے مکان پر جاتا کوئی چیز کی ضرورت ہوتی لا دیتا سب کی خیریت پوچھتا اور بہت افسوس کرتا مدتوں تک انکی خدمت کرتا رہا خود بڈہا ہوگیا صحت نے جواب دیا آمدنی میں فرق آگیا محلے کے غریب غربا اسکے دوست تھے وہی کچہ کام آئے کام کاج سب کر دیتے تھے دوا درمن لا دیتے تھے سودا سلف کر دیتے تھے روپیہ پیسہ سے بھی اپنی حیثیت کے موافق پیش آتے تھے بہائی بند اسکی نیک مزاجی سے خوش تھے خرچ کچہ ایسا نہ تھا مگر جب آمدنی مفقود ہو جاتی ہے تو آخر کھانے کو کہاں سے آئے ایکدن بیٹھے بیٹھے خیال آیا

راجہ مومن علی کی مدت تک خدمت کی ہے ان کے بہت سے مقدمے مفت کر دئے اسوقت انکو خدانے زمیندار سے راجہ بنا دیا ہے ہوسکے تو کچہ ان سے بیماری کی حالت میں قرض مانگنا چاہیے شاید دے نکلیں یہ خیال کرکے خوشحال ہوگیا راجہ صاحب سے ملاقات کی اور اپنا سب حال کہا آنے کا سبب بیان کیا

انہوں نے کہا شریف احمد تم نے ہمارا ساتھ تنگدستی میں بہت کچہ دیا ہمارے مقدمات کی پیروی مفت کی ہمارے ساتھ دورے پر اپنا وقت صرف کیا ہم تمہاری ان باتوں سے بہت خوش ہیں اور لوگ بھی تمہاری تعریف ہم سے برابر کرتے ہے تم اگر جوانی میں پیسہ جمع کرتے تو آج بڑہاپے میں اتنی تکلیف نہ اٹھاتے لیکن تم نے خدا ترس دل پایا تھا لوگوں نے جعل فریب کرکے تمہاری دولت کھالی اس سبب سے تمکو آج قرض مانگنے کی نوبت آئی ہم اپنی سرکار سے تمہاری پرورش کے لئے تیس روپیہ ماہوار مقرر کرتے ہیں تم سے کوئی خدمت نہیں لیجائیگی اور یہ تنخواہ تاحیات تمکو ملیگی غالباً تمہاری ضرورتیں اس تنخواہ سے پوری ہو جائیں گی اور بھی وقتاً فوقتاً ہم تمہاری خدمت کرتے رہیں گے تم نیک دل شریف آدمی اور سچے مسلمان ہو مجھے امید ہے کہ تم

مجھ سے ہمیشہ ملا کروگے اسوقت میاں شریف احمد کو خدا کی رزاقی کا قائل ہونا پڑا اور سر جھکا کر رب سے پہلے خدا کے سجدے میں گر پڑے اور کہا خدا حقیقت میں ہر ایک کو اس کی مزدوری دیتا ہے میں اپنے دل میں افسوس کر رہا تھا کہ میں نے اپنا اس قدر روپیہ محض غریب پروری میں کیوں برباد کیا اور میری زندگی کس مصیبت اور محنت سے کٹے گی ۔ مگر قربان جائے اس خدا کے اس نے میری خبر اس بیکسی میں لی میں نے ایک کتاب میں نصیحت دیکھی تھی کہ دو خصلتوں سے بہتر کوئی شئی نہیں ایمان ساتھ اللہ کے اور نفع دنیا مسلمانوں کو اسباب پر کاربند ہونے میں مجھے بہت سے نقصان پہونچے اور بہت ایذا اٹھائی اور بہت رنجشیں مول لیں ۔ بہت زحمتیں حاصل ہوئیں اور بہت بیوقوف بننا پڑا اور بہت ذلت اٹھائی مگر آخر میں خدا نے اپنا فضل کیا

مومن علی نے کہا نہیں میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا آپ نے خدا کے بندوں کے ساتھ بہت احسان کئے ہیں میں آپ کو زیادہ آرام دینا چاہتا ہوں کہ سو روپیہ ماہوار آپ کی ضرورت کے لئے کافی ہوگا ۔ میرے خیال میں آپ کی آمدنی اس سے کم نہ تھی میں چاہتا ہوں اس حقیر ہدیے کو آپ قبول فرمائیں

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

ضروری گذارش

"تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں موتا ہے یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ ان کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا ۔

"مینیجر"

ایک تو یہ کہ آل سلجوق کبھی غیر مذہب والوں سے مفتوح و مغلوب نہیں ہوئے اور دوسرا یہ کہ آل سلجوق نے اسلامی علوم و فنون کی جو سرپرستی کی ہے اس کا عشر عشیر بھی عثمانیوں سے نہو سکا۔ آل سلجوق کا عہد اسلام کے عہد زریں میں شامل ہے آل سلجوق نے کثرت سے اسلامی مدرسے قائم کئے۔ مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھوائیں نئی زیج تیار کرائی۔ فارسی شاعری کو حد کمال کو پہنچایا۔ علما، صلحا اور شعرا کی قدر افزائی کی۔ اور انہیں محتاجی سے مستغنی کیا۔ مگر افسوس ہے کہ تاتاری سیلاب نے ان کی اکثر یادگاروں کو دریا برد کر دیا۔

ایک تیسری وجہ بھی آل سلجوق کی بزرگی کی بیان کی جا سکتی ہے۔ آل سلجوق کا ان کے کمال عروج کے زمانے میں کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اسلامی دنیا کیا بلکہ کل ربع مسکون میں بھی۔

مصر میں بنو فاطمہ کی سلطنت رو بہ انحطاط تھی۔ افریقہ میں ابھی موحدین کی سلطنت قائم نہ ہوئی تھی۔ یورپ میں بھی کوئی زبردست سلطنت نہ تھی مشرقی رومن ایمپائر کے قیاصرہ کا سلسلہ البتہ چل رہا تھا مگر صرف نام ہی نام تھا آل عثمان کے زریں عہد میں ہندوستان میں مغلوں کی پرشوکت و باجبروت بادشاہت خوب عروج پر تھی اور پوری مدمقابل اور یورپ میں ہسپانیہ عظمیٰ کا ستارہ پورے عروج پر تھا۔ اور عثمانیوں کا حریف مقابل۔

آل سلجوق کا عہد زریں الپ ارسلان و ملک شاہ کا عہد سلطنت ہے یعنی ۴۵۵ھ سے ۴۸۵ھ ہجری المقدس تک کل تیس سال۔

اس ۳۰ سال کی مدت میں زمام وزارت خواجہ نظام الملک طوسی کے ہاتھ میں رہی۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ نے اپنی سلطنت کا کوئی کام بغیر خواجہ بزرگ کے صلاح و مشورہ کے نہ کیا۔ کوئی اہم معاملہ ایسا نہیں ہوا جس میں خواجہ بزرگ کی تدبیر کو

دخل نہ ہو۔ گویا آل سلجوق کا عہد زریں خواجہ بزرگ کی وزارت پر مشتمل ہے۔

مولوی عبدالرزاق صاحب نے خواجہ بزرگ کے مفصل کارنامے وسوانحات عمری اردو میں بڑی قابلیت سے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ تصنیف زبان اردو میں ایک مفید و مستقل اضافہ ہے اور مسلمانوں کی داستان کہن کا ایک شاندار باب۔ خدا مولانائے موصوف کو اس محنت کی جزائے خیر دے۔

دیکھنا یہ ہے کہ آل سلجوق کے اس عہد زریں میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی۔ کتاب نظام الملک طوسی میں اس عہد زریں کے کل اہم واقعات معرض تحریر میں آگئے ہیں اور جزوی معاملات پر بھی اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے تصنیف مذکور میں جو حالات درج ہیں ان کی بنا پر مسلمانوں کی حالت سے بحث کی جائیگی یہاں حالت سے مراد خصوصاً سیاسی حالت ہے۔

(۱) آل سلجوق میں سلطنت کی وراثت کا کوئی قانون مقرر نہ تھا۔ اس لئے ہر بادشاہ کی وفات پر اس کے لڑکوں اور دیگر عزیزوں میں خانہ جنگی ہوا کی ہے۔ مندرجۂ ذیل واقعات سے اس بات کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

۴۵۵ھ ہجری میں چغری بیگ نے بمقام بلخ قضا کی اور الپ ارسلان اپنے باپ کی جگہ سریر آرا ہوا اگر اس کے بھائی سلیمان نے تخت و تاج کا دعوے کیا۔ اور اس میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا قتلمش نے جو سلجوق کا پوتہ تھا خروج کیا اور دوسری طرف سے قادر الپ ارسلان کے دوسرے بھائی نے بھی بغاوت کی۔

الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ ملک شاہ کو اس نے اپنے عین حیات میں ولی عہد کیا تھا اور بڑی شان و شوکت سے یہ رسم ادا کی تھی تاہم قادرو نے خروج کیا تکش جو ملک شاہ کا حقیقی بھائی ہے دوسری طرف سے اٹھا کہ تاج و تخت [illegible] کو لے۔ ملک شاہ کے مرتے پر اس کے لڑکوں برکیارق و محمود میں خانہ جنگی

شروع ہوئی۔

گویا بادشاہ کی وفات خانہ جنگی کے لئے صلائے عام تھی۔ ان خانہ جنگیوں نے نہ صرف فریقین کو بلکہ رعایا و ملک کو بھی بیحد نقصان پہنچایا ہے۔ ہر حکمران خاندان کے کمزور و زوال پذیر ہونے کی بڑی وجہ یہ خانہ جنگیاں تھیں جب تک کہ مختلف مدعیان تاج و تخت میں سے کوئی ایک کامیاب ہوکر دوسروں کو فنا نہ کر دیتا۔ ملک میں ایک طرح سے عام غدر رہتا تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ شاہی خاندان کے ارکان کے سوا سلطنت کے ارباب حل وعقد بھی کسی دعویدار تخت کی طرفداری میں کسی اصول کے پابند نہ ہوتے تھے۔ ذاتی تعلقات و آیندہ توقعات کی بنا پر طرفداری کی جاتی تھی۔ اور قوم تو گویا وراثت سلطنت سے بالکل بے تعلق تھی۔

عدم قانون وراثت سلطنت سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو جتنا نقصان پہنچا ہے اتنا کسی اور سبب سے نہیں پہونچا۔

اسلام نے وراثت کے بارے میں بہت ہی منصفانہ احکام جاری کئے ہیں اور انکی تعمیل پر بہت زور دیا ہے۔ اگر سلطنت کو شخصی ملکیت سمجھا جائے تو ضروری ہے کہ سلطان کی وفات پر اس کی اولاد میں تقسیم ہو۔ ایسا تو مسلمانوں کی سلطنت میں شاید ایک دفعہ ہی ہوا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنی مملکت کو امون و امین میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور شہنشاہ بابر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مگر دونو موقعوں پر تقسیم راس نہ آئی۔

اور اگر سلطنت کو قومی وملی ملکیت سمجھا جائے تو شاہی خاندان کا کوئی قابل ترین رکن سلطان ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کے دوسرے حکمران خاندانوں میں اس منصفانہ قاعدہ پر بہت ہی کم عمل ہوا ہے۔ بخلاف اس کے یورپ میں ازمنۂ مظلمہ کے قبل ہی سے وراثت سلطنت کا قانون گویا بن گیا تھا اور وہ قانون وراثت ولد اکبری۔ مسلمانوں نے عموماً سلطنت کو شخصی ملکیت سمجھا ہے۔

(۲) آل سلجوق کے عہد میں سلطنت کا کوئی اساسی قانون نہ تھا۔ بادشاہ کے فرائض وحقوق متعین نہ تھے اور نہ اس کے اختیارات کی کوئی حد تھی۔ سلطان خود مختار اور مطلق العنان ہوتا تھا اور اس کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ آل سلجوق کے عہد کے مسلمانوں نے سلطان کی اس مطلق العنانی کو مان لیا تھا کہ عین قانون فطرت کے مطابق ہے۔ تعجب تو اس لئے ہوتا ہے کہ سلجوقیوں کے دور میں مسلمانوں کی تعلیم اوج کمال پر تھی۔ قوم کا طبقہ متوسط عموماً تعلیم یافتہ تھا اور طبقہ اعلےٰ کی تعلیمی حالت موجودہ زمانہ کے برعکس نہایت اچھی تھی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ قوم نے سلطان کی اس مطلق العنانی اور غیر محدود اختیارات کو کیسے قبول کر لیا۔ جبکہ مذہب کی طرف سے اس کی اجازت تو کجا مخالفت موجود تھی اور اسلام کے اول حاکموں کا عمل درآمد اس کے خلاف تھا۔

(۳) آل سلجوق کا کوئی مستقل دار السلطنت نہ تھا۔ جس سلطان کو جو شہر پسند آیا وہی اس وقت کے لئے پائے تخت ہو گیا۔

مثلاً چغری بیگ کا دار السلطنت مرو تھا۔ اور طغرل کا ری۔ اسپ ارسلان کو بھی رے پسند تھا مگر ملک شاہ نے اصفہان کو ترجیح دی۔ سنجر نے نیشاپور کو زینت بخشی۔

سلطنت کے لئے دار السلطنت بمنزلہ دل کے ہے مختلف اوقات میں مختلف شہروں کے مستقر بنانے سے سلطنت کو کامل اقتصادی استقلال نہیں حاصل ہوتا ہے۔ جب تک دار الحکومت ہونے کی عزت حاصل رہی تب تک وہ شہر ترقی کرتے رہتے ہیں اور جب دوسرا شہر سرفرازی پاتا ہے تو پہلے شہر کی ترقی رک کر تنزل شروع ہو جاتا ہے۔

اہل دربار اور اہل کمال دوسرے دار السلطنت کو چلے جاتے ہیں۔ آبادی

گھٹ جاتی ہے۔ تجارت کو بڑا صدمہ پہنچتا ہے۔ عمارات جو لاکھوں روپیہ کے خرچ سے بنوائی گئیں تھیں بوسیدہ ہو کر گر جاتی ہیں۔

سلطنت کا کوئی مستقل مرکز نہ ہونے سے شاہی خاندان کو کسی شہر سے خصوصیت نہیں ہونے پاتی ہے اور شخصی بادشاہت کے لئے یہ برا ہے سیاسی ارتقا کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ملک کا کوئی مستقل مرکز رہے۔ انگلستان کی عظمت و ترقی میں لندن کی مرکزیت کو بھی دخل ہے۔

(۴) سرکاری ملازمت کے متعلق کوئی قانون نہ تھا اور نہ کسی خدمت کے فرائض و حقوق متعین تھے۔ فوجی و غیر فوجی خدمت مختلط تھی۔ مختلف و متضاد کام ایک ہی شخص سے لئے جاتے تھے جیسے نظام الملک طوسی کہ وزیر بھی تھا اور قلعہ گیر فوج کا افسر بھی۔ ہر سرکاری ملازم کو علمی قابلیت کے سوا درباداری کی قابلیت بھی پیدا کرنی پڑتی تھی اور درباداری کے کل لوازمات جس میں خفیہ مخبری اور غیبت بھی شامل ہیں سیکھنا پڑتے تھے۔

کسی خدمت کی تنخواہ متعین و مقرر نہ تھی۔ اور نہ وظیفہ دینے کا قاعدہ تھا۔ تنخواہ یا جاگیر یا منصب کا مدار محض سلطان وقت کی خوشی پر تھا +

(۵) ہر امیر یا وزیر یا ہر اعلیٰ عہدہ دار کے لئے زوال لازمی تھا۔ ہر وزیر یا تو قتل کر دیا گیا ہے۔ یا ذلیل کر کے نکالا گیا ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اعلیٰ عہدہ دار نیکنامی سے ترک ملازمت کر کے گوشہ عافیت اختیار کرتا۔ مثلاً عمید الملک کندری طغرل کا وزیر تھا۔ الپ ارسلان نے بھی اس کو وزارت پر برقرار رکھا مگر تھوڑے ہی دنوں میں معتوب کر دیا۔ اور ایک سال کے بعد قتل۔ نظام الملک طوسی کو ملک شاہ نے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ تاج الملک مقرر ہوا۔ تاج الملک کا بھی یہی حال ہوا۔ کسی عہدہ دار کی بددیانتی اور بے اعتدالیوں کی باقاعدہ تحقیقات کرنے کا دستور

ہی نہ تھا۔ اس طرح کہ الزامات قائم کر کے اس سے جواب طلب کیا جائے اور اس کو اپنی برأت ثابت کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ اور پھر فیصلہ کیا جائے۔

ہر عہدہ دار کی جان و مال غیر محفوظ تھا۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی کو معزول کیا گیا ہے تو اس کے ماتحت عملہ کو بھی بلاتقصیر معزول و برطرف کیا گیا۔

(۶) آل سلجوق کے عہد میں کامل مذہبی آزادی ہمیشہ نہ رہی۔ باوجودیکہ قوم اچھی تعلیم یافتہ تھی۔

عمید الملک کندری نے اپنے عہد وزارت میں سلطان طغرل کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا کہ خطبہ میں روافض پر لعنت کی جائے اور اشاعرہ کے متعلق بھی ایسا ہی حکم صادر کیا گیا۔ عمید الملک کے زمانہ میں دونو فرقوں کے ائمہ پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس۔ اسی لئے امام الحرمین و امام ابوالقاسم قشیری نے ناراض ہو کر ہجرت کی۔

(۷) آل سلجوق کا زمانہ تو اسلامی علوم و فنون کے عروج کا زمانہ تھا۔ گھر گھر تبلیغ پھیلی ہوئی تھی اور در و دیوار علمی صداؤں سے گونج رہے تھے۔ یہ سب سچ مگر ایک واقعہ کتاب نظام الملک طوسی میں ایسا بیان کیا گیا ہے جو ان حالات کی تردید کرتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفا کی اولاد تعلیم پائے اور ادنے طبقہ کے لوگ علم حاصل کرنے نہ پائیں۔ چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنا پر نامنظور کردیا۔ دینور کے ایک کاشتکار نے خواجہ کی وساطت سے یہ درخواست دی کہ اس کے لڑکے کو تعلیم کی اجازت ملے۔ مگر سلطان اجازت دینا تو درکنار خواجہ پر سخت غضبناک ہوا اور کہا کہ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آیندہ زمانہ

میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لے کر نااہلوں کو حصول علم کی اجازت دی۔

(۸) سرکاری حساب وکتاب باقاعدہ مرتب نہ ہوتا تھا۔ اور نہ سلطان کو اپنی سلطنت کے محاصل ومخارج کا علم ہوتا تھا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی آمد وخرچ کا کوئی باضابطہ حساب ہی نہ رکھا جاتا تھا۔ اس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ ملک شاہ نے حسن بن صباح کے اغوا سے نظام الملک طوسی سے دریافت کیا کہ تمام سلطنت کے آمد وخرچ کا مفصل حساب کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو۔ نظام الملک نے عرض کیا کہ بڑی کوشش سے ایسا حساب دو سال میں مرتب ہو سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلطنت کے جملہ محاصل وجملہ مخارج کا کوئی حساب ہی نہ رکھا جاتا تھا۔ ایک مہذب سلطنت کے لئے یہ امر قابل افسوس ہے

(۹) اسلام نے مشورہ پر بہت زور دیا ہے اور اسلام کے اول حکمرانوں نے ہمیشہ مشورہ کی عملاً تائید کی ہے۔

مگر آل سلجوق کے عہد میں رائے ومشورہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ اس کی کوئی وقعت تھی سلطان اپنے ملازموں کے سوا کسی سے مشورہ ہی نہ کیا کرتا تھا۔

(۱۰) اشاعت اسلام کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اور نہ یہ کوشش ہوئی کہ مختلف النسل اسلامی اقوام سے ایک قوم بنائی جائے۔ ترک۔ ترک ہی رہے اور ایرانی۔ ایرانی ہی +

عزیز نظامی

ادب آموز

کر رہا ہے کیا جاہل　کیا یہ تیرے شایاں ہے　عقل تجھ میں ہے غافل　شکر کر تو انساں ہے
سعی ناقص ای کاہل　ہے جہاں میں لاحاصل　یاں ذریعۂ کامل　کوشش نمایاں ہے
یہ تیری شرافت ہے　یا یہ شر و آفت ہے　سینہ میں کدورت ہے　دل میں شوق عصیاں ہے
لعل ہے بہا گوہر　بعد مرگ میں پتھر　چند روزہ ثروت پہ　اس قدر تو نازاں ہے
عُجب تاج سلطانی　ہے عَیب یہ نادانی　آدمی سے حیوانی　یہ خطاو نسیاں ہے
ہے قناعت اک نعمت　اس سے ملتی ہے راحت　ہے تیری بری نیت　اس لیے پریشاں ہے
یار ہو تو شاطر ہو　جس کو پاس خاطر ہو　وقت پر جو حاضر ہو　دوستی کے شایاں ہے
نیک ہو اگر عورت　وہ مکان ہے جنت　زن اگر ہو بد سیرت　گھر نہیں وہ زنداں ہے
تو کرے خطا عصیاں　وہ کرے عطا احساں　فضل و بخشش یزداں　تجھ پہ کیا الشاں ہے
میں ہوں عبد بد کردار　تو کریم ہے غفّار　میں ظلوم و عصیاں کار　تو رحیم و رحماں ہے
ہے گدائے بے ساماں　کوئی، کوئی ہے سلطاں　ہے یہاں کوئی خنداں　اور کوئی گریاں ہے
خار رنج و ایذا کا　مفسدوں کو ہے کھٹکا　اسکو خوف ہی ہے کیا　جسکا پاک داماں ہے
کس سے ناز اٹھیں اسکے　سر پہ یہ رہا جس کے　رہ گیا ہے وہ پس کے　ایسا بار احساں ہے
یہ ہے گردش دوراں　کل جو تھے جو عالی شاں　خاک میں ہوئے پنہاں　در ہے اب نہ درباں ہے
سن تو بلبل شیدا　کہہ رہی ہے سوسن کیا　خار زار کل ہوگا　آج یہ گلستاں ہے
خوان نعمت الواں　جب ہے مجمع یاراں　وقت بیکسی نادان　کون کس کا پرساں ہے

چاہتے ہو گر راحت　اے ذہین کرو محنت
اس سے گھٹتی ہے نکبت　بڑھتی عزت و شاں ہے

ذہین

غالب اور شعرائے فارسی

(سلسلہ اشاعت گذشتہ)

گذشتہ نمبر میں ہمنے عرفی کا فارسی کلام اور غالب کا اردو کلام پیش کیا ہے اور دکھلایا ہے کہ غالب نے مضامین کو اردو کا جامہ پہنانے میں اپنی دہبی قوت شاعری سے کسقدر مدد لی اور اردو کی شاعری کو جذبات اور حیات کا لباس پہنانے میں کس قدر چابکدستی سے کام لیا اس نمبر میں ہم غالب کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جنسے معلوم ہوگا کہ انہوں نے فارسی کے دیگر اساتذہ کے مضامین کو کس حسن خوبی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ مثلاً خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

زہے عمر دراز عاشقاں گر — شب ہجراں حساب عمر گیرند

غالب۔ کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں — شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

خسرو۔ای گل چو آمدی ززمیں گو چگونہ اند — آں روئہا کہ در تہ گرد فنا شدند

غالب۔ سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

خسرو علیہ الرحمۃ نے جس ترکیب سے دونوں مضمونوں کو ادا کیا ہے اونکو غالب کے حسن بیان نے ایسا چمکا دیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے کسی فارسی خیال کو لیا ہے اور شعر میں سے بہتر خیال کو لے لیا ہے باقی کو چھوڑ دیا ہے مثلاً خسرو ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

بہ بین اندر رکوع آں پارۂ نور — ہلالش گوئے خواہی خواہ ذوالنون

اس میں ہلال کا رکوع میں ہونا ایک نئی بات ہے غالب نے اپنے شعر میں صرف اسی کو لے لیا ہے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

ہاں مہ نو سنیں تو اس کا نام — جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

بعض بعض جگہ اگر کوئی ایسا مضمون انکے سامنے آیا ہے جسکا ترجمہ اور اس سے استفادہ زبان اردو کی وسعت کے لئے ضروری سمجھا۔ اور بوجہ زبان کے محدود ہونے کے وہ مضمون اس تنگ دائرہ میں سما نہ سکا وہاں انہوں نے غیر مانوس اور فارسی ترکیبوں سے کام لیا ہے مگر اس دائرہ میں داخل ضرور کر دیا ہے مثلاً ایک ایرانی کہتا ہے کہ

دریاب کہ مانداست ندل قطرہ خونے آں قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

بساط عجز میں تھا ایک دل اک قطرہ خون وہ بھی سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

اسکی ردیف وہ رکھی گئی ہے جس سے شعر میں ترقی پیدا ہو گئی ہے اور اگرچہ یہ بالکل اس شعر کا ترجمہ ہے مگر پھر بھی اس سے بالاتر ہے

اسی وسعت زبان کے خیال سے انہوں نے اپنے اکثر فارسی خیالات کو اردو میں نظم کیا ہے جو اگر فارسی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے تھے تو اردو میں بھی پھولوں کی بہار دکھا رہے ہیں۔ چنانچہ منقبت میں ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ازمکرمتش ناف زمین ناف غزالت مشکیں زچہ شد ورنہ لباس حرم آیا

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبوں شد غلط جادۂ گلخن بہ گلستاں رفتم

کاش رے سوختم و داد فنائی دادم شرم باد اکہ بدلاں تازہ خیاباں رفتم

پہلے شعر میں یہ بیان کیا گیا کہ جلوہ میرے خاشاک کے حق میں مفید نہوا۔ مجھے گلخن میں جانا چاہئے تھا کہ میرے خاشاک کے طالع کا فروغ ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے شعر سے ظاہر ہے اسی اعلیٰ خیال کو وہ اردو میں اسطرح ادا فرماتے ہیں ؎

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

خود راہی بہ نقش طرازی علم کنم تا با تو خویش نشینم و نظارہ کم کنم

سیکھے ہیں مہ رخوں کیلئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

لالہ و گل ومد از طرف مزارش پس مرگ تا چہا در دل غالب ہوس روئے تو بود

ایسا ہی مضمون اردو میں نظم کیا ہے

مدفن غالب پہ آگئی ہے جو کوسوں تک حنا کسقدر یارب ہلاک حسرت پابوس ہے

اس قسم کی فصاحت کی کلیات نظم فارسی میں بہت پائے جاتے ہیں جنکا ترجمہ انہوں نے اردو میں کیا ہے اسکے سوا انہیں اپنے نثر کے خاص طرز سے اردو پر جو احسانات کئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اب ہم اس کو چھوڑکر اسطرف متوجہ ہوتے ہیں کہ غالب نے فارسی گویوں کے یہ تخیلات

اردو میں اپنی شاعری کا سکہ بٹھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اون کا فارسی کلیات ہمارے سامنے ہے جسمیں عرفی۔حافظ۔خاقانی نظیری صائب بیدل وغیرہ کی غزلوں پر غزلیں لکھکر انہوں نے داد سخنوری دی ہے۔اور نقاد طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں کہ وہ ان نغز گویوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے ہیں۔ اگرچہ ہمارا مبحث یہ نہیں ہے پھر بھی نمونتاً ہم کچھ لکھتے ہیں

حافظ علیہ الرحمتہ کی پہلی غزل میں یہہ شعر آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے ؎

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں حائل   کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

مگر اسی مضمون کو دوسرے الفاظ کے ساتھ غالب نے اس صفائی کے ساتھ ادا کیا ہے جس کے سامنے حافظ علیہ الرحمہ کا شعر کچھ زیادہ تعریف کا مستحق نہیں رہ سکتا لکھتے ہیں ؎

ہوا مخالف۔وشب تار۔وبحر طوفاں خیز   گسستہ لنگر کشتی وناخدا خفتست

دلم بہ سبحہ وسجادہ وردا لرزد   کہ وزد مرحلہ بیدار وپارسا خفتست

ہم ان اشعار کی شرح صرف بخوف طوالت نہیں لکھتے ورنہ ایک تذکرہ نویس کا یہ فرض ہے کہ وہ محاسن وعیوب کا ذکر کرے لئے ہم صرف ناظرین کے ذوق پر چھوڑتے ہیں۔عرفی۔کی غزل پر غزل اور قصاید خاقانی ظہوری کے قصاید اور غزلوں پر غزلیں ہم آیندہ کسی اشاعت میں ہدیہ ناظرین کرینگے۔چونکہ مضمون بڑھا جاتا ہے۔اور اسوقت اس بحث سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔لہذا اسے دوسرے وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اون کے فارسی کلام پر مختصر تنقید لکھتے وقت یہ باتیں لکھیں گے

غالب باوجودیکہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز۔اور فن شاعری میں کامل تھے۔مگر اونکے

اخلاق اور انصاف پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انصاف مجسم تھے اپنے شعر اپنے قصاید کی وہ ہمیشہ تعریف و توصیف ہی میں رطب اللسان نہ رہتے تھے بلکہ حق پر اونکی نگاہ تھی۔ وہ اگر دیکھتے تھے کہ یہ غزل یا یہ شعر سست ہی تو وہ خود اسکو جانچ اور تول لیتے تھے۔ چنانچہ ایک غزل کے مقطع میں اظہار کیا ہے کہ ؎

غالب نبود شیوۂ من قافیہ بندی ظلمے است کہ بر کلک وورق میکنم امشب

اونکی یہ غزل اور غزلوں کی نسبت کمزور ہے اسلئے انہوں نے بھی اسکا اظہار کر دیا اور خود ستائی سے احتراز کیا۔

ایرانی شاعر باوجود اسکے کہ ہمیشہ سرزمین ہند سے ہی اونہیں اعزاز اور علوم مرتبہ نصیب ہوا۔ نقد و جنس سب کچھ ہندوستان سے اونکے ہاتھ لگا۔ یہاں نہایت افلاس میں آئے مگر جب چلے تو امیر و دولتمند بنکر چلے۔ اور باستثنائے بعض سب کے ساتھ ہندوستان نے یہی سلوک کیا۔ مگر یہ لوگ جسقدر ہند اور اہل ہند نے انپر شفقت کی اوسی طرح چلتے وقت یا خود یہیں رہکر ان دونوں پر تبرا کیا۔ مثالاً علی حزیں کو دیکھئے کہ ہمیشہ کے لئے وہ ہند میں رہ پڑے اور جب آئے تھے تو نہایت ہی پریشان روزگار تھے مگر پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

نا سپاس سیر تی است تمنائے مردمی از دیو لاخ ہند کہ انسان نداشتست

اسی طرح اور بہت سے شاعروں کو ہم نظیر میں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اسکو محسوس کیا۔ چونکہ اونکا کلام ایران کے نامی گرامی شعرا کے کانوں تک پہنچتا تھا اسلئے انہوں نے اِن خرافات کا یوں جواب دیا۔

اے کہ رامدی سخن از تکیہ سرایان عجم چہ بما منت بسیار نہی از کم شاں

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں

مومن و نیر و صہبائی و علوی وانگاہ حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں

غالب سوختہ جاں گرچہ نیرزد بہ شمار   ہست در بزم سخن ہمنفس و ہمدم شاں

اس مقطع سے غالب کے اخلاق پر بھی پوری پوری روشنی پڑتی ہے جیسا کہ بعض آدمی کہا کرتے ہیں کہ غالب میں خودداری بہت بڑھی ہوئی تھی اونکے جواب کے لئے یہ بہت کافی ہے اسکے سوائے اپنے معاصرین کے لئے اونہوں نے اور جگہ بھی اپنے حسن ظن کا اظہار کیا ہے جیسے کہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ باوجود اسکے کہ فارسی میں ان کے شاگرد تھے۔ مگر پھر غالب کا انصاف دیکھئے کہ شاگرد کی تعریف کن الفاظ سے فرماتے ہیں

غالب   غالب زحسرتے چہ سرائے کہ در غزل
چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس

اردوئے معلےٰ میں بھی ایک رقعہ میں اپنے ہمعصروں کے لئے نہایت رنج بھرے فقرے تحریر کئے ہیں۔

غرضکہ غالب کے اردو شاعری پر بیحد احسانات ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ضرور اس کے مستحق ہیں کہ اونکی شکستہ قبر کو ایک یادگار کی صورت میں لایا جائے اور مرحوم کی کوششوں کو جن کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ یہ کہہ کہہ کر افسوس کرتے رہے۔

غالب کچھ اپنی سعی سے لینا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

پورا کرکے اونکی روح کو شاد و مسرور کیا جائے۔ کیا عجب کہ ہندوستان کے ریختہ گو شاعر اور حامیان اردو اسپر توجہ کریں۔

عبدالباری آسی

نرگس

آج بدلا ہوا گلزار کا نقشا دیکھو
ہے کس انداز سے نرگس چمن آرا دیکھو
قدرتِ حق کا چمن زار میں جلوہ دیکھو
چاندنی رات میں نرگس کا تماشا دیکھو

ہے یہ چاندی کا کٹورہ کہ مئے ناب کا جام
یا کھلی رہ گئی ہے خواب میں چشم گلفام

کبھی نرگس پہ گماں مجھکو ہوا اختر کا
کبھی شک اس پہ ہوا جام مئے احمر کا
یا گرا باغ میں جھومر یہ کسی دلبر کا
یا کہ الٹا ہوا ہے تاج گلوں کے سر کا

جام نرگس میں جو شبنم نے بھرے ہیں موتی
نقرئی جام میں انمول دھرے ہیں موتی

گلِ نرگس کی نہیں سرخ نشیلی آنکھیں
حشر ڈھاتی ہیں گلستاں میں یہ نیلی آنکھیں
ایسی ہونگی نہ ہرن کی بھی رسیلی آنکھیں
تیغ و خنجر سے کہیں بڑھ کے کٹیلی آنکھیں

چشم معشوق کا ہو جاتا ہے دھوکا مجھکو
دل سے مرغوب ہے اس گل کا نظارہ مجھکو

ایک لحظہ نہیں بیکار رہا کرتی ہے
کون کہتا ہے کہ بیمار رہا کرتی ہے
پاسباں گل کی ہے ہشیار رہا کرتی ہے
روز و شب خواب سے بیدار رہا کرتی ہے

نیند سے سبزہ نہ چونکے یہی ڈر ہے اس کو
باغ میں فتنہ نہ اٹھے یہ خطر ہے اس کو

چشم معشوق طرحدار یہی نرگس ہے
جام مینوش و قدح خوار یہی نرگس ہے
چمنِ دہر میں ہشیار یہی نرگس ہے
باعثِ زینتِ گلزار یہی نرگس ہے

نرگسی آنکھ نے اک گل کی ہے مارا ہمکو
اے رسا اس لئے یہ پھول ہے پیارا ہمکو

سید شاہ محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی - گیاوی

میر مہدی مجروح

جلنی

دلّی اجڑی ہوئی اور برباد دلّی سچ ہے اور بالکل سچ ہے۔ تیری بزم زیب و زینت درہم و برہم ہوگئی تیری محفل کے آخری اور جھلملاتے ہوئے چراغ بھی بجھ گئے۔ کنول ٹھنڈے ہی نہیں ہوگئے۔ بلکہ ریزہ ریزہ ہوکر تہ زمین ہوگئے پیوند خاک بن گئے۔ ویرانی بیکسی اداسی وحشت آج تیری مہمان ہے۔ مگر پھر بھی تو ہندوستان آہ ہندوستان نہیں دنیا کا دل ہے۔ اور آج بھی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شہر کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہے کہ تیری ہمسری کا دعوے کرے۔ اس لیے کہ تیرے مایہ ناز کملا (جو آج مقبروں میں میٹھی نیند سو رہے ہیں) اپنی زندگی کی جو یادگار چھوڑ گئے ہیں وہ آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے تیرے اور تیرے ملک والوں کے لئے مایہ ناز باعث فخر بننے کی قابلیت رکھتی ہے۔ آہ۔ یہ کہتے ہوئے دل بھر آتا ہے۔ کہ آج دلّی کی زبان خراب ہوگئی اور خراب ہو رہی ہے۔ مگر یہاں داغ مرحوم کا جو تیری ہی آغوش شفقت میں پڑھا تھا مقولہ بھلائے نہیں بھولتا ؎

لوگ کہتے ہیں بنا دلّی اجڑ کر لکھنؤ
ہم کہاں سے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

کسی کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ تیری آخری شمعیں جو بجھ گئیں انہیں کے بتائے ہوئے راستے ہمیشہ کے لئے زبان کے بارہ میں ہمارے لئے چراغ ہدایت اور خضر طریقت کا کام دینگے۔ سعدی ہند مولینا حالی کے مقولہ ؎

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

کی اب قدر ہوگی جب داغ بھی داغ مفارقت دے گئے اور مجروح بھی اپنی فرقت میں دل کو مجروح کر گئے۔ بڑا تھا وہ ۱۳۲۱ھ جب مجروح نے ہم سے جدائی کی اور اپنے ہمصفیروں یعنی نسیم۔ شیفتہ۔ آزردہ۔ ذوق۔ درخشاں۔ مومن۔ صہبائی۔ علوی۔ انور وغیرہ اور اپنے قابل استاد غالب کے ساتھ عالم ارواح کے مشاعروں میں شریک ہو گئے۔ اللہ اللہ کیا پاس وفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور ع

صبح گر یار رجائے گا تو اپنا ہے سفر پہلے

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اس میں تو کلام نہیں ہے کہ اس جدائی سے انہیں خوشی اور اس جدائی میں انہیں وصال نصیب ہوا ہوگا۔ مگر ایسے باکمال کے اٹھ جانے سے جان سخن پر جو کچھ مصیبت پڑے کم اور بہت کم ہے۔ ہائے کیا باکمال شاعر تھے جو پانچویں دور کے گلدستہ شعرا کے ایک خوشبودار پھول تھے یا دلی کے چمنستان سخن کے ایک خوشنوا اور خوش آواز طایر تھے عجب خوش آہنگیاں تھیں جنہوں نے کہیں افسردہ دلوں کو تروتازہ کر دیا اور کہیں اسی نغمہ سنجی نے مست و بیخود کر دیا۔ کہیں دنیائے فانی کو آنکھوں میں تار عنکبوت ثابت کیا تو کہیں رنداں قدح نوش کے دل کو ایسا گدگدایا کہ بادہ کشی پر معذور اور مجبور ہو گئے۔

یہ وہی میر مہدی مجروح ہیں جن کی ذات پر غالب جیسے مسلم الثبوت استاد کو ناز تھا۔ بے تکلفی یا محبت میں سب کچھ کہہ جاتے تھے عوام پر انکا کمال ظاہر کر دینے کے لئے اپنے کو حاسد بھی قرار دے لینا کوئی اخلاقی گناہ نہ سمجھتے تھے جیسا کہ اردوئے معلٰی کے رقعات سے ظاہر ہے ٭

یہ وہی میر مہدی مجروح ہیں جنہوں نے شباب کی لہراتی ہوئی امنگوں کے ساتھ اپنی شاعری کو شروع کیا۔ اور اس میں جوانی کے جذبات شباب کے ولولوں عشق

کی دشوار گذار منزل کا نقشہ اور تصویریں کھینچدیں۔ کمال اسی کا نام ہے اور شاعری
کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ ایک متوسط درجہ۔ بلکہ چند جزو کی ضخامت کا دیوان اور اس
میں ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے خیالات شوخی کو دیکھیے تو نعمت خان عالی۔ بلاغت پر نظر
ڈالیے تو استاد کے ہمقدم۔ زبان کا اندازہ کیجیے تو دلی کے روزمرہ کا صحیح نمونہ حسرت
وغم و ارمان کے مضامین پر غور کیجیے تو عاشقان ستم رسیدہ کے چوٹ کھائے ہوئے
دلوں کو سنان و نشتر۔ تصوفانہ مضامین عام کے لئے چراغ ہدایت تو اہل اللہ و
درویشوں کو شہد شیریں کی لذت ہے۔

قلم کا زور اس بلا کا ہے کہ جہاں کہیں چاہا استاد کے قدم بہ قدم چلیں۔ تو
غالب کے کلام کو چھپائیے مجروح کا کلام اٹھائیے اندازہ مشکل ہے ہمعصروں میں سے
کسی کی غزل پر غزل لکھی یا کسی کا کوئی خاص مضمون پسند آیا ہے اور اسے اپنی طرز
میں ادا کیا ہے تو سبحان اللہ کیا پاک صدائیں ہر زبان سے نکلتی ہیں۔ غرض کون سی
ادا ہے جو اس باکمال شاعر کے دیوان میں نہیں اور کونسا رنگ ہے جسے دیکھنے والا
ان کے مجموعے خیالات میں نہ دیکھ پائے۔ نمونہ کے طریقہ پر چند شعر کلام کے
ملاحظہ فرمائیے۔

تو اس سے ڈراتا ہے کہ جو خیر محض ہے　　واعظ ترے فقروں میں کب آتے ہیں الٰہی

طالب غلط ہیں اور آپ کو اس پہ زاہد　　سالک مسلک تسلیم و رضا کہتے ہیں

جیسے ان دونوں شعروں میں زاہد و واعظ کے چھتیڑے اور لتے لئے ہیں۔
غالباً اس سے زیادہ کوئی رند مشرب کسی بھلے آدمی کو نہیں کہہ سکتا۔ ایسی مثالیں ان
کے دیوان میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ مگر شوخ بیانی کچھ اس پر ختم نہیں ہے گویا لذت اور مزے

میں آکر گالیاں کھانے کے لئے کہیں معشوق کو بھی چھیڑ دیتے ہیں اور ان پر بھی پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھکو برا جانا سمجھے بھی تو کیا سمجھے جاناں بھی تو کیا جانا
کچھ عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا میں نے تو کہا کیا تھا اور آپنے کیا جانا

عدو پہ ہے یہ لطف دمبدم کیا ہوئے وہ آپ کے قول و قسم کیا

شعر نمبر ا میں کس شوخی سے رشک رقابت کا اظہار کیا ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی ایسے ہی شعر نمبر ۲ میں اپنی بربیت کا دوسرا مصرعہ کتنا پیارا موزوں ہے۔ شوخی بیان کی ایک نئی سے نئی تصویر۔

کہا جب دل نہ لے جاؤ تو بولے کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا

سبحان اللہ کیا پیارا انداز بیان ہے۔ کیا کسی بڑے سے بڑے شاعر نغز گو کے یہاں اس سے بڑھے ہوئے پیارے مضامیں اور ہوسکتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ چونکہ ان کا ہر ایک شعر تعریف کا محتاج نہیں ہے اب ہم مسلسل دو چار شعر اس قسم کے لکھ کر دوسرے انداز بیان کا حصہ ہدیۂ ناظرین کرینگے +

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی نہ پوچھو حسرتیں ہیں دل میں کیا کیا

کچھ قیامت تو نہیں جب کا ضرور آنا ہے چشم بد دور یہ ہے آپ کا آنا صاحب

کچھ قیامت تو نہیں۔ اور چشم بد دور۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

لڑکے اغیار سے خفا ہیں آپ مجھ سے بوجہ کیوں خفا ہیں آپ

اپنوں سے ارتباط نہ یاروں سے اختلاط یہ عمر اتنی تم نے گذاری خضر کہاں

ڈرو اے شیخ رندِ بے ادب سے ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

صاف فقرے ہوں اور ہیں پہ ہوں شیوہ اچھا تو ہے مرا اداب

چونکہ شوخ طبیعت کہیں رکتی نہیں ہے استاد پر بھی ایک فقرہ چست کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح بادہ ناب میں ملا کے گلاب

شمۂ طرز بیان کے بعد ہی ان کے حسن بیان کا دکھانا بھی ہمارا فرض ہے جو ان کے ہمعصروں میں سے کسی کو کم نصیب ہوا ہے۔

شب فرقت میں کسی طرح سے آتا ہی نہیں ہو گیا خواب بھی کیا آپ کا آنا صاحب

کیا سنا حال تلخ کاموں کا حد سے افزوں جو بے مزا ہیں آپ

عکس تیرا تجھے آئینہ میں تکتا ہے سدا کون ہے وہ جو ترا طالب دیدار نہیں

اور کچھ یہی نہیں ہے کہ ان کے مضامین اور ان کی نادر الخیالی سیدھی سیدھی زمینوں تک محدود ہے بلکہ اس سے گذر کر خیال مجروح نے ایسی شور زمینوں میں اپنے نازک خیالوں کے پودے لگائے ہیں۔ جہاں ان کا پھولنا مشکل تھا۔ مگر اس باغ سخن کے مالی نے اپنی طباعی کی آبیاری سے وہاں بھی بڑا کام کیا اور ایسے ہی اُن زمینوں میں گل کھلائے ہیں۔ مشتے نمونہ خرواری۔

میں اور اُن سے طلب بوسہ نہیں منہ پڑتا مجھ سے کم ظرف کو ہے لذت دشنام بہت
جی میں ہے آہ سے احوال دگرگوں کردوں تنگ رکھتی ہے مجھے گردش ایام بہت

محبت کی سزا اور اصل اصول - بلکہ کلیہ بیان فرماتے ہیں -

ہوا لازم پتنگے کا جلانا کیا ہے اس نے اظہار محبت
اسے کیا بستر گل پر ہو آرام کھٹکتا جس کے ہو خار محبت
ہر ایک کو پیش آتا ہے نیا رنگ کھُلے کس طرح اسرار محبت
فلک جس کے اٹھانے سے ہے عاجز غضب سنگین ہے بار محبت
اودھر وامق ادھر فرہاد و مجنوں بھرا رہتا ہے دربار محبت

یہ غزل بڑی ہے مگر انصاف کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو کوئی شعر بھرتی کا نہیں ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور ہے۔ بلکہ لطف یہ ہے کہ ثقیل طرح میں بھی اُن کے یہاں بہت کم ایسے شعر ملتے ہیں جسے کسی نہ کسی حیثیت سے کوئی ممتاز درجہ نہ نصیب ہو۔

گنہ ہو یا نہ ہو بیوجہ اے زلف سیکھے تو ہے الجھ جانے کی عادت

شب غم نے بچھا دیئے کانٹے چین آتا نہیں کسی کروٹ
نہیں جاتا ہے پھیر قسمت کا آکے یہاں پھر گئی وہ گھر کو پلٹ

اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس بس یوسف مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ

ادھر ان کے نادر اور موزوں خیالات سے دیوان سبد گلچیں بنا ہوا ہے۔ ادھر ہمارا دل نہیں مانتا۔ مگر طوالت کا خیال زیادہ تر لکھنے سے مانع ہے مجروح کے ایسے ایسے شوخ پاکیزہ خیالات اُس وقت تک رہے جب تک کہ باکمال استادوں کے جھگمٹے میں بیٹھنے کا اعزاز انہیں نصیب ہوا۔ مگر غدر کے ہنگامہ نے سب کو جدا کر دیا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی پانی پت چلے گئے۔ اس صدمہ جانگداز کی وجہ سے مدتوں تک شعر و سخن کے مشغلہ کو چھوڑ دیا۔ دل ہی نہ چاہا۔ اور ایسی مثال سے دوچار ہونا پڑا جیسے کہ ایک پھول گلدستہ سے جدا ہو کر افسردہ اور پژمردہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ قریب قریب شاعری کو خیرباد کہہ دیا۔ مگر باکمال تھے ابھی احبا کی چھیڑ چھاڑ نے کچھ کہنے پر مجبور کیا۔ دل شکستہ تھے۔ پہلا کلام گھر کے ساتھ ہی ساتھ لٹ گیا تھا۔ اب ہر چند کچھ کہتے تھے مگر وہ طرز بیان نہ تھی۔ شوخیاں رنج و غم حزن و ملال حسرتیں و ارمان مایوسی سے بدل گئے تھے۔ نہ دل میں وہ جوش تھا نہ اُمنگ۔ کیونکہ دلی کے چمن سے بہت سے خوشنوا طائر اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ گئے تھے۔ پھر بھی طبیعت کی ذہانت اور مشق دیرینہ سے کلام میں حسرت و ارمان ہی کے پردہ میں جدت طرازی رنگیں بیانی جانے نہ پائی۔ اور اب درویشی اور تصوف کے خیال اس سانچے میں ڈھلنے لگے۔ چنانچہ ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں۔ کچھ غزلیں اپنی یاد سے لکھیں اور کچھ جب یہ چند جزو کا دیوان مرتب ہوا جو ہمارے پیش نظر ہے۔

دنیا کے طلبگار ہوئے دین کے بدلے   جاتا ہوں کدھر اور مجھے جانا کدھر ہے

اسی شعر کو سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ لے اعرابی   کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

سچ تو یہ ہے کہ سعدی کے یہاں لفظ ترسم بے پناہ ہے جس کا جواب

مجروح کے شعر میں نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اچھا ترجمہ اور تصوف کا مضمون ہے۔

اللہ اللہ نیستی کے مزے — عیش سرمد بھلا دیا ہم کو

ہو نہ مایوس ہے تجسس شرط — وہ بھی مل جائیں گے کہیں نہ کہیں

وہ نگاہیں پھری ہیں تو آفت ہے — یہ زمانہ کا انقلاب نہیں

مندرجہ بالا شعروں کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینہ میں ایک پاک اور فنا فی العشق دل تھا۔ اور وہ اکثر ان جذبات سے مجبور ہوکر کبھی کبھی اس کوچہ میں بھی قدم رکھتے تھے۔ تغزل کی حد میں درد و حسرت کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو ان کے یہاں زیادہ سے زیادہ ہے۔

پورا ہوا نہ کوئی زمانہ سے اپنا کام — نالہ ہوں میں اگر تو لب نارسیدہ ہوں

مدد اے نغمہ سنجی بلبل — کب سے گم کردہ آشیاں ہوں میں

گرد دیتی ہے کارواں کا پتا — یادگار گذشتگاں ہوں میں

حسن کی تعریف تشبیہہ کا لطف ملاحظہ ہو

وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا — یہ مستی کہاں بادہ ناب میں

عشق و عاشقی کی شان

کوئی میرے دل ہی سے پوچھے اسے — تپش ہے جو آہ جگر تاب میں

اب ہم کو صرف یہ بات دکھانی باقی ہے کہ مجروح مرحوم نے اور اساتذہ کے ساتھ جب کسی مضمون میں قدم اٹھایا ہے تو ان کو کیا درجہ نصیب ہوا ہے۔

مجروح۔ نہو اگر رخ دلدار پر نقاب نہیں　　یہاں جمال کے نظارہ ہی کی تاب نہیں

غالب۔ جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز　　آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں

مجروح۔ وہی رقیب سے یکساں ہے اسکو ربط نہاں　　ہمارے ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں

عارف۔ تا ایک وضع سے رہوں دائم عذاب میں　　ضد سے مری زمانہ نہیں انقلاب میں

وغیرہ وغیرہ ان اشعار کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح اپنے ہمعصروں میں معمولی درجہ کے شاعر نہ تھے۔ بلکہ وہ مضامین کو نہایت سلجھا کر کہتے تھے۔

قافیہ پیمائی ان کا کام نہیں مگر جہاں کوئی قافیہ کسی قافیہ کے جواب میں کہا ہے وہ خوب ہے۔

داغ۔ چوٹ کھا نا دلِ حزیں نہ کہیں　　ورد رہ جائیگا کہیں نہ کہیں

مجروح۔ دل کی سب بے چینیاں گئیں کہیں　　ایک خلش سی رہی کہیں نہ کہیں

ہمارا خیال ہے اور یقینی صحیح ہے کہ ان کے کلام میں اوصاف شاعری کے سب نمونے بہتر سے بہتر موجود ہیں۔ اور ان کی شاعری ادب اردو کیلئے مایہ ناز ہے۔ ان کے یہاں ترجمے فارسی شعرا کے زیادہ سے زیادہ ہیں۔ مگر ترجمہ کوئی عیب نہیں ہے ترجمہ کی شان سے تخیل کا مزا آتا ہے۔

ایک آدھ شعر ملاحظہ ہو۔

حزیں۔ حزیں از راہ سر پیمائی گشتگی دیدم　　سر شوریدہ بربالیں آسایش رسید اینجا

مجروح۔ کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائشیں ملیں　　میں قبر میں مسافر منزل رسیدہ ہوں

ہم بخیال طوالت مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ مگر مجروح کا کلام ایسا دلنشین اور دلچسپ ہے کہ جی نہیں چاہتا۔ مگر

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

والسلام

منشور دہلوی

تلاش عیش

(سلسلہ کے لئے گزشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

جس واقعہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا اس کو پانچ برس گذر گئے ہیں۔ مولوی فریدالدین کی طبیعت نے اپنا پرانا ڈھنگ پوری طرح پھر اختیار کر لیا۔ وہی چڑچڑا پن وہی ہر وقت کی جھک جھک۔ بک بک۔ ہر بات پر اعتراض کرنا کسی چیز سے خوش نہونا۔ ہر شخص پر شک وشبہ۔ دنیا ان کے واسطے پھر اسی طرح دارالمحن ہوگئی۔ جیسے پہلے تھی سچ ہے کہ انسان کی دوزخ یا بہشت اس کی طبیعت ہے حسینہ کو اس دوزخ کے پڑوس میں رہنا اگرچہ ناگوار تھا لیکن بے بس تھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اس کا آنا جانا بالکل روک دیا گیا۔ میکے جانے کی بھی مشکل سے اجازت ملتی تھی۔ گھر میں دس بارہ برس کا لڑکا بھی نہ آنے پاتا تھا۔ ماما اور نوکروں میں بھی کوئی جوان و کمسن آدمی نہ تھا۔ مولوی صاحب کے دماغ میں جوان و شیطان مرادف الفاظ تھے۔ جوان مرد یا عورت سے وہ اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیطان سے کوئی بھاگتا ہے۔ ہر وقت انہیں یہی وہم رہتا تھا کہ میری بیوی چونکہ جوان ہے۔ جوان مرد کو دیکھکر عاشق ہوجائیگی اور ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بھاگ جائے۔ جوان عورت سے یہ ڈر تھا کہ بیوی سے ولولہ خیز باتیں کریگی۔ بیوی کا رجحان ان باتوں کی طرف ہوگا جس کا نتیجہ بہت ہی خوفناک ہوگا۔ بہت سے اسی قسم کے مقدمات جنہیں فیصل کرنے کا انہیں موقعہ ملا تھا۔ ہر وقت پیش نظر رہتے تھے اور دل میں کہتے تھے کہ جب اس قسم کے واقعات دنیا میں ہوا کرتے ہیں تو اس بات کا تدارک پہلے سے نکرنا اور احتیاط نہ رکھنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ انسان کا دل جس کام کے کرنے کو چاہتا ہے۔ اس کیلئے وجہ قائم کر لیتا ہے جن واقعات کا مولوی صاحب کو خیال تھا۔ ان کے ہونے کی تعداد زیادہ ہے یا نہ ہونیکی

مگر انہوں نے واقعات دنیا میں سے انہیں کو چُنا جو ان کی مرضی کے موافق تھے زوج اور زوجہ کے تعلقات کے جتنے مقدمات مولوی صاحب کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ ان میں وہ انتہائی سختی برتتے تھے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی شکایت اگر اجلاس میں کرتی تھی۔ تو اپنے آپے سے باہر ہو جاتے تھے اور غصہ کے مارے ہاتھوں میں رعشہ اور لبوں میں بے اختیاری جنبش پیدا ہو جاتی تھی۔

حسینہ بہت شوخ طبیعت عورت تھی۔ مولوی صاحب کے حرکات کا اثر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان سے بیزار تھی اس کی طبیعت میں کسی قسم کا تغیر اس کی وجہ سے نہ ہوا اس کی شوخی طبیعت شوہر کے روکھے پن اور تشدد کا برابر مقابلہ کرتی رہی پسپا نہ ہوئی۔ مولوی صاحب اس کے بناؤ سنگھار کرنے کے خلاف تھے شاید ڈرتے ہونگے کہ در و دیوار عاشق نہ ہو جائیں اور اُسے چھین نہ لیں۔ مگر حسینہ نے کبھی اس کی پرواہ نہ کی اور جو دل چاہتا تھا پہنتی اوڑھتی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا ایک روز شام کے وقت ہلکا دھانی پھولدار ساٹن کا چست پیجامہ اس نے پہنا اور مہین ململ کا پیازی رنگ کا کرتہ اور کاسنی رنگا ہوا دوپٹہ۔ اتفاق سے اسی وقت ماما نے پھولوں کے گجرے لاکے دیئے۔ یہ محض اتفاق تھا یا ماما سے پہلے سے کہدیا گیا ہو جو کچھ ہو بہرحال بہت خوش خوش پھولوں کے گجرے لئے اور گلے میں ڈالے پھر کچھ دل میں جو آئی تو دو گجروں کی ایک بدی بنائی اور اس کو پہنا۔ گجرے اگرچہ بڑے تھے لیکن اصلی بدی کی پوری لپیٹ کو کیونکر پہنچ سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ سینے کے گرد آکر یہ بدہی رہ گئی اور اس نے ایک دلفریب نمائش پیدا کردی حسینہ نے گردن جھکا کے دیکھا اور یہ انداز اُسے بھلا معلوم ہوا۔

بن سنور کے تخت کے چوکے پر جا کے گاؤ سے لگ کر بیٹھی جس پر ایک سفید شفاف چاندنی بچھی تھی اور چار کونوں پر سبز مخمل سے منڈھے ہوئے میرفرش رکھے تھے۔ وسط تخت میں ایک کنول رکھا تھا جسکی شمع ابھی روشن تھی حسینہ تکیہ سے لگی بیٹھی کسی سوچ میں تھی،

کہ مولوی صاحب گھر میں آئے اور بیوی کے اس ساز و سامان کو دیکھکر ناک بھوں چڑھائی۔ نماز کا وقت آخر ہو رہا تھا جا نماز مانگی اور اسی سلسلہ میں اپنے دلی پیچ و تاب کی بھی جھلک دکھا دی کہنے لگے "بیٹھی ہوئی منہ دیکھ رہی ہو جا نماز نہیں دیتیں تم کو سوائے بننے سنورنے کے کوئی اور بھی کام آتا ہے" "کچھ دیر ٹھہر کے" یہ انداز شریف گھر میں بیٹھنے والیوں کے ہوا کرتے ہیں"

حسینہ کو نہ معلوم کیوں اس وقت یہ جملہ بہت ہی ناگوار ہوا حالانکہ اس سے بہت زیادہ سخت سخت جملے بارہا اسی معاملہ کی بابت کہے جاتے تھے اور ہنسی میں ٹال دیتی تھی۔ اس وقت ذرا جھنجھلا گئی اور کوئی جواب دینے کو تھی کہ میاں نے نماز کی نیت باندھ لی مجبوراً رک جانا پڑا مہلت پاکے دماغ اسی ادھیڑ بن میں پڑ گیا۔ اور اس تھوڑی سی دیر میں دلمیں خدا جانے کیا کیا باتیں آئیں۔ گھر چھوڑ کے چلی جاؤں۔ اپنے کو مار ڈالوں یا ان کو ہلاک کروں کیسے کمبخت آدمی سے سابقہ پڑا ہے میرے ماں باپ نے میری شادی نہیں کی تھی۔ زندہ قبر میں دفن کیا تھا اور یہ بدی کا فرشتہ میری ہڈیاں پسلیاں توڑے ڈالتا ہے میری قسمت میں اپنے دل کو خوش کرنا نہیں لکھا ہے۔ یونہی مرا کرونگی بھاڑ میں جائے ایسا روپیہ پیسہ جب دل ہی کو چین نہیں ہے تو یہ سب کس کام کا۔

مولوی صاحب نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہوئے (پنشن لینے کے بعد سے مولوی صاحب نے مشغلہ مذہب کو پسند کیا تھا اور ایک بزرگ کے مرید بھی ہو گئے تھے) منہ سے کچھ بڑبڑا رہے تھے اور آنکھوں سے گھور گھور کے بیوی کو کھائے جاتے تھے۔ حسینہ جس طرح بیٹھی تھی بیٹھی رہی اور ان کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔ وظیفہ سے فارغ ہو کر مولوی صاحب نے جا نماز کا کونہ الٹا اور بیوی کی طرف مڑے۔ کہنے لگے "کیا خدا نے تمہارے واسطے نماز روزہ فرض نہیں کیا۔ تم کو صرف عطر لگانے اور پھول پہننے کے لیے پیدا کیا ہے"۔

بیوی - اور تم کو خدا نے لوگوں پر اعتراض کرنے کیلئے بنایا ہے۔ دو چار دن سے نماز شروع کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر پر احسان کر رہے ہیں۔ تم دوسروں پر اعتراض کرنے والے کون ہو۔ کوئی نماز نہ پڑھیگا اپنے خدا کا گنہگار ہوگا۔ تم بیچ میں بولنے والے کون۔

اس جواب سے کچھ دیر خاموشی رہی۔ مولوی صاحب برابر سر سے پیر تک بیوی کو دیکھتے رہے حسینہ میاں کو جلانے کے واسطے تن کے سامنے بیٹھ گئی۔ اب انہوں نے پوری طرح سے بدّہی کی بندش کو دیکھا اور دیکھ کے آگ ہوگئے۔

مولوی صاحب - اب میں دیکھتا ہوں تم ہوش میں نہیں رہی ہو۔ بالکل رنڈیوں کا طریقہ تم نے اختیار کیا ہے۔

بیوی - دیکھو ذرا حد سے نہ بڑھو۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ مجھے رنڈی سے ملاتے ہو۔ کونسی بات تم نے میری رنڈیوں کی ایسی دیکھی۔

مولوی صاحب - تمہاری قطع وضع رنڈیوں کی ایسی ہے۔ آخر اس قدر بجے بنے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

بیوی - تو بہو بیٹیاں چیتھڑے لگائے رہیں صاف کپڑے نہ پہنیں۔

مولوی صاحب - یہ تو میں نہیں کہتا۔ شریفوں کی جو وضع ہے اس وضع کے کپڑے پہننے چاہئیں۔

بیوی - آخر معلوم تو ہو کہ شریفوں کی کیا وضع ہے۔ کپڑا جو بنکے آتا ہے۔ اس میں شاید مہر لگی ہوتی ہوگی کہ یہ شریفوں کا ہے۔ اور یہ رنڈیوں کا۔ تمہاری خوشی تو شاید یہ ہوگی کہ تمہارے ایسے ڈھیلے پائجامے اور ڈھیلے ڈھالے لمبے تکمہ لگے ہوئے کرتے میں بھی پہنوں اور گھر میں کوے کہنی بنی بیٹھی رہوں۔ نہ کسی سے ہنسوں بولوں تمہاری ایسی ڈاڑھی نکل آئے تو یہ بھی کرنے لگوں گی

مولوی صاحب - نہیں تو تمہاری خوشی یہ ہے کہ عمدہ عمدہ لباس پہنکر ہار پھول گلے میں ڈالے لوگوں سے چہلیں کرتی پھرو۔

بیوی۔ یہاں لوگ لگوڑے کون ہیں۔ ایک تم ہو دن رات روتی صورت بنائے بیٹھے رہتے ہو تم سے چلیں اور ولگیاں کس کی شامت ہے جو کرے۔

مولویصاحب۔ خیر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ لباس اور یہ وضع پسند نہیں ہے اور تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں پسند کرتا ہوں۔

بیوی۔ تمہارا ایسا مردہ دل میں کیوں بنانے لگی جیسے کپڑوں کو میرا دل چاہیگا میں پہنوں گی۔ اس میں تم دخل دینے والے کون۔

میاں۔ (غصہ کی آواز سے) تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میرا حکم ہو۔

بیوی۔ اپنا حکم لئے بیٹھے چاٹا کرو۔ جس بات میں تابعداری کرنا چاہیئے میں نے کی اور کروں گی۔ اب تم یہ چاہو کہ مجھے لونڈی بنا کے رکھو تو یہ خیال دل سے نکال ڈالو۔ بندی لونڈی بننے والی نہیں ہے۔

میاں۔ اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔

بیوی۔ مجھے تم نے لاوارثی سمجھا ہے کہ ڈرلاتے اور دھمکیاں دیتے ہو۔ نتیجہ کیا برا ہوگا یہ ہی نا کہ تم گھر سے نکالدو گے۔ اللہ میرے باپ بھائیوں کو جیتا رکھے میں بہت چین سے وہاں رہونگی۔ ان مصیبتوں سے تو بچوں گی۔

میاں۔ شریف عورتوں کی بات چیت ایسی ہی ہوتی ہے۔

بیوی۔ دیکھو تم برابر مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں ایسی باتیں سننے والی نہیں۔ اسی وقت اپنے ابا کو اور بھیا کو خط لکھتی ہوں کہ مجھے بلا لیجئے۔

میاں۔ ابا کیا کرینگے ان کی مجال ہے کہ تمہیں لے جا سکیں۔ ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ خدا کی شان وہ آکر میرا مقابلہ کریں گے۔

بیوی۔ تو تم روپیہ کے گھمنڈ میں ہو۔ میں تمہارے روپیہ پیسہ کو جوتی کی نوک پر مارتی ہوں۔ یہ کہہ کر حسینہ نے رونا شروع کیا اور روتے میں کہتی جاتی تھی۔ "مجھے یہ سمجھے کیا ہیں۔

ان کے روپیہ پیسہ کے رعب میں ئیں آجاؤں گی۔ اور ان کی لونڈی گیری کرونگی۔ جتنا میں ٹالتی رہی یہ بڑھتے جاتے ہیں "

لڑائی اس سے زیادہ بڑھنے نہ پائی۔ اتفاق سے مولوی صاحب کے کوئی ملنے والے آگئے۔ نوکر نے اطلاع کی۔ مولوی صاحب چپکے اٹھ کے باہر چلے گئے۔ اس لڑائی سے گھر کی بربادی کا آغاز ہوا حسینہ شوہر سے اور گھر سے بیزار ہوگئی۔ روز کسی نہ کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا تھا حسینہ اپنا کہا کرتی تھی۔ اور مولوی صاحب بھی نکتہ چینی اور اعتراض سے باز نہیں آتے تھے۔ (باقی آیندہ)

عبد الوالی

قطعہ تاریخ وفات نواب وقار الملک مرحوم

بزم عالم سے اٹھا افسوس وہ حامی قوم — جس کا ہر اک شہر میں برپا ہے ماتم ہائے ہائے

جب و با ئی آنکھ بارش کا سماں آیا نظر — رو رہے ہیں اہل دل مانند شبنم ہائے ہائے

نیک باطن نیک خصلت نیک سیرت نیک خو — منتخب تھا سینکڑوں لاکھوں میں وہ دم ہائے ہائے

اٹھتے ہیں دنیا سے وہ جو افتخار ملک ہیں — ڈھاتا ہے کیا کیا جفائیں چرخ ظالم ہائے ہائے

یاد کرتے ہیں یہ کہکر قوم کے خورد و بزرگ — محفل تعلیم کا صدر مکرم ہائے ہائے

اپنے حسن زندگی پر کون کر سکتا ہے ناز — جب نہ دنیا میں رہے محبوب اکرم ہائے ہائے

آشنائے تجربہ کاری وقار الملک سا — مل نہیں سکتا میان دور عالم ہائے ہائے

چل بسا دار فنا سے جانب گلشن عدم — محسن الملک اور سر سید کا ہمدم ہائے ہائے

جذب دار آخرت پیرانہ سالی میں یہ تھا — ہوگیا احباب کہنہ سے منضم ہائے ہائے

قوم میں برسوں نہ دیکھا جائیگا جسکا مثل — ہوگیا مفقود وہ مرد معظم ہائے ہائے

کہدو لے مخشر سر افکار سے سال وفات — کاہش جان ہے وقار الملک کا غم ہائے ہائے

۱۹۱۷ء

نشاط

(بسلسلۂ اشاعت گزشتہ)

ادہم۔ اور آخر تم چاہتے کیا ہو۔

نشاط۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی شب کو تم اور ہاردن میرے ساتھ چلو اور اسکو ایکٹ کرتے ہوئے دیکھو۔ نتیجہ کا مجھے کوئی خوف نہیں تم اس کی ذہانت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس وقت ہمارا فرض ہوگا کہ اس کو اس یہودی کے پنجۂ ظلم سے نکالیں آج سے تین یا کم از کم ڈھائی سال تک وہ یہودی کے ساتھ رہنے کی پابند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے کچھ نہ کچھ اس کو دینا پڑیگا لیکن ان شرایط کے طے ہوجانے کے بعد میں ایک تھیٹر قایم کروں گا۔ جو اس کے حسن حقیقی کے جلوہ آرائیوں کا مظہر ہوگا وہ ایک دنیا کو میری طرح دیوانہ کردیگی۔

ادہم۔ ای ڈیر نشاط یہ غیر ممکن ہے۔

نشاط۔ نہیں یہ واقعہ ہے۔ اس کے پاس نہ محض ایک فن اور ایک کامل حس لطیف ہے بلکہ شخصیت بھی۔ اور تم نے مجھ سے اکثر کہا ہے کہ زمانہ کو ہلا دینے والی چیزیں شخصیتیں ہوا کرتی ہیں نہ کہ اصول۔

ادہم۔ اچھا پھر ہم لوگ کس دن چلیں۔

نشاط۔ ذرا مجھے غور کرنے دو۔ آج منگل ہے۔ ہم لوگ کل چلیں۔ کل وہ جولیٹ کا پاٹ کرے گی۔

ادہم۔ اچھا اب یہ طے ہے۔ کل آٹھ بجے شب کو فرّخ منزل میں مجھے ملنا۔ ہاردن کو میں ساتھ لیتا آؤں گا

نشاط۔ آٹھ نہیں ادہم۔ ساڑھے چھ۔ ہم کو وہاں پردہ اٹھنے کے قبل پہنچ جانا چاہیے۔ تم اسے پہلے ایکٹ میں دیکھو جبکہ وہ رومیو سے ملتی ہے۔

ادہم۔ ساڑھے چھ۔ یہ تو عجیب وقت ہے۔ سلمی کو دیکھنے کے لئے جانا کھانے کے بعد شراب پینا یا انگریزی ناول کا پڑھنا ہے۔ اس کے لئے ساڑھے سات کا وقت ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی شریف آدمی سات سے پہلے کھانا نہیں کھاتا تم سے اس درمیان میں ہارون سے ملاقات ہوگی۔ یا میں خود اسے خط لکھوں۔

نشاط۔ ڈیر ہارون۔ میں نے ایک ہفتہ سے اسے نہیں دیکھا ہے۔ یہ میری بڑی زیادتی ہے۔ اس نے میری تصویر ایک نہایت نفیس اور حیرت انگیز فریم میں لگا کر میرے پاس بھیجی تھی۔ یہ فریم اس نے خود خاص طور پر میرے لئے بنایا ہے۔ اور اگرچہ میں اس تصویر پر اس لئے رشک کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے کامل ایک مہینہ کمسن ہے تاہم مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس سے محظوظ و لذت گیر ہوتا ہوں۔ بہتر یہی ہوگا کہ تمہیں اسکو لکھو میں اس سے تنہا نہیں ملنا چاہتا۔ وہ مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے جو مجھے پریشان کرتی ہیں۔ وہ تو مجھے نصیحت نیک دیتا ہے۔

ادہم۔ بعض حضرات جس چیز کے خود بیحد محتاج ہیں۔ اسے دوسروں کو دے ڈالنے کے بے انتہا شائق ہوتے ہیں۔ یہ ہے جس کو میں عمق سخاوت کہتا ہوں۔

نشاط۔ ہارون بہترین انسان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن جسوقت سے میں تم سے ملا ہوں اسی وقت سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک غیر دلچسپ تنگ خیال۔ اور خشک آدمی ہے۔

ادہم۔ مائی ڈیر نشاط۔ ہارون اپنی تمامتر دلاویزی کو اپنے فن میں صرف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کے لئے اس کے پاس بجز اس کے تعصبات۔ اس کے اصول۔ اور اس کی فراست کے اور کچھ نہیں رہتا۔ میں نے اگر کسی آرٹسٹ کو بذات

خود دلاویز د پایا ہے تو صرف برے آرٹسٹ کو۔ اچھے آرٹسٹ کا وجود تو صرف اُن کی تصانیف میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہے۔ وہ نہایت بدمزہ اور غیر دلچسپ ہوتے ہیں۔ آرٹسٹ میں ہمیشہ حسن صفاتی ہوتا ہے۔ ایک بڑا شاعر اکیا حقیقتہً بڑا شاعر مخلوقات عالم میں سب سے زیادہ غیر شاعر ہوتا ہے لیکن شاعران کم رتبہ نہایت ہی دلکش ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار جتنے ہی ذلیل ہیں وہ خود اتنے ہی خوشنما نظر آتے ہیں محض مبتذل اور سخیف غزلوں کی اشاعت ایک شخص کو ناقابل مدافعت بنانے کے لئے کافی ہے اس کی زندگی میں وہ شاعری ہوتی ہے جو وہ لکھ نہیں سکتا۔ دوسروں کی تصنیف میں وہ شاعری ہوتی ہے جس سے عملاً لطف اٹھانے کی ان میں جرأت نہیں۔

نشاط۔ اوہم کیا یہ واقعہ ہے۔ ضرور ہوگا جبکہ تم ایسا کہتے ہو اور اب مجھے جانا چاہئے (Imogen) میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ کل کے لئے ہرگز نہ بھولنا۔ رخصت

جیسے ہی نشاط کمرہ کے باہر گیا۔ اوہم کی پلکیں جھک گئیں اور وہ کچھ غور کرنے لگا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی شخص نے اس کو اپنی طرف اتنا نہیں کھینچا تھا جتنا کہ نشاط نے باوجود اس کے اس لڑکے کی مجنونانہ پرستش نے بیرے اس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکلیف یا احساس رقابت نہیں پیدا کیا تھا۔ وہ تو اس سے خوش ہی تھا۔ اس نے نشاط کو اور زیادہ دلچسپ موضوع مطالعہ بنا دیا تھا۔ اوہم ہمیشہ ([illegible]) حیوانیات و نباتات کے مطالعہ کا دلدادہ تھا لیکن ان علوم کے موضوعات و مباحث اس کو بالکل معمولی اور کم مایہ معلوم ہوتے تھے۔ حیات انسانی البتہ یہ ایک چیز ہے قابل تفتیش و جستجو۔ اس کے مقابلہ میں کوئی اور چیز اہم اور قابل وقعت نہیں نظر آتی تھی۔ اس میں کچھ ایسے لطیف و نازک زہر تھے جن کی بعض خصوصیات کا جاننا انسان کو مریض بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس میں کچھ ایسے طرفہ اور عجیب امراض ہیں جن کی ماہیت دریافت کرنے کے لئے پہلے ان میں مبتلا ہونا ضروری ہے۔ باوجود اس کے مُفتّش کو ایک بیش قیمت صلہ

ملتا ہے۔ اس کے لئے تمام عالم کتنا حیرت انگیز اور صدا سے عبرت سے لبریز ہو جاتا ہے
ایک طرفہ اور دقیق منطق جذبات کا مطالعہ اور ایک رنگین جذبہ آمیز حیات ذہنی کا مشاہدہ
یہ دیکھنا کہ ان دونوں کی سرحدیں کہاں ملتی ہیں اور کہاں پر ختم ہوتی ہیں۔ کس نقطہ پر متحد
ہیں اور کس نقطہ پر متبائن۔ اس میں ایک لذت ہے۔ کیا مضائقہ کہ اس کی قیمت کیا ہے
اک احساس واحد کے حصول کے لئے جتنی قیمت دی جائے اتنی ہی کم ہے۔ وہ جانتا تھا
اور اس خیال نے اس کی آنکھوں میں ایک ضیا رمسرت پیدا کر دی تھی۔ کہ نشاط کا
سلسلے پر عاشق ہونا اور اس کی پرستش کرنا نتیجہ ہے اسی کے چند الفاظ کا چند ترنم آمیز
الفاظ جو ترنم آمیز لہجہ میں کئے گئے تھے۔ بڑی حد تک نشاط موجودہ کی تخلیق کا وہی ذمہ
دار تھا۔ اگرچہ یہ تخلیق قبل از وقت ہو گئی تھی لیکن یہ بھی اک بڑی بات تھی معمولی اشخاص
پر زندگی کے راز ہائے سربستہ انتظار گران کے بعد ظاہر ہوتے ہیں لیکن ایسے صرف چند
افراد ہیں۔ چند چیدہ نفوس جن پر اسرار حیات نقاب اٹھنے کے قبل ہی منکشف ہو جاتے
ہیں بعض اوقات یہ ہے اثر فنون لطیفہ کا خصوصاً فن ادب کا جس کی موضوع اصلی
وہ جواہر افکار ہیں جو عقل و جذبات کی آمیزش کے نتائج ہوا کرتے ہیں لیکن بعض
اوقات اک مرکب اور دلاویز شخصیت فنون لطیفہ کی جانشین ہو جاتی ہے۔ یہی
شخصیتیں آرٹ کی اصلی اور حقیقی تصانیف ہیں۔ زندگی کے مخزن تصنیفات میں ویسی
ہی اعلیٰ ترین تصانیف موجود ہیں جیسی شاعری۔ نقاشی اور مصوری میں

(باقی آئندہ)

آرٹسٹ

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم جب کبھی اپنی ہستی پر غور کرتے ہیں' اور اپنی آپ خبر لینا چاہتے ہیں' تو ہماری محدود عقل چکرانے لگتی ہے' سر پھر جاتا ہے' دماغ مختل' دل بےچین' ہو جاتا ہے' اور وہ تمام قوتیں جن پر ہم کو بجا طور پر فخر و ناز رہا کرتا ہے' اور جن کے بل بوتے پر ہم اپنے جامے میں پھولے نہیں سماتے' ہمیں صاف جواب دیدیتی ہیں۔ اس وقت ہم مجبور و عاجز ہو کر بے بسی کے عالم میں مردے کی طرح ساکت' و صامت' اور قبر کی طرح خاموش اور چپ چاپ' ہو جاتے ہیں: جس سے ہمارا عزو وقار اپنی ہی نظر میں قائم نہیں رہتا' جس کو بطور خود ہم نے اپنے منہ میاں مٹھو کی مثل کے مصداق بدرجۂ یقین فرض کر رکھا ہے۔ اور اُس شخصیت' خودداری' غرور و گھمنڈ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے جس کی پُر فریب' گر دلچسپ تاثیر قوانین قدرت کے توڑنے کی تحریک پر بارہا ہمیں آمادہ کر چکی ہوتی ہے۔ اس وقت زندگی بے سود و بہبود اور وجود بطور غیر موجود نظر آتا ہے۔

اس انقلاب گاہ میں ہر چیز تبدل' تغیر' تنزل' و انحطاط' کا مرقع ہے۔ ان میں سے انسان ہی کو لو' کیونکہ انسان کی نظر میں یہی ایک ایسی شئے ہے جو کل موجودات سے افضل و اعلیٰ ہے' بچہ پیدا ہوا' اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا' اس کی نشوونما کا آغاز ہوا مادی دنیا کی کثیف و غلیظ' آب و ہوا نے اس کی جسمانی حالت کو متغیر کرنا شروع کیا' کبھی بیماری' کبھی صحت' کبھی رونا' کبھی ہنسنا یہ اور اسی قسم کی بے شمار باتیں ہوئیں جو اُس کی زندگی کا جزو لاینفک قرار پائیں۔ اور بےخبری۔ بے پروائی کے عالم میں سن طفولیت نے خیر باد کہا۔ نوجوانی کا زمانہ آیا بقول حکما عقل

کو پختگی نصیب ہوئی - بھلے، برے کی تمیز آئی - اور اپنی زندگی ہوش و حواس کے ساتھ بسر کرنا شروع کی - بے انتہا قیود، اور پابندیاں عائد ہوئیں - اعزہ، اقربا، دوستوں کی تالیف قلوب، حقوق و فرائض کا بوجھ سر پر آ پڑا - دشمنوں کے شر سے بچنے کا خیال، خدا و رسول اور حکومت وقت کے قوانین کی پابندی، اور اسی طرح اور بہت سے امور ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے - شادی بیاہ ہوا گویا ایک نئی آفت میں پھنسے، مصیبت و راحت کا ساتھ رہا، رنج و غم، خوشی و خرمی یکے بعد دیگرے ہمزاد کی طرح ہمیشہ ساتھ رہیں، بچہ مر گیا تو دل میں داغ کلیجہ میں ناسور پڑ گیا، بیوی مر گئیں تو گویا "خانۂ عیش بے چراغ ہوا" راحت، آرام و آسائش خاک میں مل گیا - اور اگر بیوی بچے زندہ رہے تو مذکورہ جانکاہ، دلسوز، ہمت شکن مصائب نے نئی نئی شکلیں اختیار کر کے جلوہ نمائی کی - اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پیٹ پالنے کی فکر نے تو مار ڈالا، زندہ در گور کر دیا - اب جو دیکھا تو حالت دگرگوں نظر آئی - نہ پہلا سا دم خم، کس بل رہا - نہ آن، بان، شان رہی - نہ ہمت، قدرت اور قوت کا وجود .. صرف ڈھانچ رہ گیا، ہڈیوں کا پنجرہ، رگ پٹھوں کے تانے بانے کا جال، جس پر کھال منڈھی ہوئی .. وہ جوش و خروش، وہ عزم، حوصلہ و ثبات و استقلال رفو چکر ہو گیا ساتھ ہی پیر، آنکھ، کان، دل و دماغ غرض ہر عضو بدن نے ٹکا سا خشک جواب دے دیا کہ ہم سے اب تمہاری ہمسفری نہیں ہو سکتی تم جانو اور تمہارا کام" کیا خوب! یہ انقلاب بھی نیا ہے ؎ "کیوں نہ ہولے دور گردوں کیوں نہ ہو" اپنے بیگانوں پر جو نظر کی تو مطلع صاف - کوئی منہ نہیں لگاتا" خاندانی ممبر، کنبے، قبیلے کے چھوٹے، بڑے، لوگ، یار، آشنا، سبھی موجود ہیں مگر اب ہم تو بدل ہی گئے وہ متوجہ ہوں تو کیسے، اور بات پوچھیں تو کیوں - رہ رہ کر موت کی یاد سوہان روح "قبر کی تنہائی" اور اندھیر کا خیال وبال جان - گذشتہ رنج و غم مسرت و عشرت، ناکامی و کامیابی کی جیتی جاگتی تصویریں پیش نظر - لوگ کہتے ہیں "پاگل ہو گیا" گناہوں اور جرموں کی یاد آتے ہی سزا کا یقینی احساس .. خوف .. فنا

"ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے"

ہاتف

نپولین اور مسئلہ تقدیر

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے نپولین کی لائف کے ایک چھوٹے ٹکڑے کا ترجمہ تمدن کے لئے عنایت کیا ہے۔ آپ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے دوست منشی رسول احمد صاحب منصرم عدالت ججی مرزاپور نے یہ فقرہ نپولین کی لائف سے پڑھکر مجھے سنایا۔ دلچسپ بات تھی میں اس کو ترجمہ کرکے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ منشی رسول احمد صاحب نے زحمت گوارا کی اور مضمون انگریزی ٹائپ کرکے عنایت فرمایا۔" ہم دونو حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حضرت اکبر اپنی اس عنایت کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ اور نظم و نثر سے ناظرین تمدن کو مستفید فرماتے رہیں گے ✤ ایڈیٹر

نپولین نے اپنی بی بی کے سر پر تھپکی دیکر کہا کہ "جوزفائن" میری قسمت کا بھی ایک ستارہ ہے۔ میں اپنے کام کو دیکھ رہا ہوں اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ مجھکو کیا کیا کرنا مقدر ہے۔ کوئی چیز مجھکو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے۔ اہل عرب تقدیر کے قائل ہیں اور بلاشبہہ وہ برحق ہیں۔

جوزفائن نے کہا۔ جب ہر بات کا فیصلہ تقدیر نے کر دیا ہے۔ تو پھر تم کیوں تدبیریں کر رہے ہو۔

نپولین نے کہا۔ ارے بھولی نادان۔ میں تدبیر اسی لئے کر رہا ہوں کہ وہ مقدر ہے۔ تم سمجھو کہ تدبیر بھی تقدیر کا جزو ہے۔ ہمارا دماغ ایسا بنا ہے کہ ہم تدبیر کریں۔ میں ہمیشہ ایک بندش اٹھاتا ہوں۔ اور جب تک میرا کام ختم نہیں ہوتا کوئی نہیں جان سکتا کہ اس پردہ بندش میں کیا ہو رہا ہے ✤

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

تمہاری شکل میں تمہا حسن کو جلوہ دکھا دینا　　قضا نے مجھکو چاہا عشق کا پتلا بنا دینا

سوالِ دید پر منظور ہے اُن کو سزا دینا　　ذرا برقِ تجلی بیچ سے پردہ اٹھا دینا

مرا دل پیکر چھوڑ آئے یونہیں کو الفت میں　　ذرا سی بات تھی ٹھوکر سے مٹی میں ملا دینا

گریبانگیرِ قاتل وہ لہو رز سے جزا کیوں ہو　　ازل سے جسکی آب و گل میں ہے بوے وفا دینا

دلِ زخمی بتا آہوں کے ہاتھوں تجھپہ کیا گزری　　سنا کرتے ہیں کلیوں کا ہوا سے مسکرا دینا

ہوا سے طور بن لیے آ وہ مجنون را لیلیٰ میں　　ذرا محمل کے پردے کو اٹھا کر پھر گرا دینا

زمیں اب کروٹیں لینے لگی گورِ غریباں کی　　لحد میں اُن کی شوخی تھی مرا شانہ ہلا دینا

شبِ فرقت حجابِ جسم باقی رکھ نہیں سکتی　　یہ سچ ہے کہ ہے شامِ وصل ہی پردہ اٹھا دینا

ہزاروں داغ ہیں دل میں کہیں پردہ نہ کھینچ جاؤ　　ادھر آنا تو پہلے ان چراغوں کو بجھا دینا

جو سر کٹوا کے سوئے تھے وہ وعدہ لیے اٹھے ہیں　　قیامت آ رہی ہے حشر والو راستا دینا

تجھے اورنگ کی خاطر چھوڑے جاتا ہوں میں اے عنبر　　مرے بعد آنیوالوں کو مرا قصہ سنا دینا

سرِ شام جوانی سو رہا میں دل سے یہ کہہ کر　　جو تیری آنکھ کھل جائے تو مجھکو بھی جگا دینا

بھری تھیں سرد آہیں دوستوں نے مجھکو غش آیا　　مناسب تھا تمہیں بھی اپنے دامن کی ہوا دینا

دلِ نالاں کبھی ناکامیاں بھی کام آتی ہیں　　جدھر سے کچھ نہیں ملتا اُدھر بھی اک صدا دینا

مرا دل محرمِ اسرارِ حسن و عشق تھا ثاقب　　قرینِ مصلحت تھا مجھ کو دیوانہ بنا دینا

شمس العلما حضرت نجور اعظم آبادی

کوئی مجنوں کے سوا عاشقِ لیلیٰ نہ ہوا　　پر نظر جس کی پڑی وہ تجھپہ دیوانہ ہوا

پوچھتے کیا ہیں کہ بیمارِ غم اچھا نہ ہوا ۔ ان کی پاپوش کے صدقہ سے ہوا یا نہ ہوا

تم حیادار سہی ۔ اس کے مگر کیا معنی مجھ سے پردہ ہوا، غیر سے پردا نہ ہوا

آپ کے پردہ کی کیا بات ہے ۔ سبحان اللہ مجھ سے پردہ ہوا ۔ اور غیر سے پردا نہ ہوا

کیا حیا کے یہی معنی ہیں بتِ حیلہ جو مجھ سے پردہ ہوا ۔ اور غیر سے پردا نہ ہوا

چوٹ پر چوٹ سہے جاؤں ۔ گراف نہ کروں پتھر ۔ اے یار! ہوا ۔ میرا کلیجا نہ ہوا

وہ عیادت کیلئے آئے تھے ۔ یہ کیا کم تھا اُن کا بیمار جو اچھا ہوا ۔ اچھا نہ ہوا

میرے اس بت میں نظر آتی خدا کی قدرت گر ۔ اے شیخ! تجھے دیدۂ بینا نہ ہوا

میں تو قائل نہیں ۔ اے بادِ بہاری! تیرا کہ ہرا تجھ سے مرا نخلِ تمنا نہ ہوا

آج اگر ہم سے نظر بدلی ۔ تو کل اوروں سے نہ وہ اپنوں کا ۔ نہ غیروں کا کسی کا نہ ہوا

دل مرا لے کے جو اب پھیرنے آئے ہیں آپ مہرباں! یہ کوئی بازار کا سودا نہ ہوا

بنبادا ۔ تم کو دکھاتا کہ یہ گل میں کیا مال ہائے! اس وقت وہ میرا گلِ رعنا نہ ہوا

مر گئے دیکھتے ہی دیکھتے فردا کی راہ وعدۂ حشر ہوا ۔ وعدۂ فردا نہ ہوا

دفن کرکے مجھے سب اپنے یگانے بھاگے مونسِ حال مرا سبزۂ بیگانہ نہ ہوا

قدم اس رشکِ مسیحا نے جب آ میں رکھا روکشِ چرخِ چہارم مرا کاشانہ ہوا

واہ رے اُجڑے ہوئے خانۂ دل کی قسمت! کہ پسند اس شہِ خوباں کو یہ ویرانہ ہوا

مجھ سے کب ضبط ہوئے ہجر میں تیرے نالے کب ان آنکھوں سے رواں اشک کا دریا نہ ہوا

میرے جل مرنے پہ پایا تھا تعجب ۔ یا اب شیخ بھی دیکھ کے اس شمع کو پروانہ ہوا

شوقِ دیدار میں پھر وہ ارنی کہہ اٹھتا گر ۔ افسوس! تیرے عہد میں موسیٰ نہ ہوا

بھر کے جامِ مئے گلرنگ وہ کب بھیجتے ہیں جبکہ لبریز میری عمر کا پیمانہ نہ ہوا

کیا اب امید تپِ غم سے شفا پانے کی؟ جب مسیحا سے بھی ۔ رنجور! مداوا نہ ہوا

فکرِ امروز ہیں ۔ رنجور! تیری عمر کٹی لیکن اک روز بھی تجھ کو غمِ فردا نہ ہوا

بہ عوض

حضرت حسرت موہانی

اس تغافل پر بھی تو کرتے ہیں تجھ کو یاد ہم
کہتے ہیں جیسے رکھا ہے بانیٔ بیداد ہم

عقل کب آئی ہیں جب ہو چکا ناکام دل
رحم کب آیا انہیں جب ہو چکے برباد ہم

آئے تھے محفل میں تیری با ہزاراں آرزو
یا چلے ہیں ایک لے کر خاطر ناشاد ہم

ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمال دلفریب
دیکھتے ہیں یوں بہار گلشن ایجاد ہم

قید تنہائی میں بھی تنہا نہیں اے یاد یار
آج یہ عقدہ کھلا ہم پر کہ ہیں آزاد ہم

مار ڈالا مجھکو حسرت یونہیں جب اسنے کہا
ماننا ہوگا تجھے کرتے ہیں جو ارشاد ہم

حضرت دل شاہجہانپوری

اللہ رے شان خاک دلِ پائمال کی
تصویر کھینچ دی تری مستانہ چال کی

پردہ اٹھا دیا عجب اسنے چال کی
دیکھا تو ہم میں تاب نہ تھی عرض حال کی

بس انتہا یہ ہو غم و رنج و ملال کی
حالت مری سی ہوگئی پرسان حال کی

ہو اسکے بعد جملہ امیدوں کا خاتمہ
یہ آخری ہو کسی کے وصال کی

اے شوقِ وصل تو ہی بتا اب کہ کیا کروں
ہمت سکوت کی ہے نہ طاقت سوال کی

جو ظلم نا روا کا ترے پردہ پوش تھا
اُس بے کفن کی لاش عبث پائمال کی

افسوس اب ہے دل کا تقاضہ کہ کچھ کہو
جب ہم میں کچھ سکت نہ رہی عرضِ حال کی

اے بے نیاز شانِ کریمی کا واسطہ
رہ جائے آبرو عرقِ انفعال کی

خاموش ہوں جو صورتِ تصویر پیش یار
تمہید ہے یہ میرے سوال وصال کی

کل انتہائے ضعف سے اٹھنا محال تھا
آج اوڑھی ہے خاک دل پائمال کی

اس کو تو خاک میں نہ ملائے ہجوم یاس
لے دے کے اک یہی ہے تمنا وصال کی

مشکل سے کر سکا ترے ناوک کو سرخرو
ہستی ہی کیا تھی اس جگر خستہ حال کی

مخلوط خون دل میں ہو سودائے عشق یار رگ رگ میں بھر گئی ہو تمنا وصال کی
ہو کر اسیر زلف اب آزاد ہو گیا تقدیر کھل گئی دل آشفتہ حال کی
جب طالب جمال بڑھے یہ صدا سنی ٹھہرو کہ برق کوند رہی ہو جلال کی
دل سے کبھی نہ جائیگا اے دل خیال دوست
ہے اپنے دم کے ساتھ تمنا وصال کی

حضرت قیصر لکھنوی

جگر میں درد اٹھا ہے دھڑک کر تو دل ہے دلکا خدا آساں کرے جلدی کہ یہ ہے وقت مشکل کا
بوقت ذبح وحشت سے جو کانپا ہاتھ قاتل کا رگیں پھڑکیں تشنج بڑھ گیا کچھ اور بسمل کا
ہمارے چار اشکوں نے بکھر کی وہ طغیانی نظر کو سوں گئی لیکن نشان پایا نہ ساحل کا
تری شوخی بھری آنکھوں کا سب کرتا ہیں نظارا کوئی پرساں نہیں ہوتا مرے حسرت بھرے دلکا
تمنا در آئے میری چشم تر اور خشک لب دیکھے وہ ہے تصویر دریا کی تو یہ نقشہ ہے ساحل کا
محبت میں ہے مرنا سہل ہمت تو یہ کہتی ہے مگر عنوان کہتے ہیں کہ یہ ہے کام مشکل کا
اونہیں دست حنائی اپنا سینہ پر نہ رکھنا تھا عدو نے کر لیا اندازہ میرے شعلۂ دل کا
تصدق ہو نیکو اس جا گر گئی چرخ سے بجلی [illegible] پر خون جس جس جا گرا ہے تیرے بسمل کا
لگیں ہیں ہر طرف خلوت کدہ میں انکی تصویریں ملا کرتا ہے تنہائی میں ہم کو لطف محفل کا
زبان نشتر فصاد حد سے بڑھتی جاتی ہے زیادہ مشق نہ کھلجائے کہیں میری رگ دل کا
وہ اپنے ساتھ اپنے گھر مجھے لیجا نولے ہیں نہ کیوں مشتاق ہوں ایسے سفر کا ایسی منزل کا
لہو کی دھار دکلے زخم سے یوں جوش میں نکلی بڑے زوروں میں پھر کر جا رہا ہے تیر قاتل کا
ہر اک کے ہاتھ پر فرد عمل روز جزا ہوگی ہمارے ہاتھ میں قیصر گریباں ہوگا قاتل کا

حسرت باسط بسوانی

ساقی بزم سے ہو جائیں مری چار آنکھیں یوں پلائے جائیں تجھے شربت دیدار آنکھیں

نیم وا رہتی ہیں ہنسنے میں وہ عیار آنکھیں
ناوک تیز چلاتی ہیں ستمگار آنکھیں

جان لیتی ہیں کبھی اور جلاتی ہیں کبھی
گل کھلاتی ہیں تری نرگس بیمار آنکھیں

اللہ اللہ ترا جلوۂ حیرت افزا
کھول کر رہ گیا ہر طالب دیدار آنکھیں

ہاں چھپا لیجئے بے شک رخ سیمیں اپنا
دیکھئے لوٹ نہ لیں دولت دیدار آنکھیں

دخت رز کو کبھی منہ نہ لگایا ہم نے
دیکھنے کو بری ہیں اے شیخ گنہگار آنکھیں

منہ چھپا کر دم آخر بھی ستمگر آیا
ساتھ لے جائیں گی اب حسرت دیدار آنکھیں

نظر آ ہی گیا اس پردہ نشین کا جلوہ
رو دیں روتے جو ہوئیں روزن دیوار آنکھیں

بارۂ خنجر پہ ہے یہ سرمہ کی تحریر نہیں
دل کے ٹکڑے کئے دیتی ہیں طرحدار آنکھیں

وہ نظر ہی نہ رہی جس نے اڑایا دل کو
اب تو بھولے سے بھی کرتے نہیں وہ چار آنکھیں

ہاں یہی چاہئے الفت کا تقاضا ہے یہی
تیرے تلووں سے ملیں طالب دیدار آنکھیں

چل دیا توڑ کے گلچیں گل رعنائے چمن
کس کو دکھلاتی ہیں اب نرگس بیمار آنکھیں

باسط آئینہ میں دیکھو نہ رخ زرد اپنا
ایسی صورت سے ہوئی جاتی ہیں بیزار آنکھیں

حضرت محشر لکھنوی

نہ کیونکر روؤں میں تقدیر ہی کچھ اور کہتی ہے
دم وعدہ تری ظالم ہنسی کچھ اور کہتی ہے

خوشی اور غصہ دونوں میں ہیں ہم تیرے تلون سے
نظر کچھ اور کہتی ہے ہنسی کچھ اور کہتی ہے

تمنا دل کا مطلب اور ہی کچھ ہے شب وصلت
جماہی پر جماہی یار کی کچھ اور کہتی ہے

یہ مانا اپنے بستر ہی پہ تم تھے خواب راحت میں
خبر گیسوؤں کی برہمی کچھ اور کہتی ہے

اڑا کر ہوش میرے دل کو بھی سینے سے لیتا جا
ارے بے دید چشم مست ابھی کچھ اور کہتی ہے

فراق دوست میں صبر اور کچھ کہتا ہے آنکھوں سے
مگر آفت یہ ہے دل لگی کچھ اور کہتی ہے

مریض ہجر لطف چارہ گر سے مطمئن کیا ہو
روش نبضوں کی وقت جانکنی کچھ اور کہتی ہے

دعائیں مانگتے ہیں دست میرے اچھے ہونیکی مگر تکلیف دل کے درد کی کچھ اور کہتی ہے
خداوندا بخیر انجام کرنا شام وعدہ کا دل پرشوق کی بیحد خوشی کچھ اور کہتی ہے

بظاہر پارسائی کا بڑا دعویٰ ہے محشر کو
مگر رندوں سے اُنکی دوستی کچھ اور کہتی ہے

حضرت ہوش بلگرامی

ناز و انداز سے وہ آتے ہیں دیکھیں کیا قہر آج ڈھاتے ہیں
حضرتِ دل کا یہ خیال ہے خام وہ بھلا میرے بس میں آتے ہیں
بیٹھتے ہیں جو چھپکے پردے میں لاکھوں فتنے وہی اٹھاتے ہیں
قتل کسکو کریں گے آج کہ وہ بار بار آستیں چڑھاتے ہیں
کیوں شگفتہ نہ بعد مرگ ہو دل پھول وہ قبر پر چڑھاتے ہیں

جو ہیں دیوانے زلف پیچاں کے
ہوش میں پھر کہیں وہ آتے ہیں

جناب عارف حسین صاحب عارف مرحوم

وہ میرا فیصلہ کردے ادہ سب کا فیصلہ کردے نگاہ ناز اگر چاہے تو اک محشر بپا کردے
نہیں کچھ اور خواہش ہاں مگر اتنی تمنا ہے دیا ہے درد اگر تونے تو اسکو لا دوا کردے
اٹھائے جائے رنج ناامیدی کب تلک یارب دل مضطر کو اب تو بے نیاز مدعا کردے
تمنا ہے بھلا بیٹھوں میں پھر فکر دو عالم کو خدایا پھر وہی کیف ہجوم غم عطا کردے
کسے جرأت ہے عرض حال کی ہاں یہ توقع ہو مری مجبوریوں کو بیکسی شاید ادا کردے
یہی ہیں اضطراب دل کی باعث کاش ایسا ہو تمنا دل کو میرے قالب سے کوئی جدا کردے
عطا کر لذت درد جگر پھر اک دفعہ یارب دل ناشاد کو میرے کہیں پھر مبتلا کردے
نہیں گر درخور راحت دل عارف تو یارب پھر غم محرومی جاوید کو لذت فزا کردے

ایک نظر

نواب وقار الملک مرحوم: تمدن کا فروری نمبر چھپ چکا تھا جس وقت ہمیں اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی جسکی تلافی آج مسلمانوں کے امکان میں نہیں ہو آج ایکماہ چند دنکے بعد گو نواب وقار الملک مرحوم کی موت پر ایک ماہوار رسالہ کا اظہار افسوس کرنا بعد از وقت معلوم ہوتا ہے مگر نواب انتصار جنگ وقار الملک مرحوم کی موت کسی ایسے شخص کی موت نہیں ہے جو ایکمہینہ بعد ہی نظر انداز کی جا سکے۔ نوابصاحب مرحوم کی اسلامی شخصیت، صداقت، قومی ہمدردی مسلمانوں کا درد یہ ایسی چیزیں ہیں جو قوم کی آنکھوں کو صدیوں تک اشکبار رکھینگی۔ نواب وقار الملک مرحوم کی شخصیت ایک ایسی شخصیت تھی جسکی نسبت بجا طور پر کہا جا سکتا ہو کہ اگر آج ہندوستان کے مسلمانوں میں سے لم حصہ بھی انکی پوری تقلید کرے تو مسلمان اس ادبار کی حالت سے یقیناً نکل جائیں جسمیں کہ آج مبتلا ہیں نواب وقار الملک مرحوم کا یوں تو ہر کارنامہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہو مگر ہم انکی ہمدردی و محبت کی ایک مثال پیش کرتے ہیں جو انہیں علیگڈھ کالج اور اسکول کے ان طلبہ کے ساتھ تھی جنکی سرپرستی قدرت نے انکے سپرد کردی تھی۔ ایکمرتبہ جبکہ کالج ہسپتال کے احاطہ میں جہاں چیچک میں مبتلا لڑکوں کے لئے جھونپڑیاں ڈالدی گئی تھیں آگ لگ گئی تو بہت سے طلبہ اپنے اپنے کمروں سے آگ کے شعلوں کو دیکھکر ہسپتال کیطرف دوڑے خاکسار ایڈیٹر بھی ان طلبہ میں تھا جنھوں نے سب سے قبل ہسپتال کے احاطہ میں پہنچنے کی کوشش کی اور خاکسار ایڈیٹر کے جلد سے جلد پہنچنے کی ایک یہ بات بھی محرک تھی کہ میرا ایک چھوٹا بھائی بھی چھپروں میں مقیم تھا مگر میرے استعجاب کی کچھ انتہا نہ تھی جب میں نے نواب وقار الملک مرحوم کو جو بمقتضائے عمر پورے طور سے چل بھی نہ سکتے تھے وہاں موجود پایا جب سکرٹری کو کالج کے لڑکوں کا اسقدر خیال ہو اس کی سکرٹری شپ آخر کیونکر کامیاب نہ ہوتی کالج کے طلبہ اور مسلمان انکے غم میں جتنا بھی ماتم کریں کم ہی آج ہمیں نواب وقار الملک مرحوم کی جگہ پر مسلمانوں کا حقیقی اور معنوی لیڈر بننے کیلئے کوئی شخص نظر نہیں

آتا ہے مسلمانوں کے موجودہ لیڈروں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ مسلمانوں کے صحیح لیڈر بننا چاہتے ہیں تو انکو نواب وقار الملک مرحوم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اس سانحہ میں ہم نواب صاحب مرحوم کے پسماندگان سے ہمدردی کرتے ہیں ✦

دیوان حسرت موہانی: بیگم صاحبہ حسرت موہانی نے حضرت حسرت کا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لئے بھیجا ہے جناب حسرت کا کلام تمدن میں برابر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ناظرین تمدن سے اُن کی شاعری کا تعارف کرانا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ جناب حسرت آج ہندوستان کے اُن چند شعراء میں سے ہیں جنکو اُنکے ہر دلعزیز کلام کی بدولت دست قدرت نے مقبولیت کا امتیازی تمغہ عنایت کیا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت حسرت کو آج جو امتیازی حیثیت شعراء کے طبقہ میں حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جہاں آپ کے دل پر اثر کرنے والے جذبات سے مملو اشعار ایک طرف ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اپنا احترام اور عزت قایم کر لیتے ہیں وہاں وہ پرانے لوگ بھی جنہوں نے اساتذہ فن کی صحبتوں میں شرکت کی ہے آپ کو ایک اچھا شاعر ماننے میں تامل نہیں کرتے۔ ہندوستان میں ایسے بہت کم شاعر ہونگے جنہیں یہ فخر حاصل ہو کہ ان کا کلام ہندوستان کے دونوں طبقوں یعنی انگریزی تعلیم یافتہ حضرات اور پرانے زمانہ کے قدردانان فن شعر میں مقبولیت رکھتا ہو۔ اور یہ ایسی کامیابی ہے جس پر حضرت حسرت کو جسقدر مبارکباد دیجائے کم ہے۔ آپ کے شاعرانہ جذبات کی نسبت بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آپکے بیشتر اشعار دل سے اور ایک دردمند دل سے نکلنے والے اشعار ہیں جو دل میں گھر کئے بغیر نہیں رہ سکتے ✦

موجودہ دیوان کے تین حصے کئے گئے ہیں۔ حصہ اول میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۲ء تک کی

غزلیں موجود ہیں۔ جیسے نازک خیالی روزمرہ اور عاشقانہ جذبات کا مخزن کہنے ہوئے ہم کو ذرا باک نہیں کیونکہ اس کی ہر ایک غزل قریب قریب اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے بعض بعض جگہ اس میں وہ مضامین بھی پائے جاتے ہیں جو گلدستہ تصوف کے رنگین پھول بننے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

حصہ دوم میں وہ غزلیں ہیں جو قریب قریب مشہور ادبی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو کر ملک میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی نسبت ہم کو کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیسرے حصہ میں جو بطور ضمیمہ ہے اس میں حضرت حسرت کی ابتدائی غزلیں ہیں جن کی نسبت باوجود ابتدائی ہونے کے کوئی بری رائے ہرگز قائم نہیں کیجا سکتی۔

مجموعی حیثیت سے اس دیوان پر نظر ڈالنے سے ضرور یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ آپ کے کلام میں وہ سب باتیں موجود ہیں جو ایک کہنہ مشق اور زبردست شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں۔ اگرچہ ہم نے اس دیوان کے متعلق بہت اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر یہ رائے نہایت زور کے ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ کہ دیوان جناب حسرت ضرور اس قابل ہے کہ اساتذہ کے دیوانوں کے ساتھ لائبریریوں کی زیب وزینت بڑھائے۔

اس دیوان کی اشاعت پر بیگم صاحبہ حسرت بھی مبارکباد کی مستحق ہیں۔

حضرت حسرت کے کلام کی مقبولیت اور اس کی پختگی کو دیکھکر ہمیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خمخانہ جاوید میں حضرت حسرت اور ان کے کلام کو کیوں جگہ نہ دی گئی۔ اور لالہ سری رام صاحب ایم اے نے کیوں حضرت حسرت کو نظر انداز کیا۔ حالانکہ حسرت کا ذکر حضرت تسلیم کے بہترین شاگردوں کے سلسلہ میں اور ایک دو جگہ اور بھی آیا ہے اس زمانہ کا کوئی دوسرا کا تذکرہ مکمل نہیں کہا جا سکتا جسمیں حسرت کا ذکر اور اسکا کلام درج نہ ہو۔ حضرت حسرت کا دیوان دفتر رسالہ تمدن سے نیز بیگم صاحبہ حسرت موہانی دفتر تذکرۃ الشعراء علیگڑھ سے ۱۲ میں مل سکتا ہے ✦

حضرت تعشق لکھنوی ۔ لکھنؤ کے چمنستان شاعری کے ایک خوشنما پھول تعشق مرحوم کی تصویر فروری کے تمدن میں شائع کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مضمون بھی حضرت منور دہلوی کی قلم سے نکلا ہے۔ ہمارے بعض لکھنوی احباب کو شکایت ہے کہ اس مضمون میں تعشق مرحوم کی تعریف کم کی گئی ہے اور برائی زیادہ۔ افسوس ہے کہ ہم اس خیال میں ان سے متفق نہیں ہیں۔ ہم حضرت تعشق کی شاعری کے متعلق اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ لکھنؤ کے ان ممتاز ترین شعرا میں سے ایک تھے جن کے ناموں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ہمیں حضرت تعشق کے کلام میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں جو انہیں لکھنؤ کے بہت سے اساتذہ پر ممتاز رکھتی ہیں۔ جناب منور کے مضمون کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اسمیں جناب تعشق کا دوسرے شعرا سے تقابل کرکے انکو کمتر ثابت کیا گیا ہے اور انکو سارق گردانا گیا ہے واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ کسی دوسرے استاد کا شعر لکھدینے سے یہ حسن ظن قایم کرنا صحیح نہیں ہے کہ کسی ایک استاد کا شعر دوسرے سے کمتر ہے۔ اصل میں دو استادوں کا شعر لکھدینے کا یہ مطلب ہے کہ اسلوب کو نمایاں کیا جائے کہ دو استاد ایک ہی مضمون پر اپنے رنگ طبیعت کے مطابق کس طرح گلکاریاں کرتے ہیں۔ توارد مضمون سے کسی ایک استاد کا سارق ثابت ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ جناب منور کے مضمون میں حضرت عزیز کے اس فقرہ کی بھی کہ شاعر ہو جسکو ہم تمام خوش گویان اہل دہلی کے مقابل تنہا پیش کرتے ہیں کہ اس طرح لکھا گیا ہے کہ[1] اہل لکھنؤ اکیلے تعشق کے بھروسہ پر جملہ شعراء ماضی و حال و اساتذہ دہلی کے کلام کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ چونکہ حضرت عزیز کے فقرہ کو غلط نقل کیا گیا ہے اسلئے اسکی تردید کرنا ہمارا فرض ہے۔ اسکے ساتھ ہی حضرت عزیز کے فقرہ کو نقادان شعر کوئی خاص وقعت نہیں دیسکتے ہمیں ان خیالات کے اظہار کی ضرورت اسوجہ سے پیش آئی کہ بعض لوگ اس مسئلہ سے دہلی اور لکھنؤ اور اسکی زبان کے مسئلہ پر مضامین لکھنا شروع کردیں جنکی ابتدا ہو گئی ہے اور چونکہ ہم دہلی اور لکھنؤ کی بحث کو بالکل بیکار سمجھکر چھیڑنا نہیں چاہتے اسلئے ایسے مضامین کو درج کرنے سے پرہیز کرینگے البتہ کسی ایسے اہل لکھنؤ صاحب کا ایک مضمون حضرت تعشق کے متعلق شائع کرینگے جسمیں دہلی و لکھنؤ کی بحث مطلق نہو اور حضرت تعشق کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہو اور بتایا گیا ہو شاعری پر جو احسان انہوں نے کیا ہے اسکو نمایاں کیا گیا ہو ۔

[1] یہ فقرہ خمخانہ جاوید سے لیا گیا ہے۔

بدقسمت نوجوان

جنہوں نے اُٹھتی جوانی کے جوش میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنے ہاتھوں اپنی مردی کو تباہ کر لیا ہے۔ جن کے اعضائے رئیسہ کمزور ہو گئے ہیں۔ دل ذراسی بات میں دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ تنہائی پسند آتی ہے۔ عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔ حافظہ کمزور۔ دماغ پریشان اور خیالات منتشر رہتے ہیں۔ بصارت گھٹ گئی ہے۔ اور سر میں چکر آتے ہیں۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی۔ بدن سوکھا جاتا اور سستی چھائی رہتی ہے۔ چہرے کی رونق اُڑ چکی ہے۔ ویرج پتلا پڑ گیا ہے۔ اور جریان یا احتلام کی شکایات سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ آئیں اور

زمانۂ حال کی بہترین قوت بخش دوائی "چندر کلا" کا استعمال کریں

جس کی برکت سے اب تک ہزاروں زندگیاں موت کے منہ سے بچائی جا چکی ہیں۔ یہ اوپر کی جملہ شکایات کا بہتر سے بہتر اس لئے سستے سے سستا علاج ہے۔ جو آج تک طبی دُنیا کو معلوم ہوا ہے۔ گویا "چندر کلا" کا وجود طبی دنیا میں آیورویدک کی ایک عظیم الشان فتح ہے۔ اِسکے استعمال سے وہ مایوس العلاج بھی از سر نو جوانی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ جو اشتہاری داؤں پر اپنی دولت برباد اور صحت نثار کر کے زندگی وبال جان سمجھ چکے تھے۔ اگرچہ یہ رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن وہ یقینی طور پر مستقل اور دیرپا ہوتا ہے جبکہ چاروں طرف مایوسی چھا رہی ہو۔ تو "چندر کلا" اپنا معجزہ دکھائیگی۔ قیمت فی شیشی (۳۲ ٹکیہ) ایک روپیہ (عہ)

دُنیا کیا کہتی ہے؟

بہت مفید ثابت ہوئی آپکی چندر کلا جریان کے واسطے واقعی بہت مفید ثابت ہوئی ہے جسکے بیان کا قلم کو یارہ نہیں۔ (رہبیر سنگھ سوداگر۔ لائل پور)

بہت فائدہ ہے آپکا چندر کلا استعمال کر رہا ہوں نسبت پہلے کے بہت فائدہ ہے۔ مغز میں طاقت رہتی ہے۔ دل بھی برقرار ہو جاتا ہے۔ جریان بھی کم ہے۔ (مولچند ضلع پھگواڑی)

اپنے ہاں کے کسی مشہور سوداگر یا دوائی فروش سے طلب کرو یا براہِ راست

کارخانہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمیٹڈ گمٹی بازار لاہور سے منگاؤ

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیا گاؤں - لکھنؤ

خیالی ملک و قوم کے تنظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا - ۔۔۔ ۲؍

آولیس - روما [illegible] عہد کے کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے - نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے - قیمت ۸؍

وکرم اروسی - یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور کتاب کا ترجمہ معہ ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے قابل دید کتاب ہے - ۱۰؍

نظم و زہرا - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلآویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے - نیچرل کیفیات و جذبات میں از سرتاپا ڈراما ڈوبا ہوا ہے ضرور ملاحظہ فرمائیں - ۸؍

انتخاب زوج - دہلی کی ایک مشہور انشا پرداز خاتون کے زور قلم کا یہ تازہ کارنامہ ہے اس میں قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے صنف ذکور کی خدمت میں اپیل کیا ہے کہ شوہر کے انتخاب میں اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھ کر حاصل کر لیا جایا کرے ۳؍

وصال - منشی درگا سہائے صاحب مرحوم کی [illegible] تصنیف قیمت ۸؍

نیک بی بی - جس میں شوہروں پر عورتوں کی سعی فلسفہ حقیقی اور سب جانشکا مضمون کا بہت اچھا [illegible] دکھایا گیا ہے - ۸؍

جذبات بھاشا - بھاشا کے شاعروں کا قدرتی شاعری کی تصویر کھینچنا لکھنے بانکپن عشق کا کرتب یعنی خودداری حیا غرور حسن محبت - یہ وہ جذبات ہیں جو بھاشا کی شاعری کا ستون ظاہر ہوتا ہے جس کی سادی آسان طرز [illegible] دلوں میں چٹکیاں سی لیتی ہیں - جذبات بھاشا میں ملک کی قابل انشا پرداز حضرت نیاز فتحپوری نے اس وضع کے معنی بیان کئے ہیں قیمت مجلد ۱۲؍

نوادر تاریخ

تاریخ اودھ - نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے واجد علی شاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں - یہ مستند و نایاب کتب تواریخ سے مرتب کی گئی ہے - اس کے مولف جناب نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں جس پر زبان اردو کو بجا ناز ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کے دربار کی پوری تصویر دکھاتی ہے مکمل ۴ جلدوں کی قیمت ۲؍

یادگار دربار اسلام - جلد اول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم کے سوانحات عمر صفحات ۴۵۶

" " " - جلد دوم جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم خلفائے اول و دوم کے مفصل سوانحات عمر معہ فتوحات - انتظامات و ذاتی حالات وغیرہ کے پوری تحقیق کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں قابل دید کتاب ہے صفحات ۴۵۶ قیمت ہر دو حصہ علاوہ محصول ۳؍

تاریخ اندلس مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت یورپ میں لاجواب کتاب ۱۲؍

علمائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڑھ کی مشہور تصنیف جس میں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں ۸؍

ملنے کا پتہ - دفتر تمدن بنا گاؤں لکھنؤ

شباب لکھنؤ - اگر آپ گزشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیے - ایک سالگرہ نژ سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلم بند کئے ہیں - مترجمہ منشی احمد علی صاحب بی - اے - عہ

قدیم ہندوستان کی تہذیب مشہور فاضل مسٹر آر - سی - دت کی بے مثل تاریخ سویلائزیشن آف انشینٹ انڈیا کا ترجمہ - عہ

مکمل محاربات روس و جاپان - حصہ اول و دوم قیمت فی حصہ ۱۲ر

تاریخ مذاہب - اس میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابل اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے - قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

جمیع حالات جاپان - جس میں ملک جاپان کی ہر قسم کے حالات مادی - مذہبی - تعلیمی - وغیرہ سے جاپان کی ترقی کی تاریخ اور جاپان کے شہنشاہ نامور مدبرین سپہ سالاران و امیر البحران وغیرہ کے حالات درج ہیں - مجلد رعایتی قیمت ۸ر

علوم طبیعہ کی تاریخ - علوم طبیعہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں - سائنس کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکمانے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا نہایت مفید کتاب ہے مضامین کی وضاحت کیلئے صدہا تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد مجلد عہ

تاریخ یونان - سلطنت یونان کے عروج و زوال کے اسباب - نظام سلطنت - معرکہ آرائیاں اور فتوحات وغیرہ کے مفصل حالات - قیمت ۸ر

تاریخ مصر - جس میں قدیم زمانہ کے مصریوں کی رسم و رواج - طرز معاشرت - عادات و خصائل - تیوہار - معبودوں - علم الاصنام - نظام سلطنت معرکہ آرائیوں اور فتوحات - عروج و زوال کے اسباب - علم فنون وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں با تصویر کتاب ہے - قیمت ۸ر

تاریخ روم - اس نادر کتاب میں مقتدر مصنف نے سلطنت روما کی ابتدا سے شروع کرکے روم کے تاریخ جلیل القدر قیاصرہ کے عہد انتظام بہبت التزام کے اختتام تک بڑی دلچسپ صورت میں قلم بند کیا ہے - قیمت ۸ر

تاریخ تمدن - یعنی مسٹر ہنری ٹامس بکل کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف سویلیزیشن" کا ترجمہ مترجمہ مرحوم مغفور منشی محمد احمد علی صاحب بی - اے - ایل - ایل بی - وکیل - قیمت عہ

تذکرہ بہادران اسلام - یہ ایک لاجواب اور قابل دید کتاب ہے - ہر ایک مسلمان کے مطالعہ میں رہنا ضروری ہے - تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف رہے - صفحات ۴۲۵ رعایتی قیمت عہ

گنج شایگان - قدیم شاہان ایران سے لیکر اس وقت تک کی دنیا بھر کی سلطنتوں ریاستوں وغیرہ کے سونے چاندی کے سکوں کی دونوں رخوں کی اصلی تصویریں مع حالات وزن وغیرہ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ۔ دفتر تمدن۔ نیا گاؤں لکھنو

سوانحات عمری

الہارون۔ سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم معہ نقشہ سلطنت عباسیہ ومنظر دار الخلافتہ بغداد ۱۲/

حیات نور الدین محمود یعنی ملک العادل سلطان نور الدین زنگی نور اللہ تربتہ فاتح شام وجزیرہ مصر کی مفصل سوانحعمری ۱۰/

یادگار سعدی۔ یعنی سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری اور ان کی جملہ اخلاقی تصانیف نثر اور مقالات اور ناصحانہ اشعار وحکایات کا انتخاب ۸/

حیات حافظ۔ جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے ۱۲/

بنت الرسول صلعم۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کے لئے لکھا ہے حجم ۱۴۸ صفحات قیمت رعایتی ۵/

جہاں آرا۔ شاہجہاں بادشاہ کی فاضل بیٹی جہاں آرا بیگم کی سوانحعمری۔ اس کے مارل۔ سوشل اور پولیٹکل کارنامے مورخین یورپ کی نکتہ چینوں پر محققانہ نظر۔ کاغذ وغیرہ عمدہ قیمت رعایتی ۸/

مشاہیر بہی خواہان آدم۔ یعنی ان ہمدردان بنی نوع انسان کی سوانحعمریوں کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے ہر شخص حب انسانی سے بھرجاتا ہے۔ ۳/

مشاہیر عالم۔ اس مختصر رسالہ میں ان مشاہیر عالم کے اسمائے گرامی منسلک ہیں جن کی اولالعزمیاں طرح طرح کے کارہائے نمایاں کے متعلق آسمان شہرت پر چمک رہی ہیں۔ قیمت ۸/

کتب متعلق اسلام

ادلۃ الکرم فی اثبات عقائد الاسلام جس میں ہر ایک عقیدہ اسلام کا ثبوت علوم جدیدہ وسائنس کی رو سے دیا گیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے۔ قیمت رعایتی ۸/

چمنستان عرب غنچہ حج۔ اس کتاب میں قرآن شریف۔ احادیث مبارک سیرو تواریخ سے حج مکہ معظمہ۔ کعبہ مقدسہ۔ مدینہ منورہ۔ اور عرب کے تاریخی اور جغرافیائی حالات بہت تحقیق وتفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ آج تک اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں شائع ہوئی ۱۰/

تاریخ مسجد الحرام ۸/

تہذیب الاسلام۔ جس میں فلسفہ یورپ کی تحقیقات موجودہ سائنس جدید کے انکشافات کو اسلام کے مسائل حنفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج وزوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے۔ ۸/

برکات سلطانی۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ والئی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی اسلامی وعلمی خدمات کا مرقع باتصویر پڑھنے کے قابل کتاب ہے ۱۲/

المشتہر
منیجر تمدن بک ایجنسی نیا گاؤں لکھنو

نظارہ

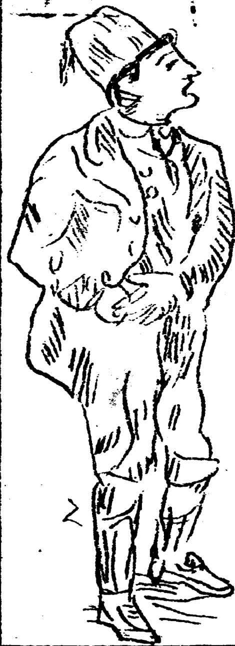
یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسےٰ نہ لاسکے!

یہی وہ نظارہ ہے جس کے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دیدۂ علم کے تماشائی کہاں ہیں۔ آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا (جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں) تماشا دیکھیں۔

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہوسکتی ہے۔ نمونہ پانچ آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ



نوٹ - ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۱۸ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے - جو شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری مفت بلا قیمت و محصولڈاک بھیجی جاتی ہے ۔

جس کا درد وہی جانتا ہے
دوسرا کیوں کر جان سکتا ہے

یوں تو کوئی ایسا مرض نہیں جسکی تکلیف سے مریض نالاں اور پریشان نہو مگر دمہ کے خاصکر دمہ کی ناقابل برداشت تکلیف سے واقعی بہت ہی پریشان ہوتے ہیں۔ اور رات دن سانس پھولنے کی وجہ سے دم نکلے جاتے ہیں اور نیند تک حرام ہو جاتی ہے دیکھئے آج اسکو کسقدر رنگ لائے لیکن افسوس ہے کہ اس لاعلاج مرض کی بازاری دوا زیادہ نشیلی اشیا اور دھتورہ بھنگ بلا ڈونا وغیرہ ای اوڈائڈ دے کر بنتی ہے۔ اس لئے فائدہ ہونا تو درکنار مریض بے موت مارا جاتا ہے ڈاکٹر برمن کا اصول سے بنی ہوئی **دمہ کی دوا** ایک انمول جواہر ہے یہ صرف ہماری ہی بات نہیں ہے بلکہ ہزاروں مریض اس مرض سے شفا پاکر مداح ہیں۔ آپ نے بہت خرچ کیا ہوگا لیکن ایک مرتبہ اسے بھی آزمائیں اسمیں نقصان نہیں قیمت عہ فی شیشی محصول ڈاک پانچ آنے ۵ر

اس دوا کے دو خاص فوائد ہیں (۱) ایک خوراک میں دمہ دبتا ہے (۲) اور کچھ روز استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ اور جب تک استعمال میں رہے دورہ نہیں ہوتا ۔

ہمیشہ تندرست رہنے کی ترکیب

آپ جانتے ہیں انسان کی زندگی خون سے ہے اسلئے خون صاف رکھنا ضرور ہے اسکی ترکیب آسان ہے ڈاکٹر برمن کا آئی اوڈائز سارسا مفید ثابت ہوا ہے اسمیں پوٹاس ای روڈائڈ وغیرہ کی ایک آزمودہ ادویات ملاکر بنتا ہے۔ اسلئے تمام سارسا سے زیادہ مفید ہے گرمی آتشک گٹھیا وغیرہ یا پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے خون بگڑ گیا ہو تو اسکو استعمال کیجیئے خون بگڑنے کی دو وجہ ہیں آتشک و گٹھیا ایسے عارضے ہیں۔ پارہ ملی ہوئی دوا استعمال کرنے سے خون بگڑ جاتا ہے۔ پوری حالت فہرست منگوا کر دیکھئے قیمت عہ محصول ۶ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

۵-۳-۱۹۸۹ء تمدن جلد ۱۲ نمبر ۱